رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر ۴۲

سلسلۂ سیر الصحابہؓ

سیر الصحابہؓ

جلد ششم

جس مین

بہ ترتیب چار اہم ہستیون حضرت امام حسن حضرت امیر معاویہ حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات وسوانح اخلاق وفضائل اور ان کے مذہبی علمی اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے
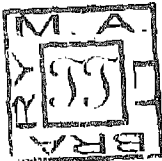
مرتبہ

مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ مطبوع گردید

سنہ ۱۹۳۲ء

سلسلۂ سیر الصحابہ

رسول اللہ صلعم کے بعد مسلمانون کے لیے صرف صحابۂ کرام کی ذات اسوۂ عمل ہے، اسلئے اُن کے حالات، سوانح، اخلاق و عادات اور اُن کے مذہبی علمی اور سیاسی کارنامون کے واقعات زیادہ تنقیح کے محتاج تھے، سیر الصحابہ کا سلسلہ اسی اصول کو پیش نظر رکھکر قرآن و حدیث اور رجال و تاریخ کی مستند کتابون سے مرتب کیا گیا ہے، اس سلسلہ کے اتبک چھ حصے شائع ہو چکے ہین، اسوۂ صحابہ، اسوۂ صحابیات، خلفائے راشدین۔ سیر المہاجرین، سیر الانصار اور سیر الصحابیات،

اس سلسلہ مین اسوۂ صحابہ خصوصیت کیساتھ نہایت اہم ہے جس کی نظیر عربی اور فارسی زبانون مین نہین مل سکتی، اس کے پہلے حصہ مین صحابۂ کرام کے عقائد، اعمال، عبادات اور اخلاق و معاشرت وغیرہ کے متعلق نہایت مؤثر واقعات حدیث و رجال کی کتابون سے اخذ کرکے جمع کئے گئے ہین اور دوسرے حصہ مین صحابۂ کرام کے مذہبی علمی اور سیاسی کارنامون کی تفصیل ہے، صحابیات کے متعلق اس قسم کے جو واقعات تھے انھین اسوۂ صحابیات کے نام سے علیحدہ ایک رسالہ مین جمع کر دیا گیا ہے،

بقیہ حصون یعنی خلفائے راشدین، سیر المہاجرین اور سیر الانصار اور سیر الصحابیات مین خلفائے راشدینؓ، مہاجر و انصار صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے حالات سوانح، اخلاق و فضائل اور اُن کے مذہبی علمی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون کے نہایت مستند اور تفصیلی حالات درج ہین، سیر المہاجرین اور سیر الانصار کے شروع مین مبسوط مقدمے ہین، جنمین صحابہ کی ان دونون قسمون کے نسبی، خاندانی، تمدنی

حالات اور زمانۂ قدیم سے لیکر فتح مکہ تک ان کی اجمالی تاریخ ہے،

جو لوگ عہد رسالت اور عہد صحابہ کی اخلاقی، مذہبی علمی اور سیاسی تصویر دیکھنا چاہتے ہین اور اُن کی برکتون سے مستفید ہونا چاہتے ہین اُن کے لیے اس سلسلہ کا مطالعہ ازبس ضروری ہے، اس سلسلہ کے حسب ذیل حصے ابتک شائع ہوچکے ہین،

اسوۂ صحابہ جلد اوّل، اس مین صحابۂ کرام کے عقائد، اعمال، عبادات اور اخلاق و معاشرت کے متعلق نہایت مستند اور پُر اثر واقعات ہین، ضخامت ۳۴۲ صفحات، قیمت ہے

جلد دوم - اس حصہ مین صحابۂ کرام کے مذہبی علمی اور سیاسی خدمات اور کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت ۴۴۷ صفحات قیمت للعہ

اسوۂ صحابیات، یہ کتاب صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع ہے

ضخامت ۲۹۰ صفحات، قیمت عمر

خلفاے راشدین، اس کے شروع مین ایک مقدمہ ہے جسمین خلافت کی مذہبی اور سیاسی حیثیت پر بحث ہے اور بہ ترتیب چارون خلفاے کرام کے ذاتی حالات، فضائل اور اُن کے مذہبی علمی اور سیاسی کارنامون اور فتوحات وغیرہ کی تفصیل ہے،

مہاجرین جلد اوّل، ابتدا مین ایک مقدمہ ہے جسمین قریش اور مہاجرین کے دوسرے قبائل کی زمانۂ قدیم سے لے کر فتح مکہ تک اجمالی تاریخ ہے، اور خلفاے راشدین رضی کے علاوہ بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ اور ۳۰، اکابر مہاجرین صحابہ کے حالات، سوانح اور اخلاق و فضائل ہین،

ضخامت ۴۲۹ صفحات قیمت للعہ

مہاجرین جلد دوم، اس مین بقیہ ۷۶ مہاجرین کرام کے سوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے سیاسی مجاہدات و کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت ۲۶۳ صفحات قیمت ہے

فہرست مضامین حصہ ششم مہاجرین صحابہؓ

حصہ اوّل

مضمون — صفحہ

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۲۴۵ — ۳۰۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

دار المصنفین مین سیر الصحابہ کا جو مقدس سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس کی تقسیم کے اعتبار سے (مہاجرین، انصار، عام صحابہ) یہ حصہ اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے، چنانچہ اس کی آیندہ دوسری جلد پر یہ سلسلہ تمام ہو جائیگا، اس حصہ مین ان صحابہ کرامؓ کے حالات ہین جو یا مہاجرین اور انصار کے علاوہ ہین، یا وہ ہین جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے ہین، ان مین سے چند صحابہ حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت حسینؓ، اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اپنی سیاسی اور مذہبی اہمیت کے لحاظ سے بہت سے اکابر صحابہ سے کم نہین ہین، ان کے دعوائے خلافت و امامت کی وجہ سے ان کے حالات تفصیل کے طالب تھے، اس لئے انھین ایک جلد مین علیحدہ جمع کر دینا مناسب ہوا تاکہ انکے حالات کیساتھ اس عہد کی مرتب تاریخ بھی سامنے آجائے، اور اس وجہ سے بھی ایسا کرنا مناسب معلوم ہوا کہ ان کے حالات ایک دوسرے سے وابستہ تھے، چنانچہ بہ ترتیب ان کے لئے ایک جلد مخصوص کر دی گئی اس کے بعد کی دوسری جلد صغار صحابہؓ کے حالات مین ہوگی،

درحقیقت ان بزرگون کے حالات کا لکھنا بہت اہم اور نازک فرض ہے، کیونکہ انھین بزرگون کے نزاعی امور نے مسلمانون کے مختلف گروہون مین بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی اختلافات پیدا کر دئے ہین، یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ تاریخی حقایق اور جذبات دو جدا جدا

چیز ین ہین، اس لئے ان کے حالات اس طرح لکھنا کہ تاریخی حقایق کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور کسی جماعت اور کسی عقیدہ اور خیال کے مسلمان کے جذبات کو اس سے ٹھیس بھی نہ لگے بہت مشکل امر اور پانی سے کھیلنا اور دامن کو تری سے بچانا ہے تاہم مین نے دونون باتون کو نباہنے اور قلم کو جادہ حق پر قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے، خدا اس سعی کو مشکور فرمائے،

اصل کتاب کے متعلق یہ گذارش ہے کہ جنگ وجدل کے واقعات مین عمداً اختصار ملحوظ رکھا گیا ہے، واقعات کا اصل مقصد اور خلاصہ لے لیا گیا ہے اور بیکار اور لاطائل تفصیلات سے کتاب کو طول نہین دیا گیا ہے، اسی لئے ان کے حوالون مین لفظی پابندی نہین کی گئی ہے، حضرت حسنین علیہما السلام کے حالات مین بعض بعض مقامات پر ناظرین کو ابن عساکر کے حوالے بھی نظر آئین گے جو بعد زمانہ کی وجہ سے انکے حالات مین زیادہ قابل استناد نہین ہے لیکن اسے اس مجبوری کی بنا پر گوارا کیا گیا کہ قدیم کتابون مین ان کے فضائل اخلاق کے واقعات بہت کم ہین، اس لئے اگر ابن عساکر سے استفادہ نہ کیا جاتا تو یہ ضروری ابواب بالکل سادہ رہجاتے، تاہم چند ناگزیر مقامات کے علاوہ اور کہین اس کتاب کو ہاتھ نہین لگایا گیا ہے،

خدا سے دعا ہے کہ وہ کاتب سطور کو ان نفوس قدسیہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائے کہ یہی اس کی قلمی کوششون کا اس بارگاہ سے بہترین صلہ ہے،

فقیر معین الدین احمد ندوی

۲ر اکتوبر ۱۹۳۲ء،

دار المصنفین اعظم گڈھ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہٖ

واصحابہٖ اجمعین

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

نام ونسب حسن نام، ابو محمد کنیت، سید (ابنی ہذا سید) اور ریحانۃ النبی (ریحانتی فی الجنۃ) خطاب شبیہِ رسول لقب، دادہالی شجرۂ طیبہ یہ ہے، ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب قرشی مطلبی، آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا، جگر گوشۂ رسول تھین، اور آپ کے پدر بزرگوار جناب امیر علی مرتضی ابن عم رسول تھے، اس لحاظ سے آپکی ذات گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی،

پیدائش سنہ ہجری کے تیسرے سال رمضان المبارک کے مہینہ مین معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ، استغنا وبے نیازی کی اقلیم کا تاجدار، صلح ومسالمت کی پرسکون مملکت کا شہنشاہ، عرش خلافت کا مسند نشین، دوش نبوت کا سوار، فتنہ وفساد کا بیخ کن، سردار دوعالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، امت مسلمہ کا محسن اعظم، نور افزاے عالم وجود ہوا، آنحضرت صلعم

کو ولادت با سعادت کی خبر ہوئی، تو حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لائے، اور فرمایا میرے بچے کو دکھانا کیا نام رکھا گیا، عرض کیا گیا حرب، فرمایا نہیں اس کا نام حسنؓ ہے، پیدایش کے ساتوین دن عقیقہ کیا اور دو مینڈھون کی قربانی کرکے سر کے بال اترواۓ، اور ان کے ہموزن چاندی خیرات کی،[1]

عہد نبوی | آنحضرت صلعم کو حضرت حسنؓ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمتون کے حصہ مین آئی ہوگی، آپ نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی، کبھی آغوش شفقت مین لئے ہوئے نکلتے کبھی دوش مبارک پر سوار کئے ہوئے برآمد ہوتے، ان کی ادنی ادنی تکلیف پر بے قرار ہوجاتے بغیر حسنؓ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا، ان کو دیکھنے کے لئے روزانہ فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لیجاتے تھے ، حضرت حسنؓ اور حسینؓ بھی آپ سے بیحد مانوس ہوگئے تھے کبھی نماز کی حالت مین پشت مبارک پر چڑھ کے بیٹھ جاتے کبھی رکوع مین ٹانگون کے درمیان گھس جاتے کبھی ریش مبارک سے کھیلتے غرض طرح طرح کی شوخیان کرتے، جان نثار نانا نہایت پیار و محبت سے ان طفلانہ شوخیون کو برداشت کرتے اور کبھی تادیبًا بھی نہ جھڑکتے، بلکہ ہنس دیا کرتے تھے، ابھی حضرت حسنؓ آٹھ ہی سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا،

عہد صدیقی | اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے، آپ بھی ذات نبویؐ کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسنؓ کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ عصر کی نماز پڑھ کر نکلے حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے، راستہ مین حضرت حسنؓ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے اٹھاکر کندھے پر بٹھالیا، اور فرمانے لگے قسم ہے یہ نبی کے مشابہ ہے، علیؓ کے مشابہ نہین ہے، حضرت علیؓ یہ سنکر ہنسنے لگے،[2]

---

[1] استیعاب ج اول ص ۱۴۴، [2] بخاری کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین،

عہد فاروقی حضرت عمرؓ نے بھی اپنے زمانہ مین دونون بھائیون کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا، چنانچہ جب آپ نے اکابر صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے تو گو حضرت حسنؓ اس صف مین نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچہزار ماہانہ مقرر فرمایا[۱]۔

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ مین ایسا ہی شفقت آمیز طرز عمل رکھا، صدیقی اور فاروقی دور مین حضرت حسنؓ اپنی کمسنی کے باعث حصہ نہ لے سکتے تھے، حضرت عثمانؓ کے عہد مین پورے جوان ہو چکے تھے، چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، اس سلسلہ مین سب سے اول طبرستان کی فوج کشی مین مجاہدانہ شریک ہوئے یہ فوج کشی سعید بن العاص کی ماتحتی مین ہوئی تھی[۲]، اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ اٹھا اور شورش زیادہ بڑھی اور باغیون نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حسنؓ نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مفید مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک کے لئے مدینہ سے باہر چلے جائے کیونکہ اگر آپ کی موجودگی مین عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، تو لوگ آپ کو مطعون کرین گے اور ان کی شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائین گے لیکن باغی حضرت علیؓ کی نقل و حرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے، اس لئے حضرت علیؓ اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے[۳]۔

البتہ حضرت حسنؓ کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجدیا، چنانچہ انھون نے اور ان کے دوسرے ساتھیون نے اس خطرہ کی حالت مین نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آورون کی مدافعت کی، اور باغیون کو اندر گھسنے سے روکے رکھا، اس مدافعت مین خود بھی بہت زخمی ہوئے، سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا لیکن حفاظت کی یہ تمام تدبیرین ناکام ثابت ہوئین، اور باغی چھت پر چڑھکر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید

---

[۱] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطا عمر بن الخطاب، [۲] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴ طبع یورپ، [۳] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸

کر دیا۔ حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے جوش غضب مین حضرت حسنؓ کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیون نے اندر گھس کر عثمانؓ کو شہید کر ڈالا[1]

بیعت خلافت کے وقت حضرت علیؓ کو مشورہ

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسند خلافت خالی ہوگئی اور مسلمانون کی نگاہ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی اور انھون نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسنؓ نے غایت عاقبت اندیشی سے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نکرین اُس وقت تک آپ اسے نہ قبول فرمائیے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجرین و انصار کا حق ہے، جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کرلین تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اسکی اطاعت واجب ہوجاتی ہے، بیعت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانون کے مشورہ کی شرط نہین ہے، اور خلافت قبول کر لی[2]

جنگ جمل سے حضرت علیؓ کو روکنا

حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد جب حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر رضوان اللہ علیہم حضرت عثمانؓ کے قصاص مین ان کے قاتلون سے بدلہ لینے کے لئے نکلے تو پھر حضرت حسنؓ نے حضرت علیؓ کی خدمت مین عرض کیا کہ آپ مدینہ لوٹ چلیئے اور کچھ دنون کے لئے خانہ نشین ہوجائیے لیکن حضرت علیؓ کی راے مین ان حالات مین مدینہ لوٹنا، اور خانہ نشین ہوجانا امت کے ساتھ فریب تھا، اور اس سے امت اسلامیہ مین مزید افتراق و انشقاق کا اندیشہ تھا، اس لئے واپس نہ ہوئے[3]

جنگ جمل

یہ وہ وقت تھا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ وغیرہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لئے نکل چکے تھے، اس لئے حضرت علیؓ نے بھی مقابلہ کی تیاریان شروع کردین، جب آپ بالکل آمادہ ہوگئے

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۵۹، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۵، [3] ایضاً ص ۱۵۵،

توحضرت حسن رضؓ کو بھی چار و ناچار آپ کی حمایت مین نکلنا پڑا، چنانچہ والد بزرگوار کے حکم کے مطابق حضرت عمار بن یاسرؓ کے ہمراہ اہل کوفہ کو ان کی امداد پر آمادہ کرنے کے لئے کوفہ تشریف لیگئے، انھین ایام مین حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمانون کو خانہ جنگی اور فتنہ و فساد سے روکنے کے لئے کوفہ آئے ہوئے تھے، اور جامع کوفہ مین تقریر کر رہے تھے کہ "برادران کوفہ تم لوگ عرب کی بنیاد بن جاؤ، تاکہ مظلوم اور خوفزدہ تمھارے دامن مین پناہ لین، لوگو فتنہ اٹھتے وقت پہچان نہین پڑتا بلکہ مشتبہ رہتا ہے، فرو ہونے کے بعد اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہین یہ فتنہ کہان سے اٹھا ہے، اور کس نے اٹھایا ہے، اس لئے تم لوگ اپنی تلوارین نیام مین کر لو، نیزہ کے پھل نکال ڈالو، کمانون کے چلے کاٹ دو، اور گھرون کے اندرونی حصہ مین بیٹھ جاؤ، لوگو! فتنہ کے زمانے مین سونے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہے"

حضرت حسن رضؓ نے مسجد پہنچکر یہ تقریر سنی تو حضرت ابو موسیٰؓ کو روک دیا، اور فرمایا تم یہان سے نکل جاؤ اور جہان جی مین آئے چلے جاؤ، اور خود منبر پر چڑھ کر اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد پر ابھارا، چنانچہ آپ کی دعوت اور حجر بن عدی کندی کی تقریر پر ۹۶۵۰ کوفی حضرت علیؓ کیساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے، حضرت حسنؓ ان سب کو لیکر مقام ذی قار مین حضرت علیؓ سے مل گئے، اور جنگ کے فیصلہ تک برابر ساتھ رہے[1]،

جمل کے بعد صفین کا قیامت خیز معرکہ ہوا، اس مین بھی آپ اپنے والد بزرگوار کیساتھ تھے، اور التوائے جنگ پر جو عہدنامہ مرتب ہوا تھا اس مین شاہد تھے[2]،

حضرت علیؓ کی شہادت، خلافت کے پانچوین سال ابن ملجم نے حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کیا، زخم کاری لگا تھا، اس لئے نقل و حرکت سے معذور ہو گئے، چنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسنؓ کو

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۴، [2] مسعودی ج ۲ ص ۳۶۳،

تفویض فرمائی، اس جمعہ مین آپ نے ذیل کا خطبہ دیا،

"خدا نے جس نبی کو مبعوث کیا اس کو ایک ذات، ایک قبیلہ اور ایک گھر عنایت فرمایا، اس ذات کی قسم جس نے محمد صلعم کو مبعوث کیا، جو شخص ہم اہلبیت کا کوئی حق تلف کریگا، خدا اس اتلافِ حق کے بقدر اس شخص کا حق گھٹا دیگا[1]"

حضرت علیؓ کا زخم نہایت کاری تھا جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو بعض ہواخواہون نے آپ سے حضرت حسنؓ کی آیندہ جانشینی اور خلافت کے بارہ مین سوال کیا آپ نے فرمایا "نہ مین حکم دیتا ہون اور نہ روکتا ہون[2]"

زخمی ہونے کے تیسرے دن حضرت علیؓ جنت الفردوس کو سدھارے حضرت حسنینؓ اور جعفر نے غسل دیا، حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز فجر کے قبل آپ کا جسدِ خاکی مقام رحبہ مین جامع مسجد کے متصل سپرد خاک کیا گیا[3]

حضرت حسنؓ کی بیعت خلافت

حضرت علیؓ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کے مقبوضہ علاقہ کے علاوہ باقی سارے ملک کی نظرین حضرت حسنؓ کی طرف تھین، چنانچہ والد بزرگوار کی تدفین سے فراغت کے بعد آپ جامع مسجد تشریف لائے، مسلمانون نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھائے آپنے ان سے بیعت لی، اور بیعت کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی،

آپ کی پہلی تقریر

لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے اور نہ پچھلے اس کو پا سکین گے، رسول اللہ صلعم اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر لڑائیون مین بھیجتے تھے، وہ کبھی کسی جنگ سے ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ اور جبرئیلؑ چپ و راست اس کے جلو مین ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے سوا جو اس کی مقررہ تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا کوئی ذرہ

[1] طبری [2] مسعودی ج ۲ ص ۲۶۳، [3] ابن سعد ج ۳ ق اول ذکر علیؓ،

نہین چھوڑا ہے، یہ درہم بھی ایک خادم خریدنے کے لئے جمع کئے تھے[1] اس بیعت اور تقریر کے بعد آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے،

امیر معاویہؓ کا جارحانہ اقدام

جناب امیر اور امیر معاویہ مین بہت قدیم اختلاف آرہا تھا امیر معاویہؓ ان کی حیات ہی مین عالم اسلامی پر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے، لیکن جناب امیرؓ کی زندگی مین یہ خواب منت کشِ تعبیر نہ ہوا، آپ کی وفات کے بعد امیر معاویہؓ کا یہ جذبہ دفعۃً نہایت شدت کیساتھ ابھر آیا، امیر معاویہؓ کو یہ معلوم تھا کہ حسنؓ صلح پسند ہین، اور جنگ وجدال وہ دل سے ناپسند کرتے ہین، اور واقعہ بھی یہی تھا، کہ حضرت حسنؓ کو قتل وخونریزی سے شدید نفرت تھی، اور اس قیمت پر وہ خلافت لینے پر آمادہ نہ تھے، چنانچہ آپ نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی نوبت آئی تو امیر معاویہؓ سے اپنے لئے کچھ مقرر کرا کے خلافت سے دست بردار ہو جائین گے[2]،

امیر معاویہؓ کو ان حالات کا پورا اندازہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ہی انھون نے فوجی پیشقدمی شروع کر دی اور پہلے عبداللہ بن عامر بن کریز کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے روانہ کر دیا، یہ انبار ہوتے ہوئے مدائن کی طرف بڑھے،

حضرت حسنؓ کی مقابلہ کیلئے آمادگی اور واپسی

حضرت حسنؓ اسوقت کوفہ مین تھے، آپکو عبداللہ بن عامر کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو آپ بھی مقابلہ کے لئے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے، ساباط پہنچکر اپنی فوج مین کمزوری اور جنگ سے پہلو تہی کے آثار دیکھے، اسلئے اسی مقام پر رک کر حسب ذیل تقریر کی، مین کسی مسلمان کے لئے اپنے دل مین کینہ نہین رکھتا، اور تمھارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہون جو اپنے لئے پسند کرتا ہون، تمھارے سامنے

[1] ابن سعد جزو ۳ ق اول ذکر علیؓ، حاکم نے مستدرک مین بھی اسکو خفیف تغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، [2] طبری ج ۷، ص ۱

ایک رائے پیش کرتا ہون، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کروگے، جس اتحاد و یکجہتی کو تم ناپسند کرتے ہو
وہ اس تفرقہ اور اختلاف سے کہین افضل و بہتر ہے، جسے تم چاہتے ہو، مین دیکھ رہا ہون کہ
تم مین سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہین، اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہین، مین
تم لوگون کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہین چاہتا، یہ خیالات سنکر لوگ سناٹے مین آگئے
اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، اگرچہ کچھ لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہین، تاہم بہت سے
خارجی عقائد کے لوگ جو آپ کے ساتھ تھے، وہ معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے، انھون نے
جب یہ رنگ دیکھا، تو حضرت علیؓ کی طرح، حضرت حسنؓ کو بھی برا بھلا کہنے لگے اور ان کی تکفیر کرنی
شروع کردی، اور جس مصلی پر آپ تشریف فرما تھے حملہ کرکے اسے چھین لیا، اور پیراہن مبارک
کھسوٹ کر گلے سے چادر کھینچ لی، حضرت حسنؓ نے یہ برہمی دیکھی، تو گھوڑے پر سوار ہوگئے
اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی، انھون نے بڑھکر خارجیون کے نرغہ سے چھڑا لیا، اور آپ سیدھے
مدائن روانہ ہوگئے، راستہ مین جراح بن قبیصہ خارجی حملہ کی تاک مین چھپا ہوا تھا، حضرت
حسنؓ جیسے ہی اس کے قریب سے ہوکر گذرے اس نے حملہ کرکے زانوے مبارک زخمی کردیا،
عبداللہ بن خطل اور عبداللہ بن ظبیان نے جو امام کے ساتھ تھے، جراح کو پکڑ کر اس کا کام تمام
کردیا، اور حضرت حسنؓ مدائن جاکر قصر ابیض مین قیام پذیر ہوگئے، اور زخم بھرنے تک ٹھہرے
رہے، شفایاب ہونے کے بعد پھر عبداللہ بن عامر کے مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے، اس دوران
مین امیر معاویہؓ بھی انبار پہنچ چکے تھے، اور قیس بن عامر کو جو حضرت حسنؓ کی طرف سے یہان
متعین تھے، گھیر لیا تھا، ادھر معاویہؓ نے قیس کا محاصرہ کیا، دوسری طرف حضرت حسنؓ اور
عبداللہ بن عامر بالمقابل آگئے، عبداللہ اس موقع پر یہ چال چلا کہ حضرت حسنؓ کی
فوج کو مخاطب کرکے کہا کہ عراقیو! مین خود جنگ کرنا نہین چاہتا، میری حیثیت صرف

معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے، اور وہ شامی فوجین لیکر خود انبار تک پہنچ چکے ہین، اس لئے حسنؓ کو میرا سلام کہہ دو اور میری جانب سے یہ پیام پہنچا دو کہ ان کو اپنی ذات اور اپنی جماعت کی قسم جنگ ملتوی کر دین، عبد اللہ بن عامر کا یہ افسون کارگر ہو گیا، حضرت حسنؓ کے ہمراہیون نے اس کا پیام سنا تو انھون نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیچھے ہٹنے لگے، حضرت حسنؓ نے اسے محسوس کیا، تو وہ پھر مدائن لوٹ گئے،

خلافت سے دست برداری

حضرت حسنؓ کے مدائن کے چلے آنے کے بعد عبد اللہ بن عامر کو موقعہ مل گیا، چنانچہ اس نے بڑھکر آپ کو مدائن مین گھیر لیا، حضرت حسنؓ پہلے ہی سے امیر معاویہؓ کے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ تھے، اپنے ساتھیون کی بزدلی اور کمزوری کا تجربہ کرنے کے بعد جنگ کا خیال بالکل ترک کر دیا، اور چند شرائط پر امیر معاویہؓ کے حق مین خلافت سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا، اور یہ شرائط عبد اللہ بن عامر کے ذریعہ سے امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دئے، شرائط حسب ذیل ہین،

(۱) کوئی عراقی محض بغض وکینہ کی وجہ سے نہ پکڑا جائیگا، (۲) بلا استثنا سب کو امان دیجائیگی، (۳) عراقیون کے ہفوات کو انگیز کیا جائیگا، (۴) اہواز کا کل خراج حسنؓ کیلئے مخصوص کر دیا جائیگا، (۵) حسینؓ کو دو لاکھ سالانہ علٰحدہ دیا جائیگا، (۶) بنی ہاشم کو صلات وعطایا مین بنی عبد شمس (بنی امیہ) پر ترجیح دیجائیگی،

عبد اللہ بن عامرؓ نے یہ شرائط امیر معاویہؓ کے پاس بھجوا دیئے، انھون نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطین منظور کر لین، اور اپنے قلم سے ان کی منظوری کا سرخط لکھ کر اپنی مہر ثبت کر کے معززین وعمائد کی شہادتین لکھوا کر حضرت حسنؓ کے پاس بھجوا دیا[1]،

---

[1] یہ تمام حالات اخبار الطوال دینوری ۲۳۰ تا ۲۳۲ سے ماخوذ ہین، ابن اثیر کا بیان (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ پر دیکھیے)

دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو مقدمۃ الجیش کیساتھ شامیون کے مقابلہ پر مامور تھے، اس صلح کی اطلاع دی، اور جملہ امور امیر معاویہؓ کے حوالہ کرکے مداین چلے آنے کا حکم دیا، قیس کو یہ فرمان ملا تو انھون نے فوج کو پڑھکر سنایا، اور کہا کہ اسکے بعد ہمارے لئے صرف دو صورتین ہین، یا تو بلا امام کے جنگ جاری رکھین یا معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلین، ان کے دستہ مین بھی کچھ کمزور لوگ موجود تھے جنھون نے امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلی، اور قیس حضرت حسنؓ کے حکم کے مطابق آپ کے پاس مداین چلے آئے ان کے مداین آنے کے بعد حضرت حسنؓ کوفہ تشریف لے گئے، امیر معاویہؓ یہان آکر آپ سے ملے، اور دونون مین صلحنامہ کے شرائط کی زبانی بھی تصدیق و توثیق ہوگئی، [۱]

اوپر جو شرطین اخبار الطوال سے نقل کی گئی ہین، ان کے علاوہ عام طور پر ایک یہ شرط بہت مشہور ہے کہ "امیر معاویہ کے بعد حسنؓ خلیفہ ہون گے" لیکن یہ شرط مروج الذہب مسعودی، اخبار الطوال دینوری، یعقوبی، طبری، اور ابن اثیر وغیرہ کسی مین بھی نہین ہے، البتہ علامہ ابن عبد البر نے استیعاب مین لکھا ہے کہ علما کا یہ بیان ہے کہ حسنؓ صرف معاویہ کی زندگی ہی تک کے لئے ان کے حق مین دست بردار ہوئے تھے، [۲] لیکن ابن عبد البر کا یہ بیان خود محل نظر ہے، اس لئے کہ جو واقعہ کسی مستند تاریخ مین نہین ملتا، اس کو علماء کا متفقہ بیان کیسے کہا جا سکتا ہے، ممکن ہے ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے رہی ہو، لیکن تاریخون سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اس سے کسی قدر مختلف ہے، اسکی روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ جسوقت امام حسنؓ نے اپنے شرائط امیر معاویہؓ کے سامنے پیش کرنے کیلئے بھیجے تھے اسی دوران مین امیر معاویہؓ نے بھی ایک سادہ کاغذ پر مہر لگا کے حسنؓ کے پاس بھیجا تھا کہ اس پر وہ جو شرائط چاہین تحریر کردین، سب منظور کیجائین گی، اس کاغذ کے بھیجنے کے بعد امیر معاویہ کے پاس حسنؓ کے شرائط والا کاغذ پہنچا، امیر معاویہؓ نے اسکو روک رکھا، حسنؓ کو جب امیر معاویہؓ کا مہر کردہ سادہ کاغذ ملا تو انھون نے اسمین بہت سی ایسی شرطین جو پہلے مطالبہ مین نہ تھین بڑھا دین، لیکن امیر معاویہؓ نے انھین تسلیم نہین کیا اور صرف انھین شرائط کو مانا جسے حسن پہلے بھیج چکے تھے، (ابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۲)، [۱] اخبار الطوال ص ۲۲۱، [۲] استیعاب تذکرہ حسنؓ،

اس کی تصدیق نہین ہوتی، خود طبری نے بھی جو اپنی تاریخ مین ہر قسم کی رطب و یابس روایتین نقل کر دیتا ہے، اس شرط کا کہین تذکرہ نہین کیا ہی، اور آیندہ واقعات سے بھی ان کی تائید نہین ہوتی حضرت حسن رضؓ کی وفات کے بعد جب امیر معاویہ رضؓ یزید کی بیعت لینے کے لئے مدینہ گئے، اور ابن زبیر رضؓ، حسین رضؓ، اور عبد الرحمن رضؓ بن ابی بکر رضؓ وغیرہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا تو ان بزرگون نے اس کے خلاف ہر طرح کے دلائل دیئے، ابن زبیر رضؓ نے کہا کہ یہ طریقہ خلفاے راشدین رضؓ کے انتخابی طریقہ کے خلاف ہے، اس لئے ہم اسے منظور نہین کر سکتے، عبد الرحمن بن ابی بکر نے کہا یہ قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، لیکن کسی نے بھی یہ نہین کہا کہ حسن رضؓ صرف تمہارے حق مین دست بردار ہوئے تھے، اس لئے یزید ولیعہد نہین بنایا جا سکتا، ظاہر ہے کہ اگر ان بزرگون کو اس قسم کی کسی شرط کا علم ہوتا تو وہ دوسرے دلائل کیسا تھ اسے بھی یزید کی ولیعہدی کی مخالفت مین پیش کرتے، پھر امیر معاویہ رضؓ کی وفات کے بعد جب حضرت حسین رضؓ یزید کے مقابلہ مین کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنے دعوی کی تائید اور یزید کی مخالفت مین بہت سی تقریرین کین اور ان تقریرون مین یزید کی مخالفت کے اسباب بیان کئے، لیکن کسی تقریر مین بھی آپ نے یہ دعوی نہین فرمایا کہ چونکہ میرے بھائی حسن رضؓ صرف امیر معاویہ رضؓ کے حق مین دست بردار ہوئے تھے اور وہ امیر معاویہ رضؓ کی زندگی مین وفات پا چکے تھے اسلئے اصول توارث کی رو سے ان کی جانشینی کا حق مجھے یا حسن رضؓ کی اولاد کو پہنچتا ہے، حالانکہ یزید کی حکومت کے خلاف دلائل مین یہ بڑی قوی دلیل تھی، لیکن حضرت حسین رضؓ نے اس کی طرف اشارہ بھی نہین فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہی سر سے غلط ہی، باقی رہا یہ سوال کہ پھر بعض ارباب سیر نے اسے کیون نقل کیا ہی، اس کا جواب ان لوگون کے لئے بہت آسان ہے، جو بنی امیہ اور بنی ہاشم کی اختلافی تاریخ پر نظر رکھتے ہین کہ ان مین

سے ہر ایک کے حامی دوسرے کے متعلق ایسی روایتین گڑھ دیتے ہین جس سے دوسرے
کے دامن پر کوئی دھبہ آتا ہو،

اس مین کوئی شک نہین کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف صف آرا ہو کر اور
پھر اپنے بعد یزید کو ولیعہد بنا کر اسلامی جمہوریت کو مٹادیا، اور تاریخ اسلام مین ایسی بری
مثال قائم کی جس کا خمیازہ آجتک مسلمان بھگت رہے ہین، لیکن اس غلطی کو محض اسکی
حد تک محدود رکھنا چاہیئے تھا، مگر ان کے مخالفون نے اس پر بس نہین کیا، بلکہ ان کے خلاف
ہر طرح کے بہتان تراش کر تاریخون مین شامل کر دیئے، اوپر کی شرط بھی اسی بہتان کی ایک
بدنما کڑی ہے، میرے نزدیک اس شرط کی ایزاد سے امیر معاویہؓ کے اشارہ سے حضرت حسنؓ
کو زہر دیجانے والی روایت کی توثیق مقصود ہے، یہ اس طرح کہ جب بطور مقدمہ کے اسے تسلیم
کر لیا جائے کہ حسنؓ صرف معاویہ کی زندگی تک کے لئے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے، اور
امیر معاویہؓ اپنے خاندان مین حکومت چاہتے تھے، تو پھر ان دونون مقدمات سے یہ کھلا ہوا نتیجہ
نکل آتا ہے کہ حسن کو امیر معاویہؓ ہی نے زہر دلوایا تھا، اور یہ ایسا مکروہ الزام ہے، جس سے
امیر معاویہ کی اخلاقی تصویر نہایت بھیانک ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے مورد طعن بنجاتے
ہین، حضرت حسنؓ کے اسباب وفات پر انشاءاللہ امیر معاویہؓ کے حالات مین تفصیل سے
بحث کیجائیگی،

مجمع عام مین دستبرداری کا اعلان اور مدینہ کی واپسی

حضرت حسنؓ اور معاویہ کی مصالحت کے بعد عمرو بن العاصؓ نے جو امیر معاویہؓ کے ہمراہ
تھے، ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام مین حسنؓ سے دستبرداری
کا اعلان کرادو، تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے اس کو سن لین، مگر امیر معاویہؓ مزید حجت
مناسب نہ سمجھتے تھے، اس لئے پہلے اس پر آمادہ نہ ہوئے، مگر جب عمرو بن العاصؓ نے بہت

زیادہ اصرار کیا تو انھون نے حضرت حسنؓ سے درخواست کی کہ وہ برسرِ عام دستبرداری کا اعلان کر دین، امیر معاویہؓ کی اس فرمایش پر حضرت حسنؓ نے مجمعِ عام مین حسبِ ذیل تقریر ارشاد فرمائی،

اما بعد، لوگو خدا نے ہمارے اگلون سے تمھاری ہدایت اور پچھلون سے تمھاری خونریزی رکوائی، دانائیون مین بہترین دانائی تقوی اور عجز مین سب سے بڑا عجز بداعمالیان ہین، یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہؓ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے حقدار ہین، یا ہم، دونون صورتون مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگون کی خونریزی سے بچنے کے لئے مین اس سے دستبردار ہوتا ہون، پھر معاویہؓ کی طرف مخاطب ہو کر، فرمایا" یہ خلافت تمھارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے" یہ سن کر امیر معاویہؓ نے کہا، بس کیجئے اس قدر کافی ہے، اور عمرو بن العاصؓ سے کہا تم مجھے یہی سنوانا چاہتے تھے[۱]،

اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد حضرت حسنؓ اپنے اہل وعیال کو لیکر مدینۃ الرسولؐ چلے گئے، اس طرح آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی کہ "میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانون کے دو بڑے فرقون مین صلح کرائیگا"

باختلافِ روایت آپ کی مدتِ خلافت ساڑھے پانچ مہینہ یا چھ مہینہ سے کچھ زیادہ یا سات مہینہ سے کچھ زیادہ تھی، آپ کی بیعتِ خلافت کی تاریخ تو معین ہے لیکن دستبرداری مین بڑا اختلاف ہے، چنانچہ بعض ربیع الاول ۴۱ھ بعض ربیع الثانی اور بعض جمادی الاول بتاتے ہین، اسی لئے مدتِ خلافت مین بھی یہ اختلاف ہو گیا ہے

معاویہ اور قیس بن سعد مین صلح

حضرت حسنؓ کی دست برداری سے آپ کے خاص حامیون اور حضرت علیؓ کے فدائیون کو سخت دھکا لگا، اس مین شک نہین کہ حضرت حسنؓ کی

[۱] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۴ اور استیعاب ج اول ص ۱۴۴،

کے کچھ آدمیون نے جنپر شامیون کا مخفی جادو چل گیا تھا کمزوری دکھائی تھی، لیکن ان کے علاوہ ہزارون فدائیان علی سربکف جان دینے کے لئے آمادہ تھے، خود قیس بن سعد جو حضرت حسنؓ کے مقدمۃ الجیش کے کماندار تھے، حضرت حسنؓ کے حکم پر معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑکر مدائن تو چلے آئے تھے، لیکن دست برداری کے بعد کسی طرح معاویہ کی خلافت تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے اور انسے مقابلہ کرنے کیلئے ہمہ تن آمادہ تھے اور اپنی ہم خیال جماعت سے جنگ کے لئے بیعت بھی لے لی تھی، لیکن آخرمین امیر معاویہؓ نے ان کے تمام مطالبات مان کر صلح کرلی[۱]،

وفات حضرت حسنؓ دستبرداری کے بعد سے آخری لمحہ حیات تک اپنے جد بزرگوار کے جوار مین اطمینان وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے، ۵۰ھ مین آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دیدیا[۲]، سم قاتل تھا قلب وجگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے، جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہوگئے، تو حسینؓ کو بلاکر ان سے حالت بیان کی، انھون نے زہر دینے والے کا نام پوچھا، فرمایا، نام پوچھ کر کیا کروگے؟ عرض کیا قتل کرونگا، فرمایا اگر میرا خیال صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے، تو مین نہین چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے، یہ کہکر مشتبہ زہر دینے والے کا نام بتانے سے انکار کردیا، حضرت حسنؓ کو اپنے جد امجد کے پہلو مین دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی، اس لئے جب زندگی سے مایوس ہوگئے تو اپنی نانی عائشہؓ صدیقہ سے حجرۂ نبوی مین دفن ہونے کی اجازت چاہی، حضرت عائشہؓ نے نہایت خوشی کے ساتھ اجازت دیدی، اجازت

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۴ [۲] اس زہر کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا، جو سراسر غلط ہے اس پر تفصیلی تنقید انشاء اللہ امیر معاویہؓ کے حالات مین آئیگی،

ملنے کے بعد احتیاطاً پھر وصیت کردی کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے میری زندگی مین مروت سے اجازت دیدی ہو، اگر دوبارہ اجازت ملجائے، تو مقبرۂ نبوی مین دفن کرنا، مگر مجھے خطرہ ہے کہ اس مین بنی امیہ مزاحم ہونگے، اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے، تو زیادہ اصرار نہ کرنا، اور بقیع الغرقد کے گورغریبان مین دفن کردینا[۱]،

غرض زہر کھانے کے تیسرے دن ضروری وصیتون کے بعد باختلاف روایت ربیع الاول ۴۹ھ یا ۵۰ھ مین یہ بوریہ نشین مسند بے نیازی ہمیشہ کے لئے اس دنیا دنی کو خیرباد کہہ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، وفات کے وقت ۴۷ یا ۴۸ سال کی عمر تھی،

جنازہ پر جھگڑا وفات کے بعد حضرت حسینؓ نے وصیت کے مطابق دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگی، آپ نے پھر فراخدلی کے ساتھ مرحمت فرمائی، لیکن حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، مروان کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ حسنؓ کسی طرح روضۂ نبوی مین دفن نہین کئے جا سکتے، ان لوگون نے عثمانؓ کو تو یہان دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہین، یہ کسی طرح نہین ہوسکتا، حضرت حسینؓ نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا، مروان بھی لڑنے پر آمادہ تھا، اور قریب تھا کہ پھر ایک مرتبہ مدینہ کی زمین مسلمانون کے خون سے لالہ زار بنجائے، کہ اتنے مین مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے، اور چلائے کہ "یہ کیا ظلم ہے کہ ابن رسول اللہ صلعم کو اس کے نانا کے پہلو مین دفن کرنے سے روکا جاتا ہے" پھر حسینؓ سے کہا کہ اس کے لئے کشت وخون سے کیا فائدہ حسنؓ کی وصیت بھول گئے، کہ اگر خونریزی

[۱] استیعاب ج اول ص ۱۴۵ و مروج الذہب مسعودی، ج ۳ ص ۳۰۰، ۵۲، اس موقع پر بھی امام حسنؓ اور حسینؓ کے ساتھ غالی محبت رکھنے والون اور حرم نبوی کے دشمنون نے ایک روایت مشہور کردی ہو کہ حضرت عائشہؓ نے اجازت نہین دی، اور حضرت حسنؓ کے روضۂ نبوی مین دفن ہونے مین مزاحم ہوئین، مگر یہ روایت بھی امیر معاویہؓ کے سترائط کی طرح حضرت عائشہؓ کو بدنام کرنے کے لئے گڑھی گئی ہو جسکی کوئی اصلیت نہین،

کا خطرہ ہو تو عام مسلمانون کے قبرستان مین دفن کر دینا"، اس پر محل یاد دہانی پر حسین رضؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور بنی امیہ اور بنی ہاشم مین جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی، اس کے بعد سعید بن العاص رضؓ عامل مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور لاش مبارک جنت البقیع مین حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کے پہلو مین سپرد خاک کی گئی، [۱]

حضرت حسن رضؓ کا روضۂ نبوی چھوڑ کر بقیع کے گور غریبان مین دفن کیا جانا بھی آپ کے روحانی تصرف کا نتیجہ تھا کہ جس پیکر صلح و آشتی نے زندگی مین مسلمانون کے خون کی قیمت پر دنیاوی جاہ و حشم حاصل کرنا پسند نہ کیا اور خونریزی سے بچنے کے لئے سلطنت و حکومت جیسی چیز کو ٹھکرا کر غربت اور عزلت نشینی کی زندگی اختیار کی، اس کے جسد خاکی نے مرنے کے بعد بھی یہ کرشمہ دکھایا کہ روضۂ نبوی کے مقابلہ مین بقیع کے گور غریبان مین دفن ہوا، لیکن حرم نبوی مین مسلمانون کا خون نہ گرنے دیا، ورنہ اس قیمت پر جد امجد کے پہلو مین جگہ ملنی بہت آسان تھی،

مدینہ مین ماتم، حضرت حسن رضؓ کی رحلت معمولی واقعہ نہ تھا، بلکہ صلح و مسالمت کا ماتم تھا، حلم و عفو کا ماتم تھا، صبر و تحمل کا ماتم تھا، استغنا و بے نیازی کا ماتم تھا، خاندان نبوت کے چشم و چراغ کا ماتم تھا، اس لئے آپ کی وفات پر مدینہ مین گھر گھر صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیون مین سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی عورتون نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابو ہریرہ رضؓ مسجد مین فریاد و فغان کرتے تھے، اور پکار پکار کر کہتے تھے، کہ لوگو! آج خوب رو لو، کہ رسول اللہ صلعم کا محبوب دنیا سے اٹھ گیا، [۲]

---

[۱] استیعاب ج اول ص ۱۴۵ و اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵،

[۲] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱،

جنازہ مین انسانون کا اتنا ہجوم تھا کہ اس سے پہلے مدینہ مین کم دیکھنے مین آیا تھا، ثعلبہ بن ابی مالک جو میّتی مین شریک تھے راوی ہین کہ حضرت حسنؓ کے جنازہ مین اتنا اژدحام تھا کہ اگر سوئی ایسی مہین چیز بھی پھینکی جاتی تو کثرتِ اژدحام سے زمین پر نہ گرتی،[1]

حلیہ حضرت حسنؓ صورۃً اور سیرۃً دونون مین آنحضرت صلعم سے مشابہ تھے، خصوصاً صورت مین بالکل ہم شبیہ تھے،

ازواج کی کثرت آپ نے نہایت کثرت کے ساتھ شادیان کین اور اسی کثرت کیساتھ طلاقین دین، طلاقون کی کثرت کی وجہ سے لوگ آپکو "مطلاق" کہنے لگے تھے، بعض روایتون سے آپکی ازواج کی تعداد نوّے تک پہنچ جاتی ہے، لیکن یہ روایتین مبالغہ آمیز ہین، تاہم اس قدر مسلّم ہے کہ عام رواج سے زیادہ شادیان کین اور طلاقین دین، اس کثرتِ زواج و طلاق کو دیکھکر حضرت علیؓ نے کوفہ مین اعلان کر دیا تھا کہ انھین کوئی اپنی لڑکی نہ دے، لیکن عام مسلمانون مین خانوادۂ نبوی سے رشتہ پیدا کرنے کا شوق اتنا غالب تھا، کہ حضرت علیؓ کی اس مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ایک ہمدانی نے برملا کہا کہ ہم ضرور لڑکی دین گے، زیادہ سے زیادہ یہی نہ ہوگا کہ جو عورت انھین پسند ہوگی اسے رکھین گے ورنہ طلاق دیدین گے[2]

بیویون سے برتاؤ لیکن طلاقون کی اس کثرت کے باوجود جب تک کوئی عورت آپ کے حبالۂ عقد مین رہتی تھی، اس سے بڑی محبت اور اس کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے، اور وفادار بیویون سے قطع تعلق نہ کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب ناگزیر اسباب کی بنا پر کسی عورت سے قطع تعلق کرتے تھے، تو وہ آپ کے حسنِ سلوک اور محبت کو یاد کر کے برابر تڑپا کرتی تھی، ایک مرتبہ ایک فزاری اور ایک اسدی عورت کو رجعی طلاق دی اور استحساناً

[1] تہذیب الکمال ص ۹۸، [2] تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ ابن سعد

دونون کے پاس دس دس ہزار نقد اور ایک ایک مشکیزہ شہد بھیجا اور غلام کو ہدایت کردی کہ اس کے جواب مین وہ جو کچھ کہین اس کو یاد رکھنا، فزاری عورت کو جب یہ خطیر رقم ملی تو اس نے شکریہ کے ساتھ قبول کرلیا، اور بارک اللہ فیہ وجزاہ خیرا کہا، لیکن جب اسدی عورت کو ملی، تو وہ یہ تحفہ دیکھکر بچھڑنے والے شوہر کی یاد سے تڑپ اٹھی اور بے اختیار یہ حسرت بھرا فقرہ مصرعہ زبان سے نکل گیا،

متاع قلیل من حبیب مفارق — جدا ہونیوالے محبوب کی طرف سے یہ حقیر متاع ہے،

غلام نے آکر یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے اس اسدی عورت سے رجعت کرلی،[۵۱]

اولاد ان بیویون سے آٹھ لڑکے تھے، حسنؓ خولہ بنت منظور کے بطن سے، زیدؓ ام بشیر بنت ابومسعود انصاری کے بطن سے، اور عمرؓ، قاسمؓ، ابوبکرؓ، عبدالرحمنؓ، طلحہؓ اور عبیداللہ مختلف بیویون سے تھے،[۵۲]

ذریعۂ معاش حضرت حسنؓ نے ساری عمر نہایت فراغت بلکہ عیش کے ساتھ زندگی بسر کی، حضرت عمرؓ نے جب صحابۂ کرام کے وظائف مقرر کئے، اور حضرت علیؓ کا پانچہزار ماہوار مقرر کیا تو آپ کے ساتھ حضرت حسنؓ کا بھی جو اگرچہ اس زمرہ مین نہ آتے تھے، رسول اللہ صلعم کی قرابت کے لحاظ سے پانچہزار ماہوار مقرر کیا، جو انھین برابر ملتا رہا[۵۳] حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین بھی یہ وظائف برابر جاری رہے، حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علیؓ خود ہی خلیفہ مقرر ہوئے، آپ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کے حق مین دستبرداری کے وقت اہواز کا پورا خراج اپنے لئے مخصوص کرالیا تھا، اس لئے شروع سے آخر تک آپ نے نہایت امیرانہ

[۵۱] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶، [۵۲] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۰ [۵۳] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطار عمر بن الخطاب،

زندگی بسر فرمائی،

فضل وکمال | آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت حضرت حسنؓ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ تھی ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر مین براہ راست فیضان نبوی سے زیادہ بہرہ یاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا تھا، تاہم آپ جس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، اور جس باپ کے آغوش مین تربیت پائی تھی، وہ خود علوم مذہبی کا سرچشمہ اور علم وعمل کا مجمع البحرین تھا، اس لئے قدرۃً اس آفتاب علم کے پرتو سے حسنؓ بھی مستنیر ہوئے چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد مدینہ مین جو جماعت علم وافتا کے منصب پر تھی، اس مین ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی، البتہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے[۱]،

حدیث، | آپ کی مرویات کا شمار تیرہ ہے، جبین کچھ براہ راست زبان وحی والہام سے اور کچھ حضرت علیؓ اور ہند سے مروی ہین[۲]، آپ کے زمرۂ رواۃ مین، حضرت عائشہؓ صدیقہ، حسن بن حسنؓ، عبد اللہ، ابوجعفرؒ، جبیر بن نفیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، اور سفیان بن لیل وغیرہ قابل ذکر ہین[۳]،

خطابت | مذہبی علوم کے علاوہ آپ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون مین کافی درک تھا، خطابت زبان آوری اور شاعری اس زمانہ کے کمالات تھے، حضرت حسنؓ کو ان دونون چیزون مین کافی درک حاصل تھا، خطابت درحقیقت ہر انسان کی اصل فطرت کا آئینہ ہوتی ہے، اسی لیے ہر خطیب کا انداز بیان جدا ہوتا ہے، چنانچہ شجاع وبہادر کی تقریر زور بیان اور شکوہ الفاظ کا ہیکل ہوگی، حکیم وفلسفی کا خطبہ رموز واسرار کا دفتر ہوتا ہے، عابد وزاہد کا وعظ پند وموعظت کی کتاب ہوگی اس طریقہ سے انسان کی خلقی افتاد طبع کی مناسبت سے اس کے خطبات کی خصوصیات

[۱] اعلام الموقعین ج اول ص ۱۲، [۲] تہذیب الکمال ص ۷۰، [۳] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹۵

بدلتی رہتی ہین حضرت حسنؓ فطرۃً نہایت متحمل مزاج، صلح جو، نرم خو، اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے، اس لئے آپکا خطبہ پند و موعظت، متانت و سنجیدگی اور تاثیر و ترقیق کا مرقع ہوتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ فصاحت و بلاغت کا جوہر نہ جانے پاتا تھا، حضرت علیؓ کی وفات کے بعد آپ نے متعدد خطبات دیئے ہین، ان مین سے ایک یہان نمونۃً پیش کیا جاتا ہے، اس سے آپ کی خطابت کا پورا اندازہ ہوگا،[1]

قال بعد حمد الله عز وجل انا والله ما ثنانا عن اہل الشام شك ولا ندم وانما كنا نقاتل اہل الشام بالسلامۃ والصبر، فسلبت السلامۃ بالعداوۃ والصبر بالجزع وكنتم فی منتدبكم الی صفین ودينكم امام دنياكم وانا لكم كما كنا ولستم لنا كما كنتم الا وقد اصبحتم بين قتيلين قتيل بصفين تبكون له وقتيل بالنہروان تطلبون بثاره فاما الباقی فخاذل واما الباكی فثائر الا وان معاويۃ دعانا الی امر ليس فيہ عز ولا نصفۃ فان اردتم الموت رددناه عليہ وحاكمناه الی الله	حمدِ الٰہی کے بعد آپ نے یہ تقریر کی کہ ہم کسی شک و شبہہ یا شرم و ندامت کی وجہ سے شامیون کے مقابل سے نہین لوٹ آئے، بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ پہلے ہم شامیون سے صاف دلی اور صبر کے ساتھ جنگ کرتے تھے، لیکن اب وہ حالت باقی نہین رہی، صاف دلی نے عداوت کی اور صبر و ثبات نے بے قراری اور اضطراب کی شکل اختیار کر لی صفین مین جب تم لوگ بلائے گئے تھے، تو تمھارا دین تمھاری دنیا کے آگے تھا اور اب حالت برعکس ہے ہم ابھی تمھارے لئے ویسے ہی ہین جیسے پہلے تھے، لیکن تم ہمارے لئے ویسے نہین ہو جیسے پہلے تھے، ہان اب تمھارے سامنے دو قسم کے مقتولون کی لاشین ہین صفین کے ایک مقتول کے لئے تم رو رہے ہو، اور نہروان کے ایک مقتول

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳،

عز وجل بظباء السیوف وان ارد تم الحیاۃ قبلناہ واخذ نا لکم الرضاء ـ

کا خونبہا تم چاہتے ہو، معاویہؓ ہمین ایسے امر کیطرف بلاتے ہین، جو عزت اور انصاف دونون کے خلاف ہے، پس اب اس کا فیصلہ تمھاری رائے پر ہے، اگر تم موت چاہتے ہو تو ہم معاویہؓ ہی کی طرف لوٹا دین اور تلوارون کی دھار کے ذریعہ سے خدا سے اسکا نیصلہ چاہین، اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو ہم اسے بھی منظور کرین، اور تمھارے لئے رضا حاصل کرین،

شاعری اوپر کی تقریر خطابت کا نمونہ ہے، شعر و شاعری مین بھی آپ ستھرا مذاق رکھتے تھے اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے لیکن وہی جسمین مبالغہ اور خرافات کے بجائے کوئی حکیمانہ نکتہ ہوتا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کا ایک شعر اس واقعہ کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ خضاب لگا کر باہر نکلے اور ارشاد فرمایا[۱]،

نسود اعلاھا وتابی اصولھا ۔۔۔ فلیت الذی یسود منھا ھو الاصل

حکیمانہ اقوال مذکورۂ بالا علوم کے علاوہ تاریخون مین بکثرت آپ کے حکیمانہ مقولے ملتے ہین، جنمین ہر مقولہ بجائے خود ایک دفتر نکات ہے، ان مین سے بعض بعض مقولہ یہان پر نقل کئے جاتے ہین،" ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ زندگی بسر کرنے کے اعتبار سے سب سے اچھی زندگی کون بسر کرتا ہے، فرمایا جو اپنی زندگی مین دوسرون کو بھی شریک کرے، پھر پوچھا سب سے بری زندگی کس کی ہے، فرمایا جس کے ساتھ کوئی دوسرا زندگی نہ بسر کر سکے، فرماتے تھے کہ ضرورت کا پورا نہ ہونا اس سے کہین بہتر ہے کہ اس کے لئے کسی نا اہل کی طرف رجوع

---

[۱] کتاب العمدہ ص ۱۴

کیا جائے"، ایک شخص نے آپ سے کہا مجھ کو موت سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے، فرمایا "اس لئے کہ تم نے اپنا مال پیچھے چھوڑ دیا، اگر اس کو آگے بھیج دیا ہوتا تو اس تک پہنچنے کے لئے خوفزدہ ہونے کے بجائے مسرور ہوتے"، فرماتے تھے کہ مکارم اخلاق دس ہیں، زبان کی سچائی، جنگ کے وقت حملہ کی شدت، سائل کو دینا، حسن خلق، احسان کا بدلہ دینا، صلۂ رحم، پڑوسی کی حفاظت و حمایت، حق دار کی حق شناسی، مہمان نوازی اور ان سب سے بڑھکر شرم و حیا"

امیر معاویہؓ اکثر آپ سے اخلاقی اصطلاحوں کی تشریح کراتے تھے، اور حکومت کے بارہ میں مشورہ لیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان سے کہا ابو محمد آج تک مجھ سے تین باتوں کے معنی کسی نے نہ بتائے آپ نے فرمایا کون سی باتیں؟ معاویہ نے کہا مروۃ، کرم اور بہادری، آپ نے جواب دیا مروۃ کہتے ہیں انسان کو اپنے مذہب کی اصلاح کرنا، اپنے مال کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنا، اور اسے برمحل صرف کرنا، سلام زیادہ کرنا، لوگوں میں محبوبیت حاصل کرنا، اور کرم کہتے ہیں مانگنے سے پہلے دینا، احسان و سلوک کرنا، برمحل کھلانا پلانا، بہادری کہتے ہیں پڑوسی کی طرف سے مدافعت کرنا، آڑے وقتوں میں ان کی حمایت و امداد کرنا اور مصیبت کے وقت صبر کرنا" اسی طریقہ سے ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان سے پوچھا کہ حکومت میں ہم پر کیا فرائض ہیں، فرمایا جو سلیمان بن داؤد نے بتائے ہیں، معاویہؓ نے کہا، انھوں نے کیا بتایا ہے، فرمایا انھوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تم کو معلوم ہے، بادشاہ پر ملک داری کے کیا فرائض ہیں، جس سے اسکو نقصان نہ پہنچے، ظاہر و باطن دونوں میں خدا کا خوف کرے، غصہ اور خوشی دونوں میں عدل و انصاف کرے، فقر اور دولتمندی میں درمیانی چال رکھے، زبردستی نہ کسی کا مال غصب کرے اور نہ اس کو بے جا صرف کرے، جب تک وہ ان چیزوں پر عمل کرتا رہے گا، اس وقت تک اس کو دنیا میں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا[1]

[1] یہ تمام حکیمانہ اقوال یعقوبی ج ۲ ص ۲۲۶ تا ۲۲۷ سے ماخوذ ہیں،

اخلاق وعادات، | شبیہ رسول حضرت حسنؓ کا لقب تھا، یہ مشابہت محض ظاہری اعضاء و جوارح تک
محدود نہ تھی، بلکہ آپ کی ذات باطنی اور معنوی لحاظ سے بھی اسوۂ نبویؐ کا نمونہ تھی، یوں تو آپ
تمام مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے لیکن زہد و ورع دنیاوی جاہ و حشم سے بے نیازی اور بے تعلقی
آپ کا ایسا مخصوص اور امتیازی وصف تھا جس میں کوئی آپ کا حریف نہیں،

استغنا و بے نیازی | درحقیقت جس استغنا اور بے نیازی کا ظہور آپ کی ذات گرامی سے
ہوا، وہ نوع انسانی کے لئے ایک معجزہ ہے، یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ قصر سلطنت
کی تعمیر انسانی خون سے ہوتی ہے لیکن حضرت حسنؓ نے ایک ملتی ہوئی عظیم الشان سلطنت
کو محض چند انسانوں کے خون کے خاطر چھوڑ دیا، غالباً تاریخ ایسی مثالیں کم پیش کر سکتی
ہے، اگر شیخین کے بعد کی اسلامی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو اس کا صفحہ صفحہ مسلمانوں کے
خون سے رنگین نظر آئیگا، اور ابھی تک عرب کی زمین مسلمانوں کا خون چاہتی تھی،
لیکن یہ فخر صرف حضرت حسنؓ کی ذات کے لئے مقدر ہو چکا تھا، کہ وہ سلطنت و حکومت
کو ٹھکرا کر امت مسلمہ کو تباہی سے بچا کر آنحضرت صلعم کی اس پیشین گوئی کو پورا فرمائیں گے،
"ان ابنی ھذا اسید یصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین من المسلمین" میرا یہ لڑکا سیّد ہے اور
خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائیگا، یا "الخلافۃ
بعدی ثلثون" میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی، حساب سے یہ مدت ٹھیک
حضرت حسنؓ کی دست برداری کے وقت پوری ہوتی ہے،

آپ نے خلافت فوج کی کمزوری سے چھوڑی یا مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے | بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت
حسنؓ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ
سے صلح کر لی، اور کچھ واقعات بھی اس خیال کی تائید میں ملجاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ

آپ نے خلافت عظمی اسلامیہ کو محض مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے ترک کیا، گو یہ صحیح ہے کہ جس فوج کو لیکر آپ مقابلہ کے لئے نکلے تھے اس میں کچھ منافق بھی تھے جنھوں نے عین موقعہ پر کمزوری دکھائی، مگر اسی فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے، جو آپ کی حمایت میں امیر معاویہ رضی سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے، چنانچہ جب انھوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ کی تکفیر کرنے لگے[1]

خود عراق میں چالیس بیالیس ہزار کوفی جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، آپکے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[2] عراق تو عراق سارا عرب آپ کے قبضہ میں تھا، مصالحت وغیرہ کے بعد ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ کو خلافت کی خواہش سے متہم کیا، آپ نے فرمایا کہ "عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ بھی کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ لڑتے لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خاصۃً للہ اور امت محمدی کی خونریزی سے بچنے کے لئے چھوڑا[3]"

خود آپ کی فوج میں ان چند منافقوں کے علاوہ جنھوں نے معلوم نہیں کس مخفی اثر سے عین وقت پر دھوکا دیا تھا، باقی پوری فوج کٹنے اور مرنے پر آمادہ تھی، ابو عریف راوی ہیں کہ ہم بارہ ہزار آدمی حضرت حسن رضی کے مقدمۃ الجیش میں کٹنے اور مرنے کے لئے تیار تھے، اور شامیوں کی خون آشامی کے لئے ہماری تلوار کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر معلوم ہوئی تو شدت غضب و رنج سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی، صلح کے بعد جب حسن رضی کوفہ آئے تو ہماری جماعت کے ایک شخص ابو عامر سفیان نے غصہ میں کہا "السلام علیک یا مذل المومنین، مسلمانوں کے رسوا کرنے والے السلام علیک"

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۰، [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹، [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰

اس طنز یہ اور گستاخانہ سلام پر اس صبر و تحمل کے پیکر نے جواب دیا ابو عامر ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی خون ریزی پسند نہیں کی[1]،

امام نووی لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق، اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے اس کے بعد معاویہ شام سے ان کے مقابلہ کو نکلے جب دونوں قریب ہوئے تو حضرت حسنؓ کو اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کام نہ آجائیگی، اس وقت کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہوگئے، اور اس طرح رسول اللہ صلعم کا یہ معجزہ ظاہر ہو گیا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں صلح کرائیگا[2]،

شیعیان علیؓ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے، اور اس کے بارہ میں انکے جو جذبات تھے، ان کا اندازہ ان خطابات سے ہو سکتا ہے، جس سے وہ اس سردار خلد بریں کو مخاطب کرتے تھے "مذلل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے" "مسود وجوہ المسلمین" مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے "عار المومنین" "ننگ مسلمین" یہ وہ خطابات تھے، جن سے حضرت حسنؓ کو خطاب کیا جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے،

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ ایسے امن پسند صلح جو نرم خو تھے کہ انھوں نے اول یوم ہی سے ارادہ کر لیا تھا کہ اگر بلا کسی خون ریزی کے انھیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے ورنہ اس کے لئے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے، طبری کا بیان ہے کہ حسنؓ کے ساتھ چالیس ہزار

---

[1] استیعاب ج اول ص ۱۴۴ اور مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ حضرت حسینؓ [2] تہذیب الاسماء واللغات نووی ج اول ص ۱۵۹،

آدمی تھے، لیکن آپ جنگ کرنا نہین چاہتے تھے، بلکہ آپ کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کرکے دست بردار ہو جائین گے۔[۱]

چنانچہ جس وقت آپ نے عراقیون سے بیعت لی تھی اسی وقت اس عزم کو اشارةً ظاہر فرما دیا تھا، زہری لکھتے ہین کہ امام حسنؓ نے اہل عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کرلی تھی کہ "تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے مین لڑونگا اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کرونگا اس سے صلح کرنی پڑیگی" اس شرط سے عراقی اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ آپ آیندہ جنگ وجدال ختم کردین گے، چنانچہ اسی وقت ان لوگون نے آپس مین کہا کہ یہ ہمارے گون کے آدمی نہین اور لڑنا نہین چاہتے، اس کے چند روز بعد آپ کو زخمی کر دیا گیا۔[۲]

حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والون پر بھی یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا، ابن جعفرؓ بیان کرتے ہین کہ صلح کے قبل مین ایک دن حسنؓ کے پاس بیٹھا تھا، جب چلنے کے ارادہ سے اٹھا، تو انھون نے میرا دامن کھینچکر بٹھا لیا، اور کہا مین نے ایک رائے قایم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس سے اتفاق کروگے، ابن جعفر نے پوچھا کون سی رائے ہے؟ فرمایا مین خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہون، کیونکہ فتنہ برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیان بہ چکی ہین، عزیز کو عزیز کا پاس نہین ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہین، سرحدین بیکار ہوگئی ہین، ابن جعفرؓ نے جواب دیا، خدا آپ کو امت محمدی کی خیر خواہی کے صلہ مین جزائے خیر دے، اس کے بعد آپ نے حسینؓ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی، انھون نے کہا خدارا علیؓ کو قبر مین جھٹلا کر معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے، آپ نے یہ سنکر حسینؓ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے

[۱] طبری ج ۷ ص ۱ [۲] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۰

آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آرہے ہو، خدا کی قسم مین طے کرچکا ہون کہ تم کو فاطمہ کے گھر مین بند کرکے اپنا ارادہ پورا کرونگا، حسینؓ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا، آپ علیؓ کی اولاد اکبر اور میرے خلیفہ ہین، جو رائے آپ کی ہوگی وہی میری ہوگی جیسا مناسب خیال فرمایئے کیجئے، اس کے بعد آپ نے دستبرداری کا اعلان کیا[1]

ان واقعات سے معلوم ہو گیا ہوگا، کہ خلافت سے دست برداری مین فوج کی کمزوری وغیرہ کا کوئی سوال نہ تھا، بلکہ چونکہ آپ کو اس کا یقین ہوگیا تھا، کہ بغیر ہزارون مسلمانون کے خاک و خون مین تڑپے ہوئے کوئی فیصلہ نہین ہوسکتا، اور جنگ جمل سے لیکر برابر مسلمانون کے خون کی ندیان بہتی چلی آرہی ہین، اس لئے آپ نے اسے روکنے کے لئے خلافت کو خیر باد کہکر مدینہ کی عزلت نشینی اختیار فرمائی، فجزاہ اللہ عن المسلمین خیر الجزاء،

اصلاح عقائد، مذہب کی بنیاد صحت عقائد ہے کہ اس مین فتور پیدا ہونے سے مذہب کی پوری عمارت متزلزل ہوجاتی ہے، حضرت حسنؓ کو عقیدہ کی درستی اور اس کی اصلاح کا ہمیشہ خیال رہا، اس بارہ مین آپ نہایت سختی سے کام لیتے تھے، شیعیان علی مین ایک جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانون کی طرح وفات نہین پائی، اور وہ قیامت سے پہلے ہی زندہ ہوجائین گے، حضرت حسنؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا یہ لوگ جھوٹے ہین، خدا کی قسم ایسے لوگ کبھی شیعہ نہین ہوسکتے، اگر ہمکو یقین ہوتا کہ آپ عنقریب ظاہر ہون گے تو نہ ان کی میراث تقسیم کرتے نہ ان کی عورتون کا عقد ثانی کرتے،[2]

عبادت، عبادت الٰہی آپ کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اور وقت کا بڑا حصہ آپ اسمین صرف فرماتے تھے،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۱ و ۲۲۲، [2] طبقات ابن سعد تذکرہ علیؓ بن حسینؓ،

امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے، اس نے بتایا کہ فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک مصلی پر بیٹھے رہتے ہین، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہین، اور آنے جانے والون سے ملتے ہین، دن چڑھے چاشت پڑھکر امہات المومنین کے پاس سلام کرنے کو جاتے ہین، پھر گھر ہوکر مسجد چلے آتے ہین[1]،

مکہ کے زمانہ قیام مین معمول تھا کہ عصر کی نماز خانہ کعبہ مین باجماعت ادا کرتے تھے، نماز کے بعد طواف مین مشغول ہوجاتے، ابو سعید راوی ہین کہ حسنؓ و حسینؓ نے امام کے ساتھ نماز پڑھی. پھر حجر اسود کو بوسہ دیکر طواف کے سات پھیرے کئے، اور دو رکعت نماز پڑھی، لوگون کو جب معلوم ہوا کہ دونون خانوادۂ نبوی کے چشم و چراغ ہین، تو مشتاقان جمال چارون طرف سے پروانہ وار ٹوٹ پڑے، اور بھیڑ کی وجہ سے راستہ رک گیا، حضرت حسینؓ اس ہجوم مین گھر گئے، حضرت حسنؓ نے ایک رکانی کی مدد سے انھین ہجوم سے چھڑایا، ایک تختی پر سورۂ کہف مرقوم کرائی تھی، روزانہ سوتے وقت اسے تلاوت فرماتے، اور بی بیون کے پاس ساتھ لیجاتے[2]

ہر طرح کی سواریون کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے، امام نوویؒ لکھتے ہین، کہ امام حسنؓ نے متعدد حج پاپیادہ کئے، فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ملون، اور اس کے گھر پاپیادہ نہ گیا ہون[3]،

صدقات وخیرات صدقہ وخیرات اور فیاضی وسیر چشمی آپ کا خاندانی وصف تھا لیکن جس فیاضی سے آپ خدا کی راہ مین روپیہ اور مال ومتاع لٹاتے تھے، اس کی مثالین کم ملین گی، تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا حصہ خدا کی راہ مین دیدیا اور اس تنصیف مین اتنی شدت

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۹، [2] یہ واقعات ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۲ تا ۲۱۴ سے ماخوذ ہین، [3] تہذیب الاسماء نووی ج اول ص ۱۵۸،

کی کہ دو جوتوں میں سے ایک جوتا بھی خیرات کر دیا[1]، ایک مرتبہ ایک شخص بیٹھا ہوا دس ہزار درہم کے لئے دعا کر رہا تھا، آپ نے سن لیا، گھر جا کر اس کے پاس دس ہزار نقد بھجوا دیئے[1]، آپکی اس فیاضی سے دوست و دشمن یکساں فائدہ اٹھاتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص مدینہ آیا، یہ حضرت علیؓ کا دشمن تھا، اس کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی، اس لئے مدینہ والوں سے سوال کیا، کسی نے کہا یہاں حسنؑ سے بڑھکر کوئی فیاض نہیں، اُن کے پاس جاؤ، چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے سواری اور زادِ راہ دونوں کا انتظام کر دیا، لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ کیوں سلوک کیا، جو آپ سے اور آپ کے والد بزرگوار دونوں سے بغض رکھتا ہے، فرمایا کیا اپنی آبرو نہ بچاؤں[2]،

لیکن آپ کی دولت سے وہی لوگ متمتع ہوتے تھے جو درحقیقت اس کے مستحق ہوتے ایک مرتبہ آپ نے ایک بڑی رقم فقرا اور مساکین کے لئے جمع کی حضرت علیؓ نے اسکی تقسیم کا عام اعلان کر دیا، لوگ سمجھے کہ یہ اعلان صلائے عام ہے، اس لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے، آدمیوں کی یہ بھیڑ دیکھکر حضرت حسنؑ نے اعلان کیا کہ یہ رقم صرف فقرا اور مساکین کے لئے ہے، اس اعلان پر تقریباً آدھے آدمی چھٹ گئے، اور سب سے پہلے اشعث بن قیس نے حصہ پایا[3]،

آپ نہ صرف خود فیاض تھے، بلکہ دوسروں کی فیاضی دیکھکر خوش ہوتے تھے، ایکمرتبہ مدینہ کے کسی کھجور کے باغ کی طرف گذرے دیکھا کہ ایک حبشی غلام ایک روٹی لئے، ایک لقمہ خود کھاتا ہے، اور دوسرا کتے کو دیتا ہے، اسی طریقہ سے آدھی روٹی کتے کو کھلا دی، آپ نے غلام سے پوچھا کتے کو دتکار کیوں نہ دیا، اس نے کہا میری آنکھوں کو اس کی آنکھوں سے

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳، [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴، [3] ایضاً، [4] ایضاً،

حجاب معلوم ہوتا تھا، پھر پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا آبان بن عثمان کا غلام ہوں، پوچھا باغ کس کا ہے؟ معلوم ہوا انھیں کا ہے، فرمایا اچھا جب تک مین لوٹ نہ آؤں تم کہین نہ جانا، یہ کہکر اسی وقت آبان کے پاس گئے، اور باغ اور غلام دونون خرید کر واپس آئے اور غلام سے کہا مین نے تم کو خرید لیا، وہ تعظیماً کھڑا ہو گیا، اور عرض کی مولائی خدا، رسول اور آقا کی خدمت گذاری کے لئے حاضر ہون، جو حکم ملے، آپ نے فرمایا مین نے باغ بھی خرید لیا، تم خدا کی راہ مین آزاد ہو اور باغ تم کو ہبہ کرتا ہون، غلام پر اس کا یہ اثر پڑا کہ اس نے کہا آپ نے مجھے جس کی راہ مین آزاد فرمایا ہے، اسکی راہ مین مین یہ باغ دیتا ہون[1]،

اوپر کے واقعات آپکی فیاضی کی صرف چند مثالین ہین ورنہ اس قسم کے واقعات روزانہ آپ کی زندگی مین ہوتے رہتے تھے، مدینہ مین آپ کی فیاضی مشہور تھی، جو حاجتمند آتا تھا لوگ اس کو آپ ہی کے در دولت کا پتہ دیتے تھے،

خوش خلقی اس فیاضی کے ساتھ آپ حد درجہ خوش خلق تھے اپنا کام چھوڑ کر دوسرون کی حاجت برآری فرماتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حسینؓ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لیکر گیا آپ معتکف تھے، اس لئے معذرت کر دی، یہان سے جواب پاکر وہ حضرت حسنؓ کے پاس آیا آپ بھی معتکف تھے، لیکن انھون نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی حاجت برآری کی، لوگون نے کہا حسینؓ نے تو اس شخص سے اعتکاف کا عذر کیا تھا، فرمایا خدا کی راہ مین کسی بھائی کی حاجت پوری کر دینا میرے نزدیک ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[2]،

ایک دن آپ طواف کر رہے تھے اسی حالت مین ایک شخص نے آپ کو اپنی کسی ضرورت

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۴ [2] ایضاً تذکرہ حسینؓ ،

سکے لئے ساتھ لیجانا چاہا، آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ ہو گئے، اور جب اس کی ضرورت پوری کرکے واپس ہوئے تو کسی حاسد نے اعتراض کیا کہ آپ طواف چھوڑ کر اس کے ساتھ چلے گئے، فرمایا آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے جاتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو جانیوالے کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے، اور اگر نہین پوری ہوتی تو بھی ایک عمرہ کا، ایسی صورت مین کس طرح نہ جاتا مین نے طواف کے بجائے پورے ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب حاصل کیا، اور پھر واپس ہو کر طواف بھی پورا کیا[1]،

ضبط وتحمل آنحضرت صلعم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا کہ "حسن رض کو میرا حلم اور میری صورت ملی ہے"، حضرت حسن رض کی ذات اس ارشاد گرامی کی مجسم تصدیق تھی، دست برداری کے حالات مین اوپر گذر چکا ہے کہ ناآشنائے حقیقت آپکو کن کن نازیبا کلمات سے خطاب کرتے تھے، کوئی "مذلل المومنین" کوئی "مسود وجوہ المومنین" کوئی عار المومنین کہتا، لیکن اس پیکر حلم کی جبین پر شکن تک نہ پڑتی اور نہایت نرمی سے جواب دیتا کہ "مین ایسا نہین ہون، البتہ ملک کی طمع مین مسلمانون کی خونریزی نہین پسند کی"۔

مروان جمعہ کے دن منبر پر چڑھکر برسر عام حضرت علی رض پر سب وشتم کرتا تھا حضرت حسن رض اس کی گستاخیون کو اپنے کانون سے سنتے اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، ایکمرتبہ اس نے ایک شخص کی زبانی نہایت فحش باتین کہلا بھیجین آپ نے سنکر صرف اس قدر جواب دیا کہ اس سے کہہ دینا کہ خدا کی قسم مین تم کو گالی دیکر تم پر سے دشنام دہی کا داغ نہ مٹاؤنگا، ایک دن ہم تم دونون خدا کے حضور مین حاضر ہون گے، اگر تم سچے ہو تو خدا تمھین

[1] ابن عساکر ج ۴ تذکرہ حسین،

تمھاری سچائی کا بدلہ دیگا، اور اگر جھوٹے ہو تو وہ بڑا منتقم ہے[۱] ایک مرتبہ دونون میں گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے رو در رو نہایت درشت کلمات استعمال کئے، لیکن آپ سنکر خاموشی سے پی گئے[۲]

اس غیر معمولی ضبط و تحمل کا مروان جیسے شقی اور سنگدل پر بھی اثر تھا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے جنازہ پر روتا تھا، حضرت حسینؓ نے کہا، اب کیون روتے ہو، تم نے ان کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ مین نے جو کچھ کیا وہ اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا[۳]

آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور فحش کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت مین بھی وہ "رغمت انفہ" سے زیادہ نہ کہتے تھے، جو عربی زبان مین بہت معمولی بات ہے، امیر معاویہؓ کا بیان ہے کہ حسنؓ کی سب سے زیادہ سخت کلامی کا نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان مین اور عمرو بن عثمانؓ مین ایک زمین کے بارہ مین جھگڑا ہو گیا، اُنھون نے ایک مفاہمت کی صورت پیش کی، مگر عمرو اس پر رضامند نہ ہوئے، ان کے انکار پر حسنؓ کو غصہ آگیا، اور انھون نے جھلا کر کہا، لیس لہ عندنا الا ما رغم انفہ[۴]

کتاب الفضائل یون تو حضرت حسنین علیہما السلام کی ذات گرامی مجمع الفضائل تھی لیکن آنحضرت صلعم کی غیر معمولی محبت و شفقت آپ کی کتاب فضیلت کا نہایت جلی عنوان ہے، کتب احادیث و سیر کے ابواب الفضائل ان دونون کے فضائل سے بھرے ہوئے ہین، اس موقعہ پر ان مین سے کچھ فضائل نمونۃً نقل کئے جاتے ہین، چونکہ آنحضرت صلعم

[۱] تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۹۰، [۲] ایضاً، [۳] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶،

[۴] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹،

کو دونو [illegible] ائیون کے ساتھ یکسان محبت تھی اس لئے بعض امتیازی اور انفرادی فضائل کے علاوہ عموماً اور بیشتر دونون کے فضائل اس طرح مشترک ہین کہ ان دونون کا جدا کر کے لکھنا مشکل ہے، اس لئے حضرت حسینؓ کے فضائل بھی یہین لکھدیئے جاتے ہین،

آنحضرت صلعم کو اپنے تمام اہل بیت مین حضرت حسنینؓ سے بہت زیادہ محبت تھی، حضرت انسؓ روایت کرتے ہین کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ اہل بیت مین مجھکو حسنؓ وحسینؓ سب سے زیادہ محبوب ہین[1]،

آپ خدا سے بھی اپنے ان محبوبون کے ساتھ محبت کرنے کی دعا فرماتے تھے، ابوہریرہؓ روایت کرتے ہین کہ ایک مرتبہ مین رسول اللہ صلعم کے ساتھ قینقاع کے بازار سے لوٹا تو آپ فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے، اور پوچھا بچے کہان ہین؟ تھوڑی دیر مین دونون دوڑتے ہوئے آئے اور رسول اللہ صلعم سے چمٹ گئے، آپنے فرمایا خدایا مین ان کو محبوب رکھتا ہون اس لئے تو بھی انھین محبوب رکھ، اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ[2]،

دوسری روایت مین بیان کرتے ہین کہ اس شخص (حسنؓ) کو اس وقت سے مین محبوب رکھتا ہون جب سے مین نے ان کو رسول اللہ صلعم کی گود مین دیکھا، یہ ریش مبارک مین انگلیان ڈال رہے تھے، اور رسول اللہ صلعم اپنی زبان ان کے منہ مین دیکر فرماتے تھے، کہ خدایا مین اسکو محبوب رکھتا ہون اس لئے تو بھی محبوب رکھ[3]،

حسنؓ کو دوش مبارک پر سوار کر کے خدا سے دعا فرماتے تھے کہ خداوندا مین ان کو محبوب رکھتا ہون اس لئے تو بھی محبوب رکھ[4]،

---

[1] ترمذی فضائل حسنؓ وحسینؓ، [2] مسلم کتاب الفضائل باب فضائل الحسن والحسین [3] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسینؓ، [4] ترمذی فضائل حسن وحسینؓ،

عبادت کے موقع پر بھی حسنؓ و حسینؓ کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکتے تھے، ابو بریدہؓ روایت کرتے ہین کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم لوگون کے سامنے خطبہ دے رہے تھے کہ اتنے مین حسنؓ و حسینؓ سرخ قمیص پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے، انھین دیکھکر رسول اللہ صلعم منبر سے اتر آئے اور دونون کو اٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا، اور فرمایا خدا نے سچ کہا ہے کہ تمھارا مال اور تمھاری اولاد فتنہ ہین، ان دونون بچون کو خراماں خراماں آتے ہوئے دیکھ کر مین ضبط نہ کرسکا اور خطبہ توڑکر ان کو اٹھالیا[1]،

حسنؓ و حسینؓ نماز پڑھنے کی حالت مین آپ کے ساتھ طفلانہ شوخیان کرتے تھے لیکن آپ نہ انھین روکتے تھے اور نہ انکی شوخیون پر خفا ہوتے تھے، بلکہ انکی طفلانہ اداؤن کو پورا کرنے مین امداد دیتے تھے، آنحضرت صلعم نماز پڑھتے وقت رکوع مین جاتے تو حسنؓ و حسینؓ دونون ٹانگون کے اندر گھس جاتے آپ ان دونون کے نکلنے کے لئے ٹانگین پھیلا کر راستہ بنا دیتے[2]، آپ سجدہ مین ہوتے تو دونون جست کرکے پشت مبارک پر بیٹھ جاتے، آپ اس وقت تک سجدہ سے سر نہ اٹھاتے، جب تک دونون خود سے نہ اتر جاتے[3]،

دوش مبارک پر سوار کرکے کھلانے کے لئے نکلتے، ایک مرتبہ آپ حسنؓ کو کندھے پر لیکر نکلے، ایک شخص نے دیکھکر کہا، صاحبزادے کیا اچھی سواری ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا سوار بھی کتنا اچھا ہے[4]،

کبھی کبھی دونون کو چادر مین چھپائے ہوئے، باہر تشریف لاتے، اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہین، کہ ایک مرتبہ شب کو مین رسول اللہ صلعم کے پاس ایک ضرورت سے گیا، آپ

---

[1] ترمذی فضائل حسنؓ و حسینؓ [2] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۹۶، [3] اصابہ ج ۲ تذکرہ حسنؓ،
[4] ترمذی مناقب حسنؓ و الحسینؓ،

کوئی [illegible] چھپائے ہوئے تشریف لائے، میں اپنی ضرورت پوری کر چکا تو پوچھا آپ چادر میں کیا چھپائے ہیں؟ آپ نے چادر ہٹا دی تو اس میں سے حسنؓ و حسینؓ برآمد ہوئے آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بچے اور میری لڑکی کے لڑکے ہیں، خدایا میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اس لئے تو بھی محبوب رکھ، اور ان کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ[1]،

نبوت کی حیثیت کو چھوڑ کر جہاں تک رسول اللہ صلعم کی بشری حیثیت کا تعلق ہے حسنؓ و حسینؓ کی ذات گویا ذات محمدیؐ کا جزو تھی، یعلیؓ بن مرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حسینؓ مجھ سے ہیں، اور میں حسینؓ سے ہوں، جو شخص حسینؓ کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے، حسینؓ اسباط کے ایک سبط ہیں[2]،

حسنؓ و حسینؓ کو آپ اپنے جنت کے گل خنداں فرماتے تھے، ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ حسنؓ و حسینؓ میرے جنت کے دو پھول ہیں[3]،

حسنؓ و حسینؓ نوجوانان جنت کے سردار ہیں، حذیفہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ مغرب اور عشا کی نماز پڑھی، عشا کی نماز کے بعد آنحضرت صلعم تشریف لے چلے، میں بھی پیچھے ہو لیا، میری آواز سنکر آپؐ نے فرمایا، کون؟ حذیفہ! میں نے عرض کیا، جی، فرمایا خدا تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت کرے، تمھاری کوئی ضرورت ہے؟ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے، جو اس سے پہلے کبھی نہ آیا تھا، اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے، اور مجھے بشارت دے، کہ فاطمہؓ جنت کی عورتوں کی اور حسنؓ و حسینؓ جنت

---

[1] ترمذی مناقب الحسن والحسین، [2] ایضاً، [3] بخاری کتاب المناقب، باب مناقب الحسین والحسن،

کے نوجوانوں کے سردار ہیں[1]،

انفرادی فضائل ان مشترک فضائل کے علاوہ حضرت حسنؓ کے کچھ امتیازی فضائل الگ ہیں جو انھیں حضرت حسینؓ سے ممتاز کرتے ہیں، ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان کے متعلق پیشین گوئی فرمائی تھی، کہ "میرا یہ بیٹا سید ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائیگا[2]"، امیر معاویہؓ سے صلح کے وقت حضرت حسنؓ نے اس پیشین گوئی کی عملی تصدیق فرمائی، ایک موقعہ پر فرمایا "کہ حسن کو میرا حلم عطا ہوا ہے"،

[1] ترمذی مناقب حسن والحسین، [2] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل حسنؓ،

حضرت امیر معاویہؓ

نام و نسب معاویہؓ نام ابو عبدالرحمٰن کنیت، والد کا نام ابو سفیان تھا، سلسلۂ نسب یہ ہے، معاویہ بن صخر (ابو سفیان) بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی، ماں کا نام ہندہ تھا، نانہالی شجرہ یہ ہے، ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشیہ امویہ، اس طرح معاویہؓ کا شجرہ پانچویں پشت پر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے،

خاندانی حالات اور اسلام ان کا خاندان بنو امیہ زمانۂ جاہلیت سے قریش میں معزز و ممتاز چلا آتا تھا، ان کے والد ابو سفیان قریش کے قومی نظام میں عقاب یعنی علمبرداری کے عہدہ پر ممتاز تھے، ابو سفیان آغازِ بعثت سے فتح مکہ تک اسلام کے سخت دشمن رہے، اور آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی ایذا رسانی اور اسلام کی بیخ کنی میں کوئی امکانی کوشش باقی نہیں رکھی اس زمانہ میں اسلام کے خلاف جس قدر تحریکیں ہوئیں ان سب میں علانیہ یا در پردہ ان کا ہاتھ ضرور ہوتا تھا، فتح مکہ کے دن ابو سفیان اور معاویہ دونوں مشرف باسلام ہوئے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں دولت اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے لیکن باپ کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن یہ روایت مسلمہ روایات کے بالکل خلاف ہے، اور اس کی تائید میں اور کوئی شہادت

نہین ملتی، اس لئے ناقابلِ اعتبار ہے، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ ابوسفیان [illegible] سے دشمنی کے باوجود معاویہؓ کو مسلمانون سے کوئی خاص عناد نہ تھا، چنانچہ ان کے اسلام کی قبل سے پہلے بدر اور احد وغیرہ بڑے بڑے معرکے ہوئے، مگر ان مین سے کسی مین معاویہؓ کی شرکت کا پتہ نہین چلتا،

غزوات — ان کے مشرف باسلام ہونے کی خوشی مین آنحضرت صلعم نے انھین مبارکباد دی، قبولِ اسلام کے بعد معاویہؓ حنین اور طائف کے غزوات مین شریک ہوئے، حنین کے مالِ غنیمت مین سے آنحضرت صلعم نے ان کو سو اونٹ اور ۴۰ اوقیہ سونا یا چاندی مرحمت فرمایا تھا[1] اسی زمانہ مین معاویہؓ کے خاندانی وقار کے لحاظ سے ان کو کتابتِ وحی کا جلیل القدر منصب ملا[2]،

فتوحاتِ شام مین معاویہؓ کی شرکت — امیر معاویہؓ بالکل آخر مین اسلام لائے تھے، اس لئے آنحضرت صلعم کی زندگی مین ان کو کوئی نمایان کارنامہ دکھانے کا موقع نہ مل سکا، ان کے کارنامون کا آغاز حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت سے ہوتا ہے، شام کی فوج کشی مین امیر معاویہؓ کے بھائی یزید ایک دستہ کے افسر تھے، اردن کی فتح کے سلسلہ مین جب حضرت ابوعبیدہؓ سپہ سالارِ فوج نے عمرو بن العاصؓ کو اس کے ساحلی علاقہ پر مامور کیا اور ان کے مقابلہ کے لئے رومیون کا انبوہ کثیر جمع ہوا، اور قسطنطنیہ سے امدادی فوجین آئین تو عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے مزید امداد طلب کی، اس وقت انھون نے یزید بن ابی سفیان کو روانہ کیا، اس امدادی دستہ کے مقدمۃ الجیش کی کمان معاویہؓ کے ہاتھ مین تھی، اس مہم مین انھون نے کارہائے نمایان دکھائے[3]، اس کے بعد اس سلسلہ کی تمام لڑائیون مین برابر

[1] ابن سعد جزو ۷ ق ۲ ص ۱۲۸ و تہذیب الاسماء نووی ج اول ۱۰۲، [2] حوالۂ مذکور، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۳

ہے، چنانچہ مرج صفر کے معرکہ مین جب عمرو بن العاصؓ کے بھتیجے خالدؓ شہید ہوئے تو ان [illegible] معاویہؓ کے قبضہ مین آئی[1]

دمشق کی تسخیر کے بعد جب یزید صیدا، عرقہ، جبیل، اور بیروت وغیرہ کے ساحلی علاقہ کی طرف بڑھے، تو حضرت معاویہؓ اس پیشقدمی مین مقدمۃ الجیش کی رہبری کر رہے تھے، اور عرقہ تمامتر انھین کی کوششون سے فتح ہوا، اس کے بعد جب حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت مین رومیون نے شام کے بعض مقامات واپس لے لئے، تو معاویہؓ نے ان کو زیر و زبر کرکے دوبارہ زیر نگین کیا[2]

مذکورۂ بالا مقامات کی تسخیر کے بعد یزید نے باقی ماندہ علاقہ پر معاویہؓ کو متعین کردیا، انھون نے نہایت آسانی کے ساتھ تمام قلعے تسخیر کئے اور زیادہ کشت و خون کی نوبت نہین آنے پائی، کہین کہین خفیف سی جھڑپ ہو جاتی تھی، قیساریہ کی مہم حضرت عمرؓ نے خاص ان کے سپرد کی تھی، انھون نے اسے بھی نہایت کامیابی کے ساتھ سر کیا، جب یہ قیساریہ پہنچے تو رومی کماندار انکے سامنے آیا، دونون مین سخت معرکہ ہوا، معاویہؓ نے اسے پسپا کردیا اور رومی شکست کھاکر شہر مین داخل ہوگئے، معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کرلیا، رومی برابر نکل کے مقابلہ کرتے تھے، مگر ہر مرتبہ شکست کھاکر پھر شہر مین لوٹ جاتے تھے، ایک دن آخری جنگ کے لئے بڑے جوش و خروش سے نکلے، اور ایک خونریز جنگ کے بعد بہت فاش شکست کھائی، اس معرکہ مین اسی ہزار رومی کام آئے، اور میدان معاویہؓ کے ہاتھ رہا[3]

غرض معاویہؓ شام کی قریب قریب تمام معرکہ آرائیون مین بہت ممتاز حیثیت سے شریک رہے، مگر ان کی تفصیلات کا یہ موقعہ نہین ہے،

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۶، [2] ایضاً ص ۱۳۳، [3] طبری ص ۲۳۹۷،

سنہ ۱۸ھ میں جب امیر معاویہؓ کے بھائی یزید کا انتقال ہوا تو حضرت [illegible] وفات سے سخت متاثر ہوئے، اور ان کی جگہ معاویہؓ کو دمشق کا عامل بنا [illegible] ماہانہ وظیفہ مقرر کیا[1] حضرت عمرؓ معاویہؓ کے اوصاف کی وجہ سے ان کی بڑی قدردانی فرماتے تھے اور ان کے بہترین دل و دماغ تدبیر و سیاست اور علوئے حوصلہ کی وجہ سے، ان کو "کسرائے عرب" کے لقب سے یاد کرتے تھے[2] معاویہؓ ۴ سال تک فاروقی عہد میں دمشق کے حکمران رہے،

عہد عثمانی سنہ ۲۳ھ میں جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہو گیا، اور حضرت عثمانؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو انھوں نے امیر معاویہؓ کی تجربہ کاری کی وجہ سے انھیں پورے شام کا والی بنا دیا، شام کی ولایت کے زمانہ میں انھوں نے رومیوں کے مقابلہ میں بڑی زبردست فتوحات حاصل کیں، گو حضرت عمرؓ کے عہد میں قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے تختے الٹ چکے تھے تاہم اس وقت تک کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا، اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے بحری حملوں کا آغاز کیا، اور بحری قوتوں کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بحری بیڑا اس عہد کے بہترین بیڑوں میں شمار ہوتا تھا،

طرابلس الشام کی فتح، حضرت عثمانؓ نے ان کو شام کی انتظامی حکمرانی کے ساتھ جنگی اختیارات بھی دیدیئے تھے، اس سے فتوحات اسلامی کو بہت فائدہ پہنچا، سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بعض سواحل پر قابض ہو گئے تھے، انکی ریشہ دوانیوں کے سدباب کے لئے معاویہؓ نے سفیان بن مجیب ازدی کو طرابلس الشام کی فتح پر مامور کیا، انھوں نے اس سے چند میل کی مسافت پر پہلے ایک قلعہ تعمیر کیا، اور

---

[1] استیعاب ج اول ص ۲۶۱، [2] تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۹۴

متعین رکھا، اس فوجی مستقر کے قیام کے بعد انھون نے رومیون کے تمام ... ی ناکے بند کر کے طرابلس الشام کا محاصرہ کرلیا، رومی قلعہ بند ہو گئے اور خفیہ طور پر شہنشاہ روم کو خط لکھا کہ ہماری امداد کے لئے فوجین روانہ کیجئے تاکہ ہم مسلمانون کا مقابلہ کر سکیں، اور اگر فوجین نہین آسکتین تو کم از کم کچھ کشتیان ہی بھجوا دو کہ اس حصار سے ہم کو نجات ملے، سفیان دن کو رومی قلعہ کی نگرانی کرتے تھے، اور رات کو اپنی فوج اپنے قلعہ مین لے آتے تھے، اس لئے رومی ایک شب کو موقعہ پا کر راتون رات نکل گئے، صبح کو مسلمان قلعہ کے پاس پہنچے تو اس کو بالکل خالی پایا، اور بلا مزاحمت قبضہ کر لیا، اس قلعہ کے قبضہ مین آجانے سے آئے دن کی بغاوتون کا خطرہ جاتا رہا،[1]

عموریہ پر فوجکشی اور بعض فتوحات شام کی سرحد پر عموریہ ایک شہر تھا جہان رومیون کے قلعے تھے اس لئے ان کی تاخت سے شام کو محفوظ رکھنے کے لئے عموریہ کا لینا ضروری تھا، چنانچہ ۲۵ھ مین امیر معاویہؓ اس کی طرف بڑھے، راستہ مین انطاکیہ سے لیکر طرطوس تک کے تمام قلعے خالی ملے، معاویہؓ نے ان سب مین شام، جزیرہ اور قنسرین سے آدمی لا کر بسائے اور ان کو آباد کر کے لوٹ آئے، اس کے ایک یا دو سال بعد یزید بن حر عبسی کو مامور کیا، انھون نے رومیون کے بہت سے قلعے مسمار کر دیئے، مگر عموریہ فتح نہ ہوا، اور اس پر فوج کشی کا سلسلہ برابر جاری رہا،[2]

شمشاط کی فتح معاویہؓ کے ان کارنامون کے صلہ مین حضرت عثمانؓ نے جزیرہ بھی انھین کے ماتحت کر دیا، جزیرہ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین فتح ہو چکا تھا، لیکن بعض سرحدی مقامات ہنوز رومیون کے قبضہ مین تھے، ان مین ایک مقام شمشاط بھی رومیون کے پاس تھا، حضرت عثمانؓ نے ان کو شمشاط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، انھون نے یہ خدمت حبیب بن مسلمہ فہری اور صفوان

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۳۳، [2] ایضاً ص ۱۷۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۶۶ مطبوعہ یورپ،

بن معطل کے سپرد کی، ان دونون بزرگون نے نہایت آسانی کیساتھ شمشاط پر قبضہ کرلیا [illegible]
کے حاکم رہے اور یہین وفات بھی پائی بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہؓ خود بھی اسی مہم میں [illegible]

ملطیہ کی فتح ملطیہ بھی ایک سرحدی مقام اور مشرق و مغرب کے درمیان حدِ فاصل تھا
اس لئے بحرِ روم مین تاخت کے لئے اس حدِ فاصل کا توڑنا ضروری تھا، ایک مرتبہ حبیب
بن مسلمہ فہری اس کو فتح کرچکے تھے، مگر یہ فتح عارضی تھی، رومیون نے پھر اس پر قبضہ کرلیا
تھا، امیر معاویہؓ نے دوبارہ پھر حبیب کو اس کی تسخیر پر مامور کیا، انھون نے اس کو بزورِ شمشیر
فتح کرکے یہان مسلمان آباد کئے، پھر آیندہ جب امیر معاویہؓ ارض روم مین پیشقدمی کے ارادہ
سے نکلے، تو یہان شام اور جزیرہ کے باشندون کی چھاؤنی قایم کی، مگر بعد مین یہ مقام اس
حالت پر قائم نہ رہ سکا،[1]

قبرس کی فتح بحر ابیض متوسط مین ساحلِ شام سے تھوڑی مسافت پر قبرس (سائپرس) نہایت
سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، اس کا رقبہ ۳۷۲۰ مربع میل ہے، یہ جزیرہ اپنی سرسبزی و شادابی
اور مصنوعات کے لحاظ سے اپنے قرب و جوار مین بہت مشہور تھا، خصوصاً روئی کی بڑی پیداوار
ہوتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس پر معاویہؓ کی نظر تھی، اس کے لئے انھون نے حضرت
عمرؓ سے بحری جنگ کی اجازت بھی مانگی تھی لیکن حضرت عمرؓ مسلمانون کو بحری خطرات مین ڈالنا
نہ چاہتے تھے اس لیئے پہلے عمرو بن العاصؓ سے بحری سفر کے حالات پوچھ بھیجے، انھون نے تمام
خطرات سے آگاہ کردیا، اس لئے معاویہؓ کو اجازت نہ ملی، اس وقت سے برابر معاویہؓ کا
دل بحری حملہ کے لئے بیتاب رہا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد ان سے بھی
اجازت طلب کی، پہلے انھون نے بھی اجازت نہ دی، مگر معاویہؓ کا اصرار برابر قائم رہا،

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۹۲، [2] ایضاً ص ۱۹۳،

نے بڑا زور لگایا، اور بحری جنگ کی آسانیاں حضرت عثمانؓ کے ذہن نشین کرکے خطرات کیجانب سے اطمینان دلادیا، بحری خطرات سے مطمئن ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ نے اس شرط پر انھیں اجازت دی کہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لیجاؤ اور کسی مسلمان کو اسکی شرکت پر مجبور نہ کرو، جو شخص بطیب خاطر شریک ہونا چاہے، اس کو لے لو ورنہ جبر و تعدی کی ضرورت نہیں[1]،

معاویہؓ نے یہ تمام شرطیں منظور کرلیں، اور ۲۸ھ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پہلی مرتبہ اسلامی بیڑا بحر روم میں اترا، اور معاویہؓ عبداللہ بن ابی سرح کو ساتھ لیکر قبرس پہنچے قبرس والے نہایت نرم خو تھے، جنگ و جدال سے گھبراتے تھے، اس لئے بغیر مقابلہ کے ہوئے سات ہزار دینار سالانہ پر شرائط ذیل کے ساتھ صلح کرلی، (۱) کہ وہ سات ہزار سالانہ خراج مسلمانوں کو دیں گے، اور اسی قدر رومیوں کو دیا کریں گے، مسلمانوں کو اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا (۲) اگر قبرس پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو مسلمان مدافعت کے ذمہ دار نہ ہونگے، (۳) اگر مسلمان رومیوں پر حملہ کرنا چاہیں تو قبرس والے ان کو اپنے جزیرہ کے اندر سے گذرنے دیں گے اس صلح کے ۴ برس بعد ۳۲ھ میں جزیرہ والوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی جہازوں سے رومیوں کی مدد کی، اس لئے ۳۳ھ میں پھر معاویہ پانسو جہازوں کا عظیم الشان بیڑا لیکر بحر روم میں اترے اور قبرس کو بزور شمشیر فتح کیا، مگر روایات اسلامی کو قایم رکھتے ہوئے اہل قبرس کی عہد شکنی کا کوئی انتقام نہیں لیا اور صلح کے سابق نرم شرائط قایم رکھے، لیکن چونکہ اہل قبرس ایک مرتبہ غداری کرکے اپنا اعتبار کھو چکے تھے، اس لئے اس مرتبہ معاویہؓ نے قبرس میں ۱۲ ہزار مسلمانوں کی ایک نوآبادی قائم کردی بعلبک کے بہت سے باشندے

[1] یہ آخری شرط طبری ص ۲۸۲۴ میں ہے،

بھی نقل مکان کر کے یہان چلے آئے، اس نوآبادی نے یہان مساجد [illegible]
شہر بسایا،[1]

افریقیہ کی جنگ افریقیہ یعنی تونس، الجزائر اور مراکش قیصر کے زیر حکومت تھے حضرت عثمان رض کے زمانہ مین یہان بکثرت فتوحات ہوئین، اور رومی رعایا کی بڑی تعداد قتل اور گرفتار ہوئی، افریقیہ کی اسلامی فتوحات اور ملک قبضہ سے نکل جانے کی وجہ سے قیصر روم جوش انتقام سے لبریز ہو رہا تھا، چنانچہ اس نے مسلمانون سے انتقام اور ملک کو واپس لینے کے لئے بڑی زبردست تیاریان کین، علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق قیصر نے اس سے پہلے کبھی مسلمانون کے مقابلہ کے لئے اتنا اہتمام نہ کیا تھا، صرف جنگی جہازون کی تعداد چھ سو تھی،[2] معاویہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح فاتح افریقیہ مدافعت کے لئے بڑھے، جب دونون بیڑے بالمقابل آئے تو اسلامی بیڑے کے خلاف ہوا کے نہایت تیز و تند طوفان چلنے لگے، اس لئے طرفین نے ایک شب کے لئے صلح کر لی، اور دونون اپنے اپنے مذہب کے مطابق رات بھر عبادت اور دعا مین مصروف رہے، صبح ہوئی تو رومی ہمہ تن تیار تھے، اور دونون بیڑے آپس مین مل چکے تھے، اس لئے رومیون نے فوراً حملہ کر دیا، مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا، سطح سمندر پر تلوارین چلنے لگین، اور اس قدر گھمسان کی جنگ ہوئی کہ سمندر کا پانی خون کی کثرت سے سرخ ہو گیا، رزمگاہ سے لیکر ساحل تک خون کی موجین اچھلتی تھین، آدمی کٹ کٹ کر سمندر مین گرتے تھے، اور پانی انھین اچھال اچھال کر اوپر پھینکتا تھا،[3] یہ ہولناک منظر بڑی دیر تک قائم رہا، طرفین نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے رہے، لیکن آخر مین مسلمانون کے عزم و ثبات اور جان سپاری نے رومیون کے پاؤن اکھاڑ دیئے، اور قسطنطین نے جہاز کا لنگر اٹھا دیا،[4]

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۷۰، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱، [3] طبری ص ۲۸۶۸، [4] ایضاً ص ۲۸۸۶،

...نہ بحرِ روم کو عبور کرتے ہوئے تنگنائے قسطنطنیہ تک پہنچ گئے، اور ۳۳ھ مین ...قسطنطنیہ ...ن المراۃ پر حملہ کیا، غرض امیر معاویہؓ اپنے زمانۂ امارت بھر رومیون کا نہایت کامیاب مقابلہ کرتے رہے، تاآنکہ حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش شروع ہوئی، اور دورِ فتن کا آغاز ہوگیا،

دورِ فتن کا آغاز، حضرت عثمانؓ اور اکابر صحابہؓ نے اپنی تمام کوششین اس فتنہ کو فرو کرنے مین صرف کر دین لیکن شیرازۂ اسلامی کا بکھرنا مقدر ہو چکا تھا، اس لیے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی جس قدر کوشش کیجاتی تھی، اتنی ہی وہ اور زیادہ پیچیدہ شکل اختیار کر لیتے تھے اسوقت معاویہؓ شام مین تھے حضرت عثمانؓ نے ان کو بلا بھیجا، یہ آئے لیکن شر و فتن کے شعلے قابو سے باہر ہو چکے تھے، اس لئے پھر واپس چلے گئے، اور حضرت عثمانؓ کی شہادت تک برابر شام ہی مین رہے، اس واقعۂ ہائلہ کے بعد جنگ جمل ہوئی، مگر امیر معاویہؓ نے اس مین کوئی حصہ نہین لیا،

حضرت علیؓ کی خلافت، امیر معاویہؓ کی مخالفت، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے، اس وقت امیر معاویہؓ بدستور شام مین تھے، جناب امیر نے خلیفہ ہوتے ہی ایک سرے سے تمام عثمانی عاملون کو معزول کر دیا، اس سلسلہ مین معاویہؓ بھی شام سے معزول ہوئے، اور ان کی جگہ سہل بن حنیف کا تقرر ہوا، لیکن معاویہؓ آسانی سے شام کی حکومت چھوڑنے والے نہ تھے، اس لئے شام کی سرحد تبوک پر ان کے سوارون نے سہل بن حنیف کو روک کر واپس کر دیا، اس وقت حضرت علیؓ کو ان کی مخالفت کا علم ہوا[1]،

مغیرہ بن شعبہ نے جو اپنی تدبیر و سیاست کی وجہ سے مغیرۃ الرائے کہلاتے تھے، حضرت علیؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر ان کو مشورہ دیا کہ اگر آپ اپنی خلافت کو استوار کرنا چاہتے

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۰،

ہیں تو معاویہؓ کو معزول نہ کیجئے بلکہ ان کو ان کے عہدہ پر قایم رکھئے، اور طلحہؓ [illegible] کا والی بنایئے پورا تسلط ہوجانیکے بعد جو مناسب سمجھیگا کیجئے گا، لیکن آپ نے جواب دیا کہ طلحہؓ و زبیرؓ کے بارہ میں غور کرون گا لیکن معاویہؓ جب تک اپنی حرکتون سے باز نہ آئین گے اس وقت تک ان کو کہین کا حاکم بناؤن گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لونگا، اس جواب سے مغیرہؓ دل شکستہ ہوکر امیر معاویہؓ سے مل گئے[1]،

امیر معاویہؓ کے دعاوی خلافت کے ابتدا

حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے وقت معاویہؓ کے دل مین حصولِ خلافت کا کوئی جذبہ نہ تھا گو وہ حضرت علیؓ کو پسندیدہ نظر سے نہ دیکھتے تھے تاہم انکے مقابلہ مین خلافت کا خیال بھی نہ لاسکتے تھے کیونکہ وہ نہایت مدبر اور ہوشمند تھے اور اپنے اور حضرت علیؓ کے رتبہ کا فرق پورے طور پر سمجھتے تھے لیکن اسی کیساتھ انکی حکومت پسندی اپنا عزل بھی گوارا نہین کرسکتی تھی، اگر حضرت علیؓ انھین بدستور انکے عہدہ پر قائم رہنے دیتے تو غالبًا کوئی ناگوار صورت پیش نہ آتی، مگر معاویہ کی معزولی نے انکو جناب امیر کا مخالف بنادیا جہانتک واقعات سے اندازہ ہوتا ہے اس وقت تک امیر معاویہؓ کے دل مین خلافت کے دعوی کا کوئی خیال نہ پیدا ہوا تھا، بلکہ وہ حضرت علیؓ کی مخالفت سے صرف اپنے عہدہ کی بحالی چاہتے تھے لیکن حضرت علیؓ اس کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے، امیر معاویہؓ کی خوش قسمتی سے حضرت عثمانؓ کے قاتل یا کم از کم وہ لوگ جن پر حضرت عثمانؓ کے شہید کرنے کا قوی شبہہ تھا حضرت علیؓ کی لاعلمی مین (کیونکہ اس وقت کوئی قاتل معین نہ تھا) آپ کے ساتھ ہوگئے،

اس وقت بحیثیت خلیفہ کے قاتلین عثمانؓ کا پتہ چلاکر ان سے قصاص لینا حضرت علیؓ کا فرض تھا، لیکن مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ ایسے جھگڑون مین مبتلا ہوگئے، کہ قاتلینِ عثمانؓ کا پتہ چلانا کیا معنی نظامِ خلافت سنبھالنا مشکل تھا، اور قاتلون کی تلاش کے لئے سکون و

[1] استیعاب ج اول ص ۲۵۹،

[illegible]ت تھی لیکن عوام اس معذوری کو نہین سمجھ سکتے تھے، اور وہ صرف حضرت عثمان [illegible] قصاص چاہتے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ کو انکے خلاف پروپگنڈے کا پورا موقعہ مل گیا،

خلیفۂ مظلوم کے بیدردی کے ساتھ شہید کئے جانے اور قاتلین کے کھلے بندون پھرنے کا واقعہ ایسا تھا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کیا بہت سے غیر جانبدار مسلمانون کے دلون مین بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے اسیکا نتیجہ تھا کہ مصر کے ایک مقام خربتا مین ایک جماعت حضرت علیؓ کی مخالف پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ جب قیس بن سعدؓ ان سے حضرت علیؓ کی بیعت لینے کی کوشش کی تو ان لوگون نے حضرت عثمانؓ کی شہادت [illegible] کیوجہ سے بیعت نہین کی، اور اس کے قصاص کا مطالبہ کیا[1]،

اس کے علاوہ امیر معاویہؓ کو کچھ لوگ ایسے مل گئے جنھون نے انکو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا، کہ تم کو علیؓ کے خلاف اٹھنا چاہئے، کیونکہ جو قوت تمکو حاصل ہے وہ علیؓ کو نصیب نہین، تمھارے ساتھ ایسی فرمان بردار جماعت ہے کہ جب تم خاموش ہوتے ہو تو وہ بھی کچھ نہین کہتی، اور جب تم کچھ کہنا چاہتے تو وہ اس کو خاموشی کے ساتھ سنتی ہے، اور جو حکم دیتے ہو، اس کو بے چون و چرا مان لیتی ہے، اور علیؓ کے ساتھ جو گروہ ہے وہ اس کے برعکس ہے اسلئے تمھاری تھوڑی جماعت ان کی بڑی جماعت پر بھاری ہو[2]،

غرض ان مواقع اور ان تائیدون نے امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا پورا مخالف بنا دیا، لیکن حضرت علیؓ جیسے شخص کا مقابلہ تھا، اس لئے آسانی کے ساتھ ان کے مقابلہ مین کامیابی دشوار تھی، اور اس دشواری کو حل کرنے کے لئے دہاۃ عرب کو ساتھ ملانے کی ضرورت تھی، اس وقت عرب مین معاویہؓ کے علاوہ مغیرہؓ بن شعبہ اور عمرو بن العاصؓ صاحب تدبیر و سیاست مانے جاتے تھے، مغیرہؓ بن شعبہ پہلے ہی مل چکے تھے، عمرو بن العاصؓ باقی تھے، یہ اس وقت

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۲ [2] اخبار الطوال ص ۱۶۵

فلسطین مین تھے، امیر معاویہؓ نے انھین بلاکر ان کے سامنے اپنی مشکلات [illegible] حنفیہ قید خانہ توڑکر نکل گئے ہین، قیصر روم الگ حملہ پر آمادہ ہے اور سب سے بڑی [illegible] یہ کہ علیؓ نے بیعت کا مطالبہ کیا ہے اور انکار کی صورت مین جنگ پر آمادہ ہین، انھون نے مشورہ دیا کہ محمد بن حنفیہ کا تعاقب کراؤ، اگر مل جائین تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہین، قیصر روم کے قیدی چھوڑکر اس سے مصالحت کرلو، علیؓ کا معاملہ البتہ بہت اہم ہے، کیونکہ مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھین گے، معاویہؓ نے کہا وہ عثمانؓ کے قتل مین معاون تھے، امت اسلامیہ مین پھوٹ ڈال کر فتنہ پیدا کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن تمھین سبقتِ اسلام، اور قرابتِ نبویؐ کا شرف حاصل نہین ہے، اور مین خواہ مخواہ تمھاری کامیابی کے لئے کیون مدد کرون؟ معاویہؓ نے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ بولے "مصر"، امیر معاویہؓ نے کہا "مصر تو کسی طرح عراق سے کم نہین" عمرو بن العاصؓ نے کہا لیکن مصر کا مطالبہ اس وقت ہے جب تم علیؓ کو مغلوب کرچکے ہوگے، اور تمام دنیائے اسلام تمھارے زیر نگین ہوگی، چنانچہ اس گفتگو کے دوسرے دن مصر دینے کا تحریری وعدہ کرکے عمرو بن العاصؓ کو ملالیا[1]،

حضرت علیؓ کے خلاف دعوت | عمرو بن العاصؓ کے مل جانے سے معاویہؓ کا بازو بہت قوی ہوگیا، انھون نے ان کو مشورہ دیا کہ پہلے عمائدِ شام کو یہ یقین دلاکر کہ عثمانؓ کے قتل مین علیؓ کا ہاتھ شامل تھا، ان کو ان کی مخالفت پر آمادہ کرو اور سب سے پہلے شرجیل بن سمط کندی کو جو شام کے سب سے بڑے بااثر آدمی ہین، اپنا ہم خیال بناؤ، چنانچہ امیر معاویہؓ نے انکی بتائی ہوئی تدبیر دن سے عمائد شام کے دلون مین یہ بات بٹھادی کہ عثمانؓ کے خونِ بے گناہی مین علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا، اور شرجیل بن سمط کندی نے شام کا دورہ کرکے لوگون کو حضرت علیؓ کے خلاف

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۷،

[illegible] ۱۹؎

[illegible]ـعاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمایش کر کے سارے شام میں آگ لگادی، لوگ آتے تھے، اور یہ المناک منظر دیکھ کر زار زار روتے تھے، شامیوں نے قسم کھائی کہ جب تک وہ قاتلین عثمانؓ کو قتل نہ کرلیں گے، اس وقت تک نہ بستر پر لیٹیں گے، اور نہ بیویوں کو چھوئیں گے،۲۰؎

مصالحت کے لئے صحابہؓ کی کوشش | محتاط صحابہؓ اس خانہ جنگی کی تیاریاں دیکھتے تھے، اور مسلمانوں کی بدبختی پر کف افسوس ملتے تھے مشہور صحابی حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ باہلی سے مسلمانوں کی یہ بدبختی نہ دیکھی گئی، چنانچہ یہ دونوں بزرگ معاویہؓ کے پاس گئے، کہ علیؓ تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں، پھر تم کیوں ان سے لڑتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا عثمانؓ کے قصاص کے لئے، ان لوگوں نے کہا، کیا انکو علیؓ نے قتل کیا ہے؟ کہا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلین کو پناہ دی ہے، اگر وہ ان کو ہمارے حوالہ کردیں تو ہم سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار ہیں، یہ مطالبہ سنکر یہ دونوں بزرگ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے صورت حال بیان کی، امیر معاویہؓ کا یہ مطالبہ سنکر حضرت علیؓ کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل آئے اور نعرہ لگایا کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں" حضرت ابودرداؓ اور حضرت ابوامامہؓ نے یہ رنگ دیکھا تو خاموشی سے ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے، اور پھر کسی قسم کی کوشش نہ کی،۲۱؎

جنگ صفین | اس سلسلہ میں امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی مگر کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا، اور طرفین کی فوجیں میدان جنگ میں آگئیں، اس خون ریز جنگ کا

۱۹؎ اخبار الطوال ص ۱۶۸ و ۱۶۹، ۲۰؎ طبری ج ۶، ص ۳۲۵۷، ۲۱؎ اخبار الطوال ص ۱۸۱ ہم نے مختصراً جستہ جستہ واقعات نقل کئے ہیں، کیونکہ ان واقعات کی تطویل اور تسلسل بیان سے کوئی فائدہ نہیں،

سلسلہ مدتون جاری رہا،

لیلۃ الہریر کی قیامت خیزرات کی صبح کو جسمین ہزارون بچے یتیم اور ہزاری [illegible] زنین بیوہ ہوگئین، معاویہؓ اور علیؓ اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان مین نکلے، اور دونون قوتین اس شدت کے ساتھ ٹکرائین کہ صفین کا میدان کشتون کی کثرت سے بھر گیا، ہر طرف موت انسانی جسمون کے ساتھ اس طرح کھیلتی تھی جیسے خزان پتون سے کھیلتی ہی، لاشون پر لاشین گرتی تھین، ہاتھ پاؤن اور سر کٹ کٹ کر خزان رسیدہ پتون کی طرح اڑتے تھے، خون تھا کہ امنڈا منڈ کے برستا تھا، اور مسلمانون کی ۳۵ سالہ قوت اس طرح آپس مین ٹکرا کر پاش پاش ہورہی تھی،

اس خون ریز اور ہولناک لڑائی کے بعد مزید جنگ دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوگئی، اور طرفین نے اپنے اپنے مقتولین دفنائے اس جنگ مین شامی فوج کا پلہ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ آیندہ میدان مین اس کے ٹھہرنے کی کوئی امید باقی نہ تھی، رومی علیحدہ امیر معاویہؓ پر حملہ کرنے پر آمادہ تھے، اس لئے انھون نے عمرو بن العاصؓ سے مشورہ کیا، انھون نے کہا مین نے اس دن کیلئے پہلے ہی سے ایک تدبیر سوچ رکھی تھی، جو کسی طرح پٹ نہین پڑ سکتی ہے، وہ یہ ہی کہ ہم لوگ میدان جنگ مین قرآن کے حکم بنانے کا اعلان کرین، اس تدبیر سے عراقیون مین رد و قبول دونون حالتون مین تفرقہ پڑ جائیگا، چنانچہ دوسرے دن جب شامی فوج میدان مین آئی تو اس شان سے کہ دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزون پر آگے آگے تھا اور اسکے پیچھے سیکڑون قرآن نیزون پر بلند تھے، اور شامی "ہم قرآن کو حکم بناتے ہین" کے نعرے لگا رہے تھے، عمرو بن العاصؓ کی یہ تدبیر نہایت کارگر ثابت ہوئی، عراقیون مین پھوٹ پڑ گئی، انھون نے کہا کہ ہم کو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہیئے، حضرت علیؓ اور بعض

[illegible] لوگ لاکھ سمجھاتے رہے کہ یہ سب فریب ہے، لیکن عراقیون نے ایک نہ سنی اور برابر یہی [illegible] رہے کہ ہمکو قرآن کا فیصلہ ماننا چاہئے، طبری کی ایک روایت کے مطابق تو ان کا اصرار اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھون نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر قرآن کا فیصلہ مسترد کیا گیا تو تمھارا بھی وہی حشر ہوگا جو عثمانؓ کا ہو چکا ہے[1]،

تحکیم | غرض عراقیون کی اس ضد اور ناسمجھی پر جناب امیرؓ کو چار و ناچار یہ فریب آمیز فیصلہ ماننا پڑا اور طرفین نے بڑی رد و قدح کے بعد عمرو بن العاصؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو حکم بنایا کہ یہ دونون کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی روسے جو فیصلہ کردین وہ فریقین کیلئے واجب التسلیم ہوگا، چنانچہ دونون نے باہمی صلاح و مشورہ کے بعد امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونون کے معزول کرنے کا فیصلہ کیا، اور مجمع عام مین اس کو سنا دیا، پہلے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے کھڑے ہو کر کہا کہ برادران اسلام! ہم دونون بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہین کہ امت محمدی کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی اس کے سوا کوئی صورت نہین، کہ علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کرکے عامۂ مسلمین کو از سر نو خلیفہ کے انتخاب کا اختیار دیا جائے، اس لئے مین دونون کو معزول کرکے آپ لوگون کو اختیار دیتا ہون کہ از سر نو جسے چاہین اپنا خلیفہ منتخب کرین، ان کے بعد عمرو بن العاصؓ کھڑے ہوئے اور ان الفاظ مین اپنا فیصلہ سنایا کہ صاحبو آپ لوگون نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا، انھون نے علیؓ اور معاویہؓ دونون کو معزول کیا، مین بھی علیؓ کو معزول کرتا ہون لیکن معاویہؓ کو برقرار رکھتا ہون، کیونکہ وہ عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے حقدار ہین، اسلئے وہ ان کی نیابت کے زیادہ مستحق ہین، اس فیصلہ سے مجمع مین سناٹا چھا گیا، شریح بن ہانی نے عمرو بن العاصؓ پر مارنے کے لئے کوڑا اٹھایا، اور قریب تھا کہ ایک مرتبہ پھر تلوارین میان سے

[1] طبری ص ۳۳۴۳،

نکل آئین اور دومۃ الجندل کا میدان صفین کا نمونہ بنجائے، مگر ابو موسیٰؓ مکہ روانہ ہو گئے [illegible] ازی قصہ رفع دفع کر دیا[1]،

خارجیون کا ظہور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ ایسا تھا جسکو جناب امیرؓ کسی طرح قبول نہ کرسکتے تھے اسلئے آپ نے پھر معاویہؓ سے مقابلہ کی تیاریان شروع کر دین لیکن اسی درمیان مین اس سے بھی بڑا خارجیون کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا، یہ لوگ کہتے تھے کہ مذہبی معاملات مین کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے، اس لئے معاویہؓ اور علیؓ دونون نعوذ باللہ کافر ہین اور جو لوگ اس عقیدہ کے منکر ہون وہ بھی کافر ہین، رفتہ رفتہ اس جماعت کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، اور اس کی قوت اتنی بڑھی، کہ حضرت علیؓ کے حدود حکومت مین لوٹ مار شروع کر دی، اس لئے حضرت علیؓ فی الحال معاویہ کے مقابلہ کا خیال ملتوی کر کے ان کی سرکوبی کے لئے نہروان کی طرف بڑھے، اور اس سلسلہ مین ان مین اور خارجیون مین بڑے بڑے معرکے ہوئے لیکن ان سے ہم کو تعلق نہین، اس لئے قلم انداز کرتے ہین،

نہروان سے حضرت علیؓ کی واپسی اور شیعیان علیؓ کی جنگ سے پہلو تہی اس فرقہ کی سرکوبی کے بعد جب حضرت علیؓ نہروان سے واپس ہوئے تو فوج کو امیر معاویہؓ سے مقابلہ کے لئے تیاری کا حکم دیا، ان لوگون نے عذر کیا کہ امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے، تلوارین گٹھلی ہو گئین، اور نیزون کی انیان ٹوٹ گئین، اور بہت سے لوگ واپس جا چکے، اس لئے ہمکو وطن پہنچکر از سر نو تیاری کا موقع دیا جائے تاکہ ہم پھر سے اپنی قوت مجتمع کر کے دشمن کے مقابلہ کے لائق ہو سکین، اس عذر پر جناب امیرؓ نے آگے بڑھکر مقام نخیلہ مین قیام کیا، یہان پہنچنے کے بعد مقابلہ کی تیاریون کے بجائے آپ کے ساتھی آہستہ آہستہ فوج سے نکل کر اپنے اپنے گھرون کا راستہ لینے لگے، اور

---

[1] اخبار الطوال ۲۱۲ تا ۲۱۴،

[illegible] مخصوص جماعت باقی رہ گئی اس لئے آپ نے فی الحال معاویہؓ سے مقابلہ کا خیال [illegible] حسنؓ [illegible]

حضرت علیؓ کی ایک سیاسی فروگذاشت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مصری بالکل غیر جانبدار ہو گئے تھے اور امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کسی کے حلقۂ اطاعت میں نہ تھے، چنانچہ جنگ صفین میں انھوں نے دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا تھا، جنگ صفین کے بعد حضرت قیس بن سعدؓ انصاری نے جو یہاں کے حاکم اور حضرت علیؓ کے ہوا خواہ تھے نہایت ہوشیاری اور خوبصورتی کے ساتھ اہل مصر سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی، صرف خربتا کے باشندوں نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بہت متاثر تھے بیعت نہ کی تھی، حضرت قیسؓ نے مصلحت وقت کے خیال سے انھیں مجبور بھی نہیں کیا بلکہ کہلا دیا کہ تم کو انکار ہے تو ہم مجبور بھی نہیں کرتے، اس نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ خربتا والوں نے خراج دینے میں کوئی تامل نہ کیا،

قیس حضرت علیؓ کے مقابلہ میں امیر معاویہؓ کے بہت قدیم مخالف تھے، چنانچہ جنگ صفین سے قبل جب انھوں نے اور مدبرین کو ملانا چاہا تو قیس کو بھی خط لکھا تھا کہ اگر تم قاتلین عثمان کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آجاؤ تو عراق کی حکومت تمھارے لئے مخصوص ہو جائیگی، اور حجاز کی حکومت پر تمھیں اختیار ہوگا، اپنے جس عزیز کو چاہو مقرر کرنا، اس کے علاوہ تمھارے اور جو مطالبات ہونگے وہ بھی پورے کئے جائینگے، اگر تمھیں یہ باتیں منظور ہوں تو جواب دو، قیس بہت عاقبت اندیش آدمی تھے، اس لئے صاف جواب دینے کے بجائے گول جواب دیا، کہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس لئے ابھی جواب نہیں دیسکتا، امیر معاویہؓ کو یہ خط ملا تو وہ ان کی نیت سمجھ گئے، چنانچہ دوسرا خط لکھا کہ تم اس گول جواب سے مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، میرا جیسا شخص تمھارے فریب میں

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲ و ۲۹۳،

نہین آسکتا، قیس کو یہ تحریر ملی تو وہ برہم ہوگئے، اور کھل کر اپنے دلی [illegible]
"تمھاری عقل پر مجھکو حیرت ہے، تم مجھکو ایک حق گو حق پرست مستحق خلافت [illegible] تم سے
رشتہ دار کا ساتھ چھوڑ کر ایک کاذب گمراہ، گمراہ زادہ کی حمایت کی دعوت دیتے ہو" اس تحریر
کے بعد جب امیر معاویہ رضؓ کو ان سے بالکل مایوسی ہوگئی، تو انھون نے قیس کو زک دینے کے لئے
اپنے حامیون سے کہنا شروع کیا کہ قیس کو برا نہ کہو وہ ہمارے ہمدرد ہین، اور ہمارے پاس برابر انکے
خفیہ خطوط آتے رہتے ہین، دیکھو ہمارے ہم خیال خربنا والون کے ساتھ انکا کیسا بہتر سلوک ہے، انکے
روزینے اور عطیے برابر جاری ہین، اس غلط شہرت دینے کیساتھ ہی قیس کی جانب سے ایک فرضی
خط بھی جسمین حضرت عثمانؓ کے قصاص پر پسندیدگی کا اظہار تھا، پڑھدیا، محمد بن ابی بکر اور محمد
بن جعفر کے کانون مین اس کی خبر پہنچی تو انھون نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی، حضرت
علیؓ کے جاسوسون نے بھی اس کی تصدیق کردی، اتفاق سے اسی درمیان مین حضرت علیؓ کے پاس
قیس کا ایک خط آیا کہ خربنا والے بیعت نہین کرتے ہین، مگر مین ان پر تلوار اٹھانا مصلحت نہین
سمجھتا، حضرت علیؓ کے طرفدارون کو قیس کی جانب سے جو شبہہ ہوگیا تھا، وہ اس خط سے اور زیادہ
قوی ہوگیا، چنانچہ محمد بن جعفر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ فورًا ان باغیون (اہل خربنا) کی سرکوبی
کا فرمان جاری کیجئے، ان کے توجہ دلانے پر آپ نے اسی وقت قیس کے نام حکم جاری کردیا، قیس
نے پھر لکھا کہ "آپ ایسے لوگون کو چھیڑنے کا کیون حکم دیتے ہین جو کسی طرف عملی حصہ نہین لے رہے
ہین، اگر آپ کی طرف سے ذرا بھی سختی ہوئی تو یہ سب برگشتہ ہوجائینگے، میرا مشورہ قبول کیجئے
اور ان کو سردست ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ ناقابل قبول
سمجھا، اور محمد بن جعفر کے اصرار سے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کرکے بھیجدیا،[1]

[1] دیکھو ابن اثیر ج ۳ ص ۲۲۱ حالات ولایت قیس بن سعد،

[illegible] گو یہ حکم قیس کی مرضی کے بالکل خلاف تھا، اور اس سے ان کی بڑی
بڑی [illegible] حسن [illegible] وہ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لئے بے چون و چرا مصر محمد بن ابی بکر
کے حوالہ کردیا، اور تمام نشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی واضح کردی، لیکن وہ کمسن اور ناتجربہ کار تھے جوانی
کا جوش تھا، آتے ہی خرنبا والوں پر فوجیں دوڑا دیں، یہ لوگ بڑے شجاع اور بہادر تھے، اس لئے
محمد کو فاش شکست ہوئی اس سخت گیر پالیسی سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پہلے صرف ایک قریہ کے لوگ
حضرت علیؓ کے مخالف تھے، محمد بن ابی بکر نے اپنے طرزِ عمل سے اوروں کو بھی مخالف بنا کر امیر معاویہؓ
کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیدیا، چنانچہ معاویہ بن خدیج کندی نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے
متاثر تھے، مصر میں آپ کے خون کے قصاص کی دعوت شروع کردی، اس طرح مصر کی فضا
مسموم ہوگئی،[1] حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اشتر نخعی کو لکھا کہ تم مصر جاکر اسکا نظام
سنبھالو، یہ حکم ملتے ہی اشتر روانہ ہوگئے، مگر امیر معاویہؓ کے اشارے سے راستہ ہی میں ان کا کام تمام
کردیا گیا،

مصر پر امیر معاویہ کا قبضہ

اشتر کی موت کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج
کندی سے مصر کی فوج کشی کے متعلق خط و کتابت کی، انھوں نے امداد کے لئے پوری آمادگی ظاہر
کی، اور لکھا کہ جس قدر جلد ممکن ہو فوراً آؤ، ہم سب تمہارے منتظر ہیں، انشاء اللہ تم کو ضرور کامیابی
ہوگی، اس جواب کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے مشیروں کے مشورہ سے عمرو بن العاصؓ کو ۶ ہزار
فوج دیکر مصر روانہ کردیا، یہاں عثمانی گروہ پہلے سے موجود تھا، اس نے مصر کے باہر اس فوج
کا استقبال کیا، عمرو بن العاصؓ نے حملہ کرنے سے قبل محمد بن ابی بکر کو لکھا کہ مصر والے تمہارا ساتھ
چھوڑ چکے ہیں، تم میرے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے، اس لئے میں دوستانہ مشورہ دیتا

[1] طبری ص ۳۳۹۲،

ہون کہ میرے مقابلہ سے باز آؤ اور مصر خالی کر دو، مین خواہ مخواہ تمھا[illegible] رنگین کرنا نہین چاہتا، محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھیجدیا [illegible] حکم آیا، محمد بن ابی بکر مقابلہ کے لئے بڑھے، مصر کے مشہور بہادر کنانہ بن بشر مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، انھون نے عمرو بن العاصؓ کا نہایت زبردست مقابلہ کیا، جدہر رخ کر دیتے تھے میدان صاف ہوجاتا تھا، عمرو بن العاصؓ نے یہ رنگ دیکھا، تو معاویہ بن خدیج سکونی کو اشارا کیا، انھون نے کنانہ کو گھیر لیا، اور شامیون نے ہر طرف سے ٹوٹ کر قتل کر دیا، ان کے گرتے ہی مصریون کے پاؤن اکھڑ گئے، محمد بن ابی بکر شکست کے آثار دیکھکر روپوش ہو چکے تھے، معاویہ بن خدیج نے ان کو ڈھونڈھ نکالا، اور وہ نہایت بے دردی سے قتل کر دیئے گئے، ان کے قتل کے بعد مصر پر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا،[1]

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر معاویہؓ کی پیشقدمیان

۳۸ھ مین مصر پر قبضہ ہوا، ۳۹ھ مین امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضہ مقامات کی طرف پیش قدمی شروع کر دی، ان مین سے بعض مقامات پر کامیابی ہوئی اور بعض مین ناکامی، طبری اور ابن اثیر نے ان کے تفصیلی حالات لکھے ہین، اجمالی معلومات کے لئے ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

سب سے اول امیر معاویہؓ کے عامل نعمان بن بشیر نے ایک شخص کو دو ہزار کی جمعیت کیساتھ عین التمر روانہ کیا، مالک بن کعب حضرت علیؓ کیجانب سے یہان کے حاکم تھے، انھون نے نعمان کو شکست دی اس کے بعد سفیان بن عوف ۶ ہزار کی جمعیت کے ساتھ بڑھے، اور انبار و مدائن پر حملہ کرنے کے لئے ہیت پر تاخت کرتے ہوئے انبار پہونچے اور یہان کے حفاظتی دستہ کے افسر اشرس بن حسان کو قتل کر کے کل مال و متاع لوٹ لیا، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ خو[د]

---

[1] دیکھو طبری ج ۶ واقعات ۳۸ھ ملخصاً،

[illegible] قیس کو حملہ آورون کے تعاقب مین روانہ کیا، مگر شامی نکل چکے تھے،
پھر [illegible] حسن [illegible] فزاری تیمار کے اہل بادیہ، حجاز، مکہ اور مدینہ کے باشندون سے صدقہ وصول
کرنے کے لئے بڑھے، حضرت علیؓ کی جانب سے مسیب بن نجبہ ان کے مقابلہ کو بڑھے تیمار مین دونون
کا مقابلہ ہوا، عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے، مسیب نے ان کو گھیر کر قلعہ مین آگ لگادی
لیکن پھر ان کے امان طلب کرنیکے بعد بجھوادی، اور شامی لوٹ گئے،

اس کے بعد ضحاک بن قیس تین ہزار سپاہ لیکر واقصہ کے نشیبی علاقہ مین حضرت علیؓ کے
باجگذار دہقانیون پر تاخت کرتے ہوئے ثعلبہ پہنچے اور یہان کے حفاظتی دستہ کو لوٹ کر قطقطانہ
کا رخ کیا، اور عمرو بن عمیس سے جو فوجی سوارون کے ساتھ حج کو جارہے تھے مزاحم ہوئے، اور
انکا سامان لوٹ کر روکدیا، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی، تو انھون نے حجر بن عدی کو مقابلہ کے لئے
بھیجا، [illegible] ان دونون کا مقابلہ ہوا اور شامی لوٹ گئے،

پھر ۳۹ھ مین امیر معاویہؓ نے یزید بن سنجرہ رہاوی کو مکہ مین اپنی بیعت لینے اور وہان سے
علوی عمال کو نکالنے کے لئے امیر الحج بنا کر بھیجا، اس وقت قثم بن عباس یہان کے عامل تھے،
ان کو خبر ہوئی تو اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے ابھارا، لیکن شیبہ بن عثمانؓ کے سوا کوئی
آمادہ نہ ہوا، اس لئے قثم نے حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع دی، اور خود مکہ چھوڑ کر کسی
گھاٹی مین چلے جانیکا قصد کیا لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ نے روکدیا، اسی درمیان مین ریان بن ضمرہ امدادی
فوج لیکر پہنچ گئے، مگر شامیون نے اعلان کردیا کہ ہم حرم کے امن امان مین خلل انداز ہونا نہین چاہتے ہم یہان صرف
اسی شخص کے مقابلہ مین تلوار اٹھائینگے جو ہم سے کسی قسم کا تعرض کریگا، اور حضرت ابو سعید خدری سے درخواست کی
کہ ہم حرم مین تفریق ناپسند کرتے ہین، اس لئے آپ کسی ایسے شخص کو امیر الحج مقرر کردیجئے جسپر طرفین متفق
ہون انکی درخواست پر ابو سعید نے قثم کو ہٹادیا اور شیبہ بن عثمان نے امارت حج کے فرائض انجام دیئے،

شامی فوج حج کرکے لوٹ گئی، اس کے لوٹنے کے بعد دار الخلافت سے دو [illegible]
پہنچ گئی، اس نے شامیون کا تعاقب کیا، اور وادی القری کے آگے [illegible] لیا
لیکن کچھ عراقی امیر معاویہ رضہ کے یہان محبوس تھے، اس لئے طرفین نے قیدیون کا تبادلہ کرلیا،

اسی سنہ مین امیر معاویہ رضہ نے عبد الرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ روانہ کیا، یہان کے
حاکم شبیب بن عامر نے فوراً نصیبین سے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی، یہ ۶۰۰ سوار لیکر مقابلہ کو نکلے
اور عبد الرحمن کو فاش شکست دی، اسی درمیان مین شبیب خود بھی پہنچ گئے، مگر شامی واپس
جا چکے تھے، شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا، امیر معاویہ رضہ نے دوبارہ حبیب بن مسلمہ
فہری کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا، مگر حبیب کے آتے آتے شبیب واپس ہو چکے تھے،

اسی سنہ مین زہیر بن مکحول امیر شام کی جانب سے صدقات وصول کرنے کے لئے
آئے، حضرت علی رضہ نے کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لئے جعفر بن عبد اللہ
کو بھیجا تھا، سماوہ مین دونون کا مقابلہ ہوا، اس معرکہ مین جعفر مارے گئے،

دومۃ الجندل کے باشندے اب تک غیر جانبدار تھے، اس لئے امیر معاویہ رضہ نے مسلم بن
عقبہ مری کو ان سے بیعت لینے کے لئے بھیجا، حضرت علی رضہ کو خبر ہوئی تو انھون نے اپنی بیعت کے لئے
مالک بن کعب ہمدانی کو روانہ کیا، انھون نے آتے ہی مسلم پر حملہ کر دیا، اور ایک سال مسلسل
مقابلہ کرکے ان کو شکست دی، شکست دینے کے بعد دومۃ الجندل والون سے بیعت لینی چاہی
لیکن انھون نے جواب دیا کہ جب تک کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہو جائیگا، اس وقت تک ہم کسی
کی بیعت نہ کرین گے، ان کے اس جواب پر مالک نے زیادہ اصرار نہ کیا، اور لوٹ گئے،

ابھی تک حجاز مقدس جس کی امارت سے خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا، جناب امیر رضہ کے
قبضہ مین تھا، سنہ ۴۰ھ مین امیر معاویہ رضہ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو حجازیون سے اپنی بیعت

[illegible] میں ابو ایوب انصاریؓ حضرت علیؓ کی جانب سے مدینہ کے حاکم تھے، انھوں نے سنا [illegible] کی طرف دیکھا تو حرم نبوی کی حرمت کے خیال سے مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، مدینہ پہنچنے کے بعد بسر نے منبر پر چڑھ کر اعلان کیا کہ ہمارے شیخ عثمان کہاں ہیں؟ خدا کی قسم اگر میں معاویہ سے عہد نہ کر چکا ہوتا، تو مدینہ میں ایک جوان بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جابر بن عبد اللہ کو میرے حوالہ نہ کروگے اس وقت تک تم امن وامان کے دروازہ بند رہیں گے جابر بن عبد اللہؓ نے یہ اعلان سنا تو چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ اگر امیر معاویہؓ کی بیعت کرتا ہوں تو گمراہی کی بیعت ہے، اور اگر نہیں کرتا، تو جان جاتی ہے حضرت ام سلمہؓ نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، ان کے مشورہ پر انھوں نے بیعت کر لی، بسر نے اہل مدینہ کے دلوں میں خوف پیدا کرنے کے لیے بعض گھروں کو ڈھا دیا، یہاں سے فارغ ہونیکے بعد مکہ پہنچا یہاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اسکے ظلم وجور سے بہت گھبرائے لیکن اس نے اطمینان دلا دیا کہ میں کسی صحابی کو قتل نہ کرونگا۔

مکہ کے معاملات درست کرنے کے بعد یہاں سے یمن کی طرف بڑھا، یہاں کے عامل عبید اللہؓ بن عباس کو خبر ہو گئی تو وہ عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچکر پہلے عبد اللہ کا کام تمام کیا پھر تمام شیعان علی کے قتل عام کا حکم دیا، عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچے بھی یمن میں تھے لیکن بسر کے ظلم وجور سے یہ معصوم بھی زندہ نہ بچے، یمن میں سکہ بٹھانے کے بعد یہ ستم شعار سنگدل شام لوٹ گیا، حضرت علیؓ کو اس کی ستم آرائیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، اس وقت بسر نجران میں تھا، اس لئے یہ دونوں سیدھے نجران آئے، بسر نکل کے بھاگا، اور جاریہ اور وہب نے انتقام میں بہت سے عثمانیوں کو قتل کر کے انکے گھروں میں آگ لگوا دی، اور بسر کا تعاقب کرتے ہوئے مکہ پہنچے، اور یہاں کے باشندوں سے حضرت علیؓ کی بیعت لیکر پھر مدینہ جا کر بیعت لی[1]

[1] یہ تمام واقعات مجملاً طبری و ابن اثیر سنہ ۴۰ھ تا ۴۳ھ سے ماخوذ ہیں،

ان مسلسل خانہ جنگیون سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ [illegible]
اس صلح کی رو سے شام کا علاقہ امیر معاویہؓ کو ملا، اور عراق حضرت علیؓ [illegible] رہا، اور
یہ شرط قرار پائی کہ دونون مین سے کوئی ایک دوسرے کے علاقہ مین دست اندازی نہ کریگا،

امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ

ان پیہم خانہ جنگیون اور کشت و خون سے مسلمانون کی ایک جماعت
کو خیال پیدا ہوا کہ امت اسلامیہ کی خونریزی اور اس کے افتراق و پراگندگی کی ساری
ذمہ داری معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ اور علیؓ کے سر ہے اسلئے ان تینون کا قصہ پاک کر دینا چاہیے
تاکہ مسلمانون کو اس مصیبت عظمیٰ سے نجات ملے، چنانچہ برک بن عبد اللہ، ابن ملجم، اور عمرو بن
بکر نے علی الترتیب تینون اشخاص کے قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا، اور ایک ہی شب مین اپنے
اپنے شکار پر خفیہ حملہ آور ہوئے، ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا، عمرو بن بکر عمرو بن العاصؓ
پر حملہ آور ہوا، مگر وہ بچ گئے کیونکہ اس دن ان کے بجائے دوسرا شخص نماز پڑھانے
کے لئے نکلا تھا، ان کے دھوکے مین وہ مارا گیا، برک بن عبد اللہ نے معاویہؓ پر حملہ
کیا، اور وہ زخمی ہوئے، حاجب و دربان ساتھ تھے، قاتل فوراً گرفتار کر کے اسی وقت
قتل کر دیا گیا، پھر طبیب خاص کو بلوا کر زخم دکھایا گیا، اس نے کہا خنجر سم آلود تھا، اسلئے
داغنے سے فائدہ ہوگا، اور اگر داغا نہ جائیگا، تو پھر ایسی دوا استعمال کرنی ہوگی جس سے
تناسل کی قوت منقطع ہو جائے گی، معاویہؓ نے کہا مین داغنے کی تکلیف نہین برداشت
کر سکتا، دوا ہی استعمال کرونگا، اب مجھے لڑکون کی ضرورت نہین، عبد اللہ اور یزید
کافی ہین، چنانچہ وہ اس دوا سے شفایاب ہو گئے، اسی دن سے امیر معاویہؓ نے جان
کی حفاظت کے خیال سے مسجد مین مقصورہ کی رسم قائم کی، اور رات کی حفاظت کیلئے

لہ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۲،

حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ ہوئے آپکے ساتھ جو واقعات پیش آئے، اور جس طرح آپ معاویہ کے حق مین خلافت سے دست بردار ہوئے اس کی تفصیلات آپ کے حالات مین گذر چکی ہین، اس لئے یہان ان کا اعادہ بیکار ہے،

اس صلح کے بعد امیر معاویہؓ سارے عالم اسلامی کے مسلمہ خلیفہ ہو گئے لیکن ابھی انکے دوسرے حریف خارجی جابجا شورش برپا کئے ہوئے تھے، اس لئے امیر معاویہؓ نے امام حسنؓ سے مصالحت کے بعد ان کی طرف توجہ کی، اور عرصہ تک انکا قلع قمع کرتے رہے، ان خانہ جنگیون کی تفصیل محض لا حاصل ہے اس لئے انھین قلم انداز کیا جاتا ہے،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت سے حضرت حسنؓ کی دستبرداری تک پیہم خانہ جنگیون کی وجہ سے نظام خلافت درہم برہم ہو گیا تھا، ملک کے مختلف حصون مین جابجا شورشین برپا ہو رہی تھین اسلئے امیر معاویہؓ نے خارجیون کی سرکوبی کے ساتھ امن وامان کے قیام کی طرف توجہ کی، اس سلسلہ مین سرحدی علاقون مین بہت سی جدید فتوحات بھی ہوئین

ہراۃ وغیرہ کی بغاوت

۴۱ھ مین بلخ ہراۃ بوشنج اور باذغیس مین بغاوت رونما ہوئی، مشرقی ممالک کے والی عبداللہ بن عامر نے ان بغاوتون کے تدارک کے لئے قیس بن ہیثم کو خراسان کی ولایت پر مامور کیا چنانچہ یہ خراسان سے بلخ پہنچے، اور یہان کے باشندون سے اطاعت قبول کرا کے بلخ کے مشہور آتشکدہ نوبہار کو مسمار کر دیا، ان کے بعد عبداللہ بن حازم نے ہراۃ بوشنج اور باذغیس والون کو مطیع بنایا،[۱]

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۵۰،

کابل کی بغاوت

کابل اور اُس کا ملحقہ علاقہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین [illegible] مین یہان کے باشندون نے بغاوت برپا کی، عبداللہ بن عامر نے عبدالرحمٰن [illegible] کو [illegible] کا حاکم بنا کر بغاوت کے فرو کرنے پر مامور کیا، چنانچہ یہ سجستان سے چل کر باغیون کی سرکوبی کرتے ہوئے کابل پہنچے، اور کابل کا محاصرہ کرکے آتش باری کے ذریعہ شہر پناہ کی دیوارین شق کر دین، عباد بن حصین رات بھر شگاف کی نگرانی کرتے رہے، کہ دشمن اس کو پر نہ کر دین، صبح کو شہر والون نے میدان مین نکل کر مقابلہ کیا، مگر شکست کھائی اور مسلمان شہر مین داخل ہو گئے، یہ ابن اثیر کا بیان ہے، یعقوبی کے بیان کے مطابق خود شہر پناہ کے دربان نے رشوت لیکر دروازہ کھول دیا تھا،[1]

زران اور غزنہ کی فتوحات

کابل کی بغاوت فرو کرنیکے بعد مسلمانون نے بست کو فتح کیا، پھر زران کی طرف بڑھے، اہل زران نے اپنی طرف ان کا رخ دیکھکر پہلے سے شہر خالی کر دیا تھا، اس لئے جنگ کی نوبت نہین آئی اور یہان سے طخارستان کی طرف بڑھے، یہان کے باشندون نے بھی سپر ڈال دی، زران کے بعد رنج کا رخ کیا، اور یہان کے باشندون کو ایک سخت معرکہ کے بعد فاش شکست دیکر پھر غزنہ کی طرف چلے، غزنویون نے پورا مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے، اور سجستان سے لیکر غزنہ تک کا پورا علاقہ مسلمانون کے زیر نگین ہو گیا[2]

غور کی بغاوت

۴۷ھ مین غور مین غور کے باشندون نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی، اس بغاوت کو حکم بن عمرو غفاری نے فرو کرکے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا،[3]

کوہستانی خراسان کی فتوحات

۵۳ھ مین عبید اللہ بن زیاد خراسان کا والی بنایا گیا، اس وقت اس کی عمر کل ۲۵ سال کی تھی، تاہم اس نوعمری کے باوجود خراسان کے دشوار گذار

---

[1] ابن اثیر ص ۳۷۶ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۵۸ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۷۶ [3] ایضاً ص ۳۸۰،

[illegible] نیٹ پر عبور کرکے رامنی، نسف اور بیکند پر اسلامی پرچم لہرایا، اس جنگ [illegible] حسن [illegible] کی ساتھ تھی اس کی ایک جوتی چھوٹ گئی تھی جو مسلمانون کے ہاتھ لگی، اس [illegible] اندازہ دو لاکھ درہم تھا،[1]

ترکستان کی فتوحات عبید اللہ کے بعد سعید بن عثمان کا تقرر ہوا، یہ مع فوج کے نہر (جیحون) کو عبور کرکے قبق خاتون کی طرف بڑھے، اس کو ایک مرتبہ مسلمانون کے مقابلہ کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس مرتبہ صلح کرلی، لیکن ترک، سغد، کش اور نسف کے باشندے ایک لاکھ بیس ہزار کی تعداد مین مقابلہ کے لئے نکلے، بخارا مین دونون کا مقابلہ ہوا، اسوقت قبق خاتون کو صلح کر لینے پر ندامت ہوئی اور اس نے معاہدہ توڑ دیا، مگر ایک ترکی غلام ان لوگون کا ساتھ چھوڑ کر اپنی جماعت لیکر چلا گیا، اس کے چلے جانے سے باقی لوگون مین بد دلی اور کمزوری پیدا ہو گئی، قبق خاتون نے انھین لوگون کے بل پر صلح توڑی تھی، اس لئے ان کی پراگندگی کے بعد پھر صلح کرلی، اور سعید بخارا مین داخل ہو گئے، بخارا کے بعد سعید سمرقند کی طرف بڑھے، اس پیشقدمی مین قبق خاتون نے مسلمانون کی امداد کی، سمرقند پہنچکر سعید نے باب سمرقند پر فوجین ٹھہرائین، اور قسم کھائی کہ جب تک اس کو فتح نہ کرلین گے اس وقت تک یہان سے نہ ٹلین گے، تین دن تک اہل سمرقند کا مقابلہ کرتے رہے، تیر اندازی کا مقابلہ تھا، تیسرے دن اس شدت سے جنگ ہوئی کہ سعید بن عثمان اور مہلب بن ابی صفرہ کی ایک آنکھ تیر کے صدمہ سے ضایع ہو گئی، سمرقند والے بھی بہت زخمی ہوئے، لیکن شہر سے باہر نہ نکلے، اسی درمیان مین ایک شخص نے آکر اس محل کا راستہ بتا دیا جس مین شہزادے اور عمائد شہر قیام پذیر تھے، مسلمانون نے اس کا محاصرہ کر لیا، جب اہل شہر کو یقین ہو گیا کہ شہر مسلمانون کے قبضہ سے نہین بچ سکتا

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۴ و طبری ص ۱۶۹ بلاذری کا بیان اس سے مختلف ہے،

اور اس صورت میں زیادہ کشت و خون ہو گا تو انھوں نے ان شرائط پر صلح کر لی کہ
اہل سمرقند سات لاکھ درہم سالانہ خراج دین گے، اور نقض عہد کے خطرہ کی بنا پر
مسلمان عمائد سمرقند کے چند لڑکے بطور ضمانت لین گے، اور ایک مرتبہ سمرقند کے ایک
دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جائین گے، اس صلح کے بعد ترمذ کی طرف
بڑھے، لیکن یہان کے باشندون نے بلا مقابلہ صلح کر لی، [۵]

سندھ کی فتوحات | حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ مین سندھ پر حملہ ہو چکا تھا، ۴۴ھ
مین مہلب بن ابی صفرہ ملتان اور کابل کے درمیان بنہ اور اہواز کی طرف بڑھے اور
دشمنون سے مقابلہ کیا، پھر قیقان (کوکن) کا رخ کیا، یہان ترک شہسوارون سے مقابلہ ہوا،
ان سب کو مسلمانون نے قتل کر دیا، اس کے بعد عبد اللہ بن عامر نے عبد اللہ
بن سوار عبدی کو ہیاتکے اسلامی مقبوضات اور ہندوستان کی سرحد کا حاکم مقرر کیا، انھون نے قیقان
پر حملہ کر کے مال غنیمت حاصل کیا، ان مین مشہور قیقانی گھوڑے بھی تھے، عبد اللہ بن سوار یہ
تحائف لیکر امیر معاویہؓ کے پاس گئے، اور کچھ دن قیام کر کے پھر قیقان آئے، لیکن ترکون نے
ان کو شہید کر دیا، ان کے بعد سنان بن سلمہ ہذلی ان کی جگہ مقرر ہوئے، انھون نے مکران فتح
کیا، اور قیام کر کے یہان نظام حکومت قائم کیا، ان کے بعد راشد بن عمرو ازدی حاکم
ہوئے، انھون نے مکران ہوتے ہوئے پھر قیقان پر حملہ کیا اور فتحیاب ہونے کے بعد مید پر
حملہ آور ہوئے، اس حملہ مین یہ کام آگئے، ان کے قتل ہونے کے بعد سنان بن سلمہ ان کے
قائم مقام ہوئے، یہ یہان دو سال تک مقیم رہے، سنان کے بعد عباد بن زیاد سجستان کے راستہ
سے ہندوستان کی سرحد کی طرف بڑھے، اور سنارود سے رود کے کنارہ کنارہ ہند مند ہوتے

---

[۵] بلاذری ص ۴۱۷، طبری کا بیان اس سے مختلف ہے،

[illegible] پھر رود کو پار کرکے قندھار پر حملہ کیا، قندھاریوں نے مقابلہ کیا، بہت [illegible] بازی کے بعد قندھار فتح ہو گیا، قندھار کی فتح کے بعد زیاد نے منذر بن جارود کو سرحد کا حاکم مقرر کیا، انھوں نے بوقان اور قیقان پر حملہ کرکے سارے علاقہ میں فوجیں پھیلا دین، قصدار کو سنان فتح کر چکے تھے لیکن اہل قصدار باغی ہو گئے تھے، اس لئے منذر نے دوبارہ اس کو فتح کیا، ان کے بعد حری بن حری باہلی حاکم ہوئے، انھوں نے بڑی بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد بہت سی آبادیاں تسخیر کین، اور سندھ کے بڑے علاقہ پر اسلامی پھریرا لہرا گیا[1]،

رومیوں سے معرکہ آرائیاں | امیر معاویہؓ کے عہد میں ایشیائی اقوام سے زیادہ یورپین قوموں سے نبرد آزمائیاں ہوئین، اور شہنشاہ روم کے بہت سے ایشیائی اور یورپی مقبوضات پر اسلامی علم نصب ہوا، امیر معاویہؓ کی مستقل خلافت کے بعد سب سے پہلے ۴۲ھ مین رومیوں سے مقابلہ ہوا، رومیوں نے فاش شکست کھائی، اور ان کے بطریقوں کی بڑی تعداد کام آئی[2]،

بحری لڑائیاں، | پھر ۴۴ھ مین حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبد الرحمن نے رومیوں سے متعدد کامیاب معرکہ آرائیاں کین، اور بسر بن ابی ارطاۃ بحر روم مین اسلامی بیڑے دوڑاتا رہا، پھر ۴۹ھ مین مالک بن ہبیرہ رومیوں سے نبرد آزما ہوئے، اور فضالہ بن عبید نے خرہ فتح کرکے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا، پھر یزید بن شجرہ رہاوی نے بحری تاخت کی، ۴۸ھ مین عقبہ بن عامر مصری فوج کے ساتھ بحری مہموں مین مشغول رہے، لیکن ان مہموں کی حیثیت فاتحانہ نہ تھی، بلکہ زیادہ تر رومیوں کو دھمکانا اور آیندہ مستقل حملوں کے لئے مناسب مواقع کی تلاش اور اپنی مدافعت مقصود تھی،

قسطنطنیہ پر حملہ | امیر معاویہ اور رومیوں کی لڑائیوں مین قسطنطنیہ پر حملہ تاریخی اہمیت رکھتا ہے

---

[1] بلاذری ص ۴۳۴ و ۴۲۰، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۵۲،

اس زمانہ مین قسطنطنیہ کل مشرقی یورپ کا قلب تھا، اس لئے اس پر [illegible]
مشرقی یورپ دہل جاتا تھا، امیر معاویہؓ کو بحری بیڑون کا بڑا شوق تھا، ان [illegible]
ان کے عہد مین بحر روم اسلامی بیڑون کا جولانگاہ بن گیا تھا، امیر معاویہؓ چاہتے تھے کہ بحر روم کے
تمام جزائر پر قبضہ کرکے بحر روم کے اُس حصہ کو جو اناطولیہ شام اور مصر سے گھرا ہوا ہی، بالکل محفوظ
کردین، تاکہ افریقہ اور ایشیا کے وہ مقبوضات جو بحرِ روم کے ساحلی علاقہ پر ہین، رومیون کے
حملو ن سے محفوظ و مصئون ہو جائین،

اس سلسلہ مین انھون نے ۴۹ھ مین بڑے سازوسامان کے ساتھ ایک لشکر جرار سفیان
بن عوف کی ماتحتی مین قسطنطنیہ روانہ کیا، اس مین حضرت ابوایوبؓ انصاری عبداللہ بن عمرؓ
اور عبداللہ بن عباسؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے، تاکہ آنحضرت صلعم کی اس بشارت کے
مطابق کہ کیا اچھی وہ فوج ہوگی، اور کیا اچھا وہ امیر ہوگا جو ہرقل کے شہر پر حملہ آور ہوگا، قسطنطنیہ
کے حملہ مین شرکت کی سعادت حاصل کرسکین، غرض یہ بیڑا بحر روم کی موجون سے کھیلتا ہوا
تنگنائے قسطنطنیہ (باسفورس) مین داخل ہوا، قسطنطنیہ رومیون کا بڑا اہم مرکز تھا، اس لئے
ان لوگون نے پوری مدافعت کی اور مسلمانون سے بڑی زبردست جنگ ہوئی، عبدالعزیز بن
زرارہ کلبی کا جوش شہادت اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ وہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور شہادت کی تمنا مین
آگے بڑھتے جاتے تھے، لیکن ناکام رہتے تھے، جب انھون نے دیکھا کہ یہ سعادتِ عظمیٰ رہی جاتی
ہے، تو بے دھڑک اپنے قریب کی رومی صف مین گھستے چلے گئے، اور رومیون نے نیزون سے
چھید کر شہید کردیا[1] حضرت ابوایوبؓ انصاری نے بھی اسی مہم مین وفات پائی۔ وفات کے
پہلے یزید نے پوچھا کوئی وصیت ہو تو ارشاد ہو اس کی تعمیل کیجائے، فرمایا دشمن کی سرزمین سے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۲،

[illegible] لیجا کر دفن کرنا، چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا، اور میزبان رسول[ص] کی [illegible] کی روشنی مین قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لیجا کر دفن کی گئی،[له] صبح کو رومیون [illegible] رات کو کیا کر رہے تھے؟ مسلمانون نے جواب دیا کہ اپنے نبی کے ایک بڑے ساتھی کو دفن کر رہے تھے لیکن یہ یاد رکھو کہ اگر تم نے قبر کھود دی تو عرب مین کبھی ناقوس نہ بج سکے گا،[له] قسطنطنیہ مین آج تک آپکا مزار مبارک زیارت گاہ خلایق ہے،" ترجمان حقیقت نے اسی تاریخی حقیقت کو ان اشعار مین بیان کیا ہے،

تربت ایوب انصاری سے آتی ہے صدا
اے مسلمان ملت اسلام کا دل ہے، یہ شہر
سیکڑون صدیون کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ

امیر معاویہ کے زمانہ مین کوئی سال رومیون کے ساتھ نبرد آزمائی سے خالی نہ گیا، ہر موسم گرما مین جب موسم اعتدال پر ہوتا تھا مسلمان کبھی ایشیا اور کبھی یورپ مین ان سے مقابلہ کرتے تھے، ان کے عہد مین بحر روم کے متعدد جزیرے اسلام کے زیر نگین ہوئے،

روڈس کی فتح اس سلسلہ مین سب سے اول ۵۲ھ مین جنادہ بن ابی امیہ نے روڈس پر حملہ کیا، روڈس بحر روم مین اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب مین نہایت سرسبز و شاداب جزیرہ ہے، زیتون انگور اور ہر قسم کے پھل یہان بکثرت ہوتے تھے، جنادہ بن ابی امیہ نے ۵۲ھ مین اسکو فتح کیا، اور امیر معاویہؓ نے یہان بہت سے مسلمان آباد کئے،[له]

ارواڈ کی فتح پھر ۵۴ھ مین ایک دوسرے جزیرہ ارواڈ کو جو قسطنطنیہ کے قریب ہے فتح

له استیعاب ج ۲ ص ۲۳۸، له اسد الغابہ ج ۵ ص ۱۴۳ و ۱۴۴، له بلاذری ص ۲۴۴ و معجم البلدان ذکر روڈس،

کیا، امیر معاویہؓ نے یہان بھی مسلمانون کی نوآبادی قائم کی اروادؔ کی فتح مین
مجاہد کی کوششین بھی شریک تھین، اسی زمانہ مین صقلیہ پر بھی حملہ ہوا، لیکن ...
عباسیون نے یہان علم نصب کیا[۱]

یزید کی ولیعہدی

۵۶ھ مین مغیرہ بن شعبہ نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی، امیر معاویہؓ نے اس قیصری اور کسروی بدعت کو بہت پسند کیا، لیکن اسے عملی جامہ پہنانے مین چند در چند مذہبی اور پولیٹیکل دقتین حائل تھین، اسلام کا نظام جمہوری ہے، خلفاء، اکابر مہاجرین و انصار کے مشورہ سے منتخب ہوتے تھے، اس لئے مسلمان موروثی بادشاہت سے بالکل ناآشنا تھے، گو اس زمانہ مین اکابر صحابہ کی بڑی جماعت اٹھ چکی تھی، تاہم بعض جانشینان بساطِ نبوت موجود تھے، اس لئے قطع نظر توارث کی بدعت کے صلاحیت اور اہلیت کے اعتبار سے بھی صحابہ کے ہوتے ہوئے خلافت کیلئے یزید کا نام کسیطرح نہین لیا جاسکتا تھا، گو عہدِ رسالت کے بعد اور نظامِ خلافت کی برہمی کیوجہ سے مسلمانوں کا مذہبی جذبہ کسی حد تک سرد پڑچکا تھا، تاہم ابھی عہدِ رسالت کے جمہوری نظام کو دیکھنے والے موجود تھے، اور ابھی شاہ پرستی ان مین پیدا نہ ہوئی تھی، اور اتنے کھلے ہوئے خطا و صواب مین حق و باطل کی تمیز باقی تھی کہ یزید کا نام خلافت کے لئے پیش کیا جاتا، اور مسلمان اس کو آسانی سے قبول کر لیتے، لیکن امیر معاویہ نے ان تمام پہلوؤن اور دشواریون کو نظر انداز کرکے یزید کی ولیعہدی کا فیصلہ کر لیا، اس وقت مذہبی اور پولیٹیکل حیثیت سے مسلمانون کے تین مرکز تھے، جنکی رضامندی پر انتخابِ خلیفہ کا دارومدار تھا، مذہبی حیثیت سے حجاز اور پولیٹیکل حیثیت سے کوفہ اور بصرہ، امیر معاویہؓ نے ولیعہدی کے فیصلہ کے بعد ان تینون مقامون مین یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی ذمہ داری علی الترتیب مروان بن حکم

---

[۱] بلاذری ص ۲۴۴ و معجم البلدان ذکر اراواڈ،

[illegible] بن ابی سفیان کے سپرد کی مغیرہ اور زیاد نے اپنے حسن تدبیر سے کوفہ اور [illegible] حسنؓ اور یہاں کے عمائد کے وفود نے امیر معاویہؓ کے پاس جاکر یزید کی ولیعہدی [illegible] کی، حجاز قلب اسلام تھا، اگرچہ اس وقت یہاں بھی عہد رسالت کی بہار ختم ہوکر مذہبی روح مضمحل ہو چکی تھی، اکابر صحابہ اٹھ چکے تھے جو باقیات الصالحات رہ گئے تھے وہ بھی گمنام گوشوں میں پڑے تھے، لیکن ان بزرگوں کی اولادیں جنھیں خود بھی شرف صحبت حاصل تھا موجود تھے، اور ان میں حق گوئی اور صداقت کا جوہر پورے طور پر موجود تھا، خصوصاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت حسینؓ، اور عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اپنے اسلاف کرام کے نمونے موجود تھے، اس لئے جب مروان نے ان کے سامنے یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ امیر المومنین معاویہؓ چاہتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح اپنے لڑکے یزید کو خلافت کے لئے نامزد کر جائیں، تو عبدالرحمنؓ نے برملا ٹوکا کہ یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ و قیصر کی سنت ہے، ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے لڑکے کو ولیعہد نہیں بنایا بلکہ اپنے خاندان تک کو اس سے دور رکھا،[1] ان کے بعد اور تینوں بزرگوں نے بھی اس سے اختلاف کیا، مروان نے یہ رنگ دیکھا، تو امیر معاویہؓ کو اس کی اطلاع دی، چنانچہ یہ خود آئے اور مکہ مدینہ والوں سے بیعت کا مطالبہ کیا، اس بارہ میں کہ معاویہؓ نے بیعت کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا مورخین کے بیانات مختلف ہیں، طبری کی روایت ہے کہ ان کے آنے کے بعد ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، ابن عباسؓ، ابن ابی بکرؓ اور حسینؓ کے علاوہ سبھوں نے بیعت کر لی، بیعت عام کے بعد پھر انھوں نے فرداً فرداً سب سے نہایت نرمی و ملاطفت کے ساتھ کہا کہ تم پانچوں کے سوا سب نے بیعت کر لی ہے، اور تمہاری قیادت میں یہ چھوٹی جماعت مخالفت کر رہی

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۹۵،

ان کے اس اعتراض پر ان لوگون نے جواب دیا کہ اگر عامۂ مسلمین سے
بھی کوئی عذر نہ ہوگا، اس جواب پر امیر معاویہ نے پھر ان لوگون سے کوئی
عبدالرحمن بن ابی بکر سے سخت گفتگو ہوگئی[1]

ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امیر معاویہ نے ان لوگون کو بلا بھیجا تو انھون نے امیر معاویہ سے گفتگو کرنے کیلئے ابن زبیر کو اپنا نمایندہ بنایا، معاویہ نے ان سے کہا کہ میرا جو طرزِ عمل تم لوگون کے ساتھ ہے، اور جسقدر تمھارے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہون اور تمھاری جتنی باتین برداشت کرتا ہون، وہ سب تم کو معلوم ہین، یزید تمھارا بھائی اور تمھارا ابن عم ہے، مین چاہتا ہون کہ تم لوگ اس کو صرف خلیفہ کا لقب دیدو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف سب تم لوگون کے اختیار مین ہوگا، اور وہ اسمین مطلق مزاحمت نہ کریگا، اس پر ابن زبیر نے کہا کہ آنحضرت صلعم سے لیکر عمر تک جو جو طریقے انتخاب خلیفہ کے تھے ان مین جو آپ اختیار کرین، اس کے قبول کرنے کے لئے ہم تیار ہین، باقی ان کے علاوہ اور کوئی جدید طریقہ نہین قبول کر سکتے، امیر معاویہؓ نے یہ جواب سنا تو ان سب کو دھمکا کر بیعت لے لی اور ان کو عام مسلمانون کے سامنے لا کر کہا کہ یہ لوگ مسلمانون کے سربرآوردہ اشخاص ہین، انھون نے بیعت کر لی ہے، اس لئے اب تم لوگون کو بھی توقف نہ کرنا چاہئے، امیر معاویہ کے اس کہنے پر یہ لوگ خاموش رہے، اس لئے عوام نے بھی بیعت کر لی[2]، غرض کسی نہ کسی طرح ۵۶ھ مین امیر معاویہؓ نے یزید کی ولیعہدی کی بیعت لے کر اسلام کی جمہوری روح کا خاتمہ کر دیا،

[1] طبری ج ۷، ص ۱۷۱، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۴۳، اس موقع پر ہم نے ابن زبیرؓ اور معاویہؓ کی گفتگو کا خلاصہ لکھا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ تفصیلی گفتگو ابن زبیر کے حالات مین لکھی جائیگی،

[illegible] کی ولیعہدی کی بیعت کے تین سال بعد امیر معاویہؓ عمر کی ۸۰ منزلین طے کرکے سنہ ۵۹ھ مین مرض الموت مین مبتلا ہوئے آخر عمر مین قویٰ مضمحل ہوچکے تھے [illegible] جسمانی جواب دیچکی تھی، اس لئے وہ آخر موت کے منتظر رہا کرتے تھے، چنانچہ بیماری سے کچھ دنون پہلے انھون نے حسب ذیل تقریر کی تھی،

"لوگو مین اس کھیتی کی طرح ہون، جو کٹنے کے لئے تیار ہو، مین نے تم لوگون پر اتنی طویل مدت تک حکومت کی کہ مین بھی اس سے تھک گیا اور غالباً تم لوگ بھی تھک گئے ہوگے، اب مجھے تم سے جدا ہونے کی تمنا ہے، اور غالباً تم کو بھی یہی آرزو ہوگی، میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہ ہوگا، جیسا کہ مین اپنے پیشرو سے بہتر نہین ہون، کہا جاتا ہے کہ جو شخص خدا سے ملنے کی تمنا کرتا ہے خدا بھی اس سے ملنے کا متمنی رہتا ہے، اس لئے خدایا اب مجھکو تجھ سے ملنے کی آرزو ہے تو بھی آغوش پھیلا، اور ملاقات مین برکت عطا فرما"، اس تقریر کے چند ہی دنون کے بعد بیمار پڑگئے[1]،

عمر کی اٹھتر منزلین طے کرچکے تھے، وقت آخر ہوچکا تھا، اس لئے علاج و معالجہ سے کوئی فائدہ نہین ہوا، روز بروز حالت گرتی گئی، اسی حالت مین ایک دن حمام کیا، جسم زار پر نظر پڑی تو بے اختیار آنسو نکل آئے اور یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا،

ای اللیالی اسرعت فی نقضنی　　　اخذن بعضی وترکن بعضی

لیکن اسوقت بھی حاکمانہ تیور نہ بدلے، اور آن بان مین فرق نہ آنے دیا، چنانچہ جب مرض زیادہ بڑھا، اور لوگون مین اس کا چرچا ہونے لگا تو ایک دن تیل اور سرمہ وغیرہ لگاکر سنبھل کے بیٹھے اور لوگون کو طلب کیا، سب حاضر ہوئے اور کھڑے کھڑے باریاب ہوکر واپس گئے، لوگ اس آن بان مین دیکھکر کہنے لگے، کہ معاویہؓ تو بالکل صحیح و تندرست ہین،

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲،

یزید کو وصیت | جب حالت زیادہ نازک ہوئی تو یزید کو بلا کر کہا کہ (۱)
راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمھارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے، اور دشمنوں کو
عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں، اور تمھارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس ... کسی
نے جمع نہ کیا ہوگا، اب میں تمکو یہ وصیت کرتا ہوں کہ اہل حجاز کا ہمیشہ لحاظ رکھنا، کہ وہ تمھاری
اصل ہے اس لئے جو حجازی تمھارے پاس آئے اسکے حسن سلوک سے پیش آنا اور اس کی عزت کرنا اور
احسان کرنا اور جو نہ آئے اس کی خبر گیری کرتے رہنا، عراق والوں کی ہر خواہش پوری کرنا، حتیٰ کہ
اگر وہ روزانہ عاملوں کی تبدیلی کا مطالبہ کریں تو روزانہ تبادلہ کر دینا، کیونکہ عاملوں کا تبادلہ
تلوار کے بے نیام ہونے سے بہتر ہے، شامیوں کو اپنا مشیر کار بنانا اور ان کا خیال ہر حال میں
مدنظر رکھنا، اور جب تمھارا کوئی دشمن تمھارے مقابلہ میں کھڑا ہو تو ان سے مدد لینا، لیکن کامیابی
کے بعد ان کو فوراً واپس بلا لینا، کیونکہ اگر یہ لوگ وہاں زیادہ مقیم رہیں گے، تو ان کے اخلاق
بدل جائیں گے، سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے، اور اس میں حسین رضؓ بن علی، عبداللہ رضؓ بن
عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، اور عبداللہ رضؓ بن زبیرؓ کے علاوہ اور کوئی حریف نہیں ہے،
عبداللہ رضؓ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ انھیں زہد و عبادت کے علاوہ اور کسی چیز سے
واسطہ نہیں، اسلئے عامہ مسلمین کی بیعت کے بعد ان کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا، عبدالرحمٰن بن
ابی بکر میں کوئی ذاتی حوصلہ اور ہمت نہیں ہے، جو ان کے ساتھی کریں گے اس کے
وہ بھی پیرو ہو جائیں گے، البتہ حسین رضؓ کی جانب سے خطرہ ہے، ان کو عراق والے تمھارے
مقابلہ میں لاکر چھوڑیں گے، اس لئے جب وہ تمھارے مقابلہ میں آئیں، اور تم کو ان پر قابو

(۱) اس وصیت کے متعلق مورخین کے بیان میں اختلاف ہے، بعض لکھتے ہیں کہ معاویہؓ نے خود یزید کو بلا کر وصیت کی تھی اور
بعضوں کے نزدیک یزید اس وقت موجود نہ تھا، اس لئے اپنے ندیم خاص ضحاک بن قیس فہری کو لکھوا کر دی تھی کہ وہ
انکے بعد یزید کے حوالہ کر دے،

صا[illegible] درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار، بڑے حق دار اور رسول اللہ صلعم کے [illegible] حسین رضی [illegible] لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا، وہ عبد اللہ بن زبیر رض [illegible] وہ صلح کرین تو صلح کرلینا ورنہ موقعہ اور قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالنا، [1]

اپنے متعلق وصیتین | اس وصیت کے بعد اہل خاندان کو وصیت کی کہ "خدا کا خوف کرتے رہنا کیونکہ خدا خوف کرنے والون کو مصائب سے بچاتا ہی، جو خدا سے نہین ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہین" [2] پھر اپنا آدھا مال بیت المال مین داخل کرنے کا حکم دیا [3] اور تجہیز و تکفین کے متعلق ہدایت کی، کہ مجھکو رسول اللہ صلعم نے ایک کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہی، اور آپ کے ناخن اور موے مبارک شیشہ مین محفوظ ہین، مجھے اس کرتہ مین کفنانا اور ناخن اور موے مبارک کو آنکھون اور منہ کے اندر رکھ دینا، شاید خدا اسی کے طفیل مین اور اسی کی برکت سے باب مغفرت وا کردے، [4]

وفات | ان ضروری وصیتون کے بعد عرب کا یہ مدبر اعظم رجب سنہ ۶۰ھ مین ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، وفات کے بعد ضحاک بن قیس ہاتھون مین کفن لئے ہوئے باہر آئے، اور لوگون کو ان الفاظ مین ان کے مرنے کی خبر دی، "لوگو! معاویہ عرب کی لکڑی اور اس کی دھار تھے خدا نے ان کے ذریعہ سے فتنہ فرو کیا، شہرون کو فتح کرایا، اور لوگون پر انھین حکمران بنایا، آج وہ اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ دیکھو ان کا کفن ہی، اسی مین ہم انھین لپیٹ کر قبر مین دفن کرین گے، اور ان کا فیصلہ ان کے اعمال پر چھوڑین گے، جو شخص جنازہ مین

---

[1] یہ وصیت طبری اور الفخری کے بیان کا خلاصہ ہے، دیکھو طبری ج ۷، ص ۱۹۷ و ۱۹۸ و الفخری ص ۱۰۲،

[2] طبری ج ۷، ص ۲۰۳، [3] ایضاً [4] استیعاب ج اول ص ۲۶۲،

شرکت کرنا چاہتا ہو وہ آئے[۱] اس اعلان کے بعد تجہیز وتکفین عمل مین آئی ضحاک اور معاویہ دمشق کی زمین مین ہمیشہ کے لیئے روپوش کردیئے گئے مدت حکومت ۱۹

حلیہ | حلیہ یہ تھا قد بلند و بالا رنگ گورا سپید،

ازواج واولاد | امیر معاویہ رض کے متعدد بیویان تھین، میسون بنت بحدل، ان کے بطن سے یزید اور ایک بچی امہ رب المشارق تھی، دوسری بیوی فاختہ بنت قرظہ تھین، جن کے بطن سے عبدالرحمن اور عبداللہ تھے، معلوم ہوتا ہی کہ عبدالرحمن ان کی زندگی مین مرچکے تھے، عبداللہ نہایت بیوقوف اور بزدل آدمی تھا، اسی لیئے وہ نمایان طور پر کہین نہین نظر آتا، ان کے علاوہ نائلہ اور کنوہ تھین، لیکن نائلہ کو طلاق دیدی تھی،

کارنامہائے زندگی، | امیر معاویہ کو جو چیز انکو دوسرے اموی خلفار سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان کی بے نظیر تدبیر و سیاست اور قوت تنظیم تھی، امیر معاویہ اموی سلسلہ کے سب سے پہلے بادشاہ تھے اور انھین کے ہاتھون بنوامیہ کی بنیاد پڑی تھی، اس لیئے عام اصول کے اعتبار سے انکا دور حکومت بالکل ابتدائی، سادہ اور غیر مکمل ہونا چاہیے تھا، لیکن اس آغاز کے باوجود وہ متمدن حکومت کا ایک مکمل اور جامع نمونہ تھا، ان کے بعد کے آنے والے خلفار کا دور انفرادی اوصاف مین ان کے دور سے ممتاز تھا لیکن مجموعی حیثیت سے ان سے کوئی نہ بڑھ سکا، امیر معاویہ رض تاریخ اسلام کے سب سے پہلے مطلق العنان اور مستبد بادشاہ ہین، اس لیئے ان کے عہد مین خلافت راشدہ کی جمہوریت اور اس کا طریق جہانبانی تلاش کرنا بے سود ہے، ہمکو آیندہ سطور مین صرف بحیثیت اول ملوک الاسلام ان کے دور حکومت پر نظر ڈالنی ہی، کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے ان کا دور کیسا تھا؟ ان کی مطلق العنانی محدود تھی یا غیر محدود؟ ان کا نظام حکومت

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۰۲،

[illegible] کا عہد دورِ فتن تھا، یا دورِ امن وسکون؟ ان کے زمانہ مین اسلام کو تقویت [illegible]
حسن رضی کے عہد مین رعایا تباہ حال رہی یا مرفہ الحال؟ غرض انکی "بادشاہت"
[illegible] اور حکومت پسندی کے پہلو کو نظر انداز کرنے کے بعد ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت
سے ان کے عہد کی کامیابی اور ناکامیابی پر تبصرہ مقصود ہے اور آیندہ سطور مین اسی حیثیت سے
ان کے عہد حکومت پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ریویو کیا جائیگا،

امیر معاویہ رضی کے مشیر کار — امیر معاویہ رضی گو نہایت شخصیت پسند فرمانروا تھے، تاہم ان مین ایسی
خودسری اور خودرائی مطلق نہ تھی، جو ان کو اس عہد کے اربابِ فکر وتدبر کے صلاح ومشورہ
سے روکتی، وہ اس راز سے خوب واقف تھے، کہ اتنے بڑے ملک کا نظام تنہا ایک شخص کی رائے سے
قائم نہین رہ سکتا، گو کوئی باقاعدہ مجلس شوریٰ نہ تھی، تاہم اس عہد کے بہترین دماغ اور مشاہیر
مدبرین عمر بن العاص رضی، مغیرہ بن شعبہ رضی اور زیاد بن ابوسفیان وغیرہ ان کے مشیر کار تھے، اور کوئی
اہم معاملہ بغیر ان لوگون کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا،

ملک کی تقسیم صوبون پر — ان کے زمانہ مین دولتِ اسلامیہ مختلف صوبون پر تقسیم تھی، جن پر علحدہ
علحدہ گورنر ہوتے تھے، اور بعض بڑے بڑے صوبے مثلاً خراسان اور افریقہ متعدد چھوٹے صوبون
پر تقسیم تھے، خراسان کے ماتحت کچھ حصہ ترکستان کا کابل اور سندھ تک کا علاقہ تھا، اسی طرح
افریقہ مین تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ سب داخل تھے، ان پر ایک گورنر جنرل ہوتا تھا
جو اپنی جانب سے ان ملکون کے مختلف حصون پر علحدہ علحدہ گورنر مقرر کرتا تھا،

حکام کے انتخاب مین اوصاف کا لحاظ — ایک منتظم اور عدل پرور سلطنت کے لئے سب سے زیادہ اہم مسئلہ حکام اور
عہدہ دارون کا انتخاب ہے، امیر معاویہ رضی کے عہد مین تمام ذمہ دار عہدے
انھین لوگون کے سپرد کئے جاتے تھے جو پورے طور پر اس کے اہل ہوتے تھے، زیاد گورنر جنرل

عراق خاص اصول کے ماتحت حکام کا انتخاب کرتا تھا،

محافظ سرحد، افسر پولیس، قاضی اور صائف کے عہدون کے لئے منتخب ہوتے تھے، پولیس کے لئے چست، چالاک، بیدار اور رعب داب کے اشخاص منتخب کئے جاتے تھے، صاحب الحرس (محافظ دستہ کا افسر) کے لئے پاکباز اور سخت کا آدمی چنے جاتے تھے، اور اس کا بھی لحاظ رکھا جاتا تھا کہ اس کا دامن عوام کی طعنہ زنی اور عیب چینی سے پاک ہو، کاتب کا عہدہ نہایت مہتم بالشان ہے، اس کی ادنیٰ لغزش قلم اور تسامح سے نظام حکومت مین خلل پڑجاتا ہے، اس لئے اس کے انتخاب مین خاص طور پر احتیاط کیجاتی تھی، اور اس کے لئے وہی شخص منتخب ہوتا تھا جس کی نگاہ دوربین اور دقیقہ رس ہو، اسی کے ساتھ عملی حیثیت سے اپنے کام مین چست اور مستعد ہو، جو روز کا کام روز پورا کرے، اس مین کسی قسم کی خامی نہ ہو، جو کام کرے وہ نہایت مضبوط، ٹھوس اور مستحکم ہو، ان اوصاف کے ساتھ وہ حکومت کا خیر اندیش بھی ہو، حاجب کا عہدہ خلفائے راشدین کے عہد مین نہ تھا، سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے اس کو قائم کیا، چونکہ اس کو ہر وقت بادشاہ کی پیشی مین رہنا پڑتا تھا، اس لئے وہی شخص حاجب بنایا جاتا تھا جو حجابت سے پہلے سلاطین کی دوسری خدمات انجام دے چکا ہو، اور اس کے ساتھ ذہین اور فہیم بھی ہو، کیونکہ اس کو ہر وقت حکمران کے چشم و ابرو کے اشارہ پر کام کرنا پڑتا ہے[1]،

حکام کی نگرانی اور ان سے کامل واقفیت

حکام کے انتخاب مین احتیاط کے بعد اس سے بھی اہم مرحلہ ان کے افعال کی نگرانی اور ان کے طرز حکومت سے خبرداری ہے، زیاد کا یہ قول تھا، کہ والی کو اپنے پورے عملہ سے خود عملہ والون سے زیادہ باخبر رہنا چاہئے، اور اس اصول پر وہ پورے طور سے عمل پیرا تھا، وہ تمام عاملون پر نہایت گہری نظر رکھتا تھا، ایک مرتبہ ایک شخص نے امتحاناً پوچھا کہ آپ مجھکو جانتے ہین، اس نے کہا تمہاری کو نہین

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹ و ۲۸۰،

[illegible] ...شت کو جانتا ہون، اور جو لباس تم پہنتے ہو اسے بھی بتا سکتا ہون، اگر [illegible] شخص کسی سے چادر مستعار لے کر پہنے تو مین پہچان کر بتا دونگا[1]، عمال کے محاسبہ کا ذکر آیندہ آئیگا،

صیغۂ فوج فتوحات امقبوضات کی حفاظت اور قیام امن کے لئے فوجی قوت سب سے اہم چیز ہے، فوج کا نظام حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ مین نہایت مکمل ہو چکا تھا، پھر حضرت عثمانؓ نے اس کو اور زیادہ ترقی دی، جب امیر معاویہؓ کا زمانہ آیا تو اس مین کسی مزید ترمیم کی ضرورت نہ تھی، تاہم جس حد تک اسمین ترقی کی گنجائش تھی، امیر معاویہؓ نے اس کو ترقی دیکر کمال تک پہنچا دیا، چنانچہ انھون نے اپنے عہد حکومت مین تمام اہم مرکزون پر فوجی قلعے اور چھاؤنیان قائم کین،

قلعون کی تعمیر اس سلسلہ مین سب سے پہلے اپنے مستقر شام مین متعدد قلعہ بنوائے، اور بعض ویران قلعے آباد کئے، ساحل شام پر رومیون کا ایک قلعہ جبلہ تھا، یہ شام کی فتح کے زمانہ مین اجڑ گیا تھا امیر معاویہؓ نے اس کو دوبارہ آباد کرایا، اور انطرطوس، مرقیہ اور بلنیاس کے قلعے بنوا کر آباد کیے[2]، روڈس کی فتح کے زمانہ مین یہان ایک قلعہ تعمیر کرایا تھا، یہ قلعہ سات برس تک روڈس کا فوجی مرکز رہا، پھر یزید کے زمانہ مین اجڑا[3]، مدینہ مین خاص اہل مدینہ کے لئے ایک قلعہ بنوایا تھا، جس کا نام قصر خل تھا[4]،

ان قلعون کے علاوہ امیر معاویہؓ نے فوجی ضرورت کے لئے مستقل شہر آباد کرکے یہان بڑی بڑی چھاؤنیان قائم کین، چنانچہ مرعش اور قیروان اسی ضرورت کے لئے بسائے گئے تھے،

---

[1] یہ تمام تفصیلات یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹ و ۲۸۰ سے ماخوذ ہین، [2] فتوح البلدان صفحہ ۱۴۰،

[3] ایضاً ص ۲۴۵، [4] ایضاً ص ۱۶۰،

ان کے حالات شہرون کی آبادی کے ذکر مین آئین گے،

بحری فوج مین ترقی | امیر معاویہؓ کے عہد مین جس فوجی شعبہ مین نمایان ترقی
محکمہ ہے، جیساکہ اوپر کہین لکھا جاچکا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد مین بری فتوحات
کے باوجود کوئی بحری حملہ نہ ہوا تھا، اور امیر معاویہؓ کے اصرار پر بھی آپ نے مسلمانون کی حفاظت
جان کے خیال سے انھین سمندر مین نہ اترنے دیا، لیکن امیر معاویہ پر سمندرون سے کھیلنے کا
شوق اتنا غالب تھا، کہ حضرت عثمانؓ سے باصرار اجازت لے لی، اور چند دن کے اندر بحری فوج
کو اتنی ترقی دی کہ اسلامی بیڑے کو اس عہد کے مشہور رومی بیڑون سے بڑھا دیا، اور ۳۳ھ
مین پانسو جنگی جہازون کے ساتھ قبرص پر حملہ کیا،

جہاز سازی کے کارخانے، | امیر معاویہ جیسا عظیم الشان بیڑا رکھنا چاہتے تھے اس کے لیے جہاز سازی
کے کارخانون کی سخت ضرورت تھی، چنانچہ انھون نے اپنے عہد مین جہاز سازی کے متعدد کارخانے
قائم کئے، ان مین پہلا کارخانہ ۵۴ھ مین مصر مین قائم ہوا تھا[1]، علامہ بلاذری کی تصریحات
سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ نے اس قسم کے کارخانے تمام ساحلی مقامات پر قائم کئے تھے،
چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ پہلے جہاز سازی کا کارخانہ صرف مصر مین تھا، لیکن امیر معاویہؓ کے حکم
سے کاریگر اور بڑھئی جمع کئے گئے، اور ان کو انھون نے تمام ساحلی مقامات پر بسایا، اردن مین عکا
مین بھی کارخانہ قائم تھا[2]،

امیر البحر، | حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین عموماً بری اور بحری سپہ سالار ایک ہی ہوا کرتے تھے، لیکن
امیر معاویہؓ نے بحری قوت کو جس قدر ترقی دی تھی اس کے لئے مستقل امیر البحر کی ضرورت تھی،
اس لئے انھون نے بری اور بحری فوج دونون کی سپہ سالاری پر الگ الگ اشخاص مقرر کئے،

---

[1] حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۱۹۹، [2] فتوح البلدان ص ۱۲۴،

[illegible] طارق عبداللہ بن قیس حارثی کو انھون نے امیر البحر مقرر کیا تھا، انھون نے [illegible] بحری معرکہ آرائیان کین جنمین ایک مسلمان بھی ضائع نہین ہوا[1]

دوسرے امیر البحر جنادہ بن ابی امیہ تھے، جنکو امیر معاویہؓ نے عثمانی عہد بن بحری لڑائیون پر مامور کیا تھا، یہ اس زمانہ سے لیکر یزید کے عہد تک برابر بحری حملون مین مصروف رہے[2]، امیر معاویہ کے عہد مین جس قدر بحری لڑائیان ہوئین اس کی نظیران کے بعد عرصہ تک نہین مل سکتی، کوئی سال بحری حملون سے خالی نہ جاتا تھا، بلکہ بیک وقت مختلف مقامات پر مختلف حملہ ہوتے تھے، اوپر کی فتوحات کے سلسلہ مین ان کی تفصیلات گذر چکی ہین،

پولیس کا محکمہ اور امن وامان جنگی قوت عموماً بیرونی حملہ آورون کی مدافعت اور دوسرے ملکون پر حملہ کے لئے ہوتی ہے، لیکن اندرون ملک کا امن وامان، پولیس پر موقوف ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ مین پولیس کے محکمہ مین بھی بڑی وسعت اور ترقی ہوئی، صرف ایک شہر کوفہ مین ۴ ہزار پولیس متعین تھی، اور پانسو پولیس مسجد مین پہرا دیتی تھی، اس وسعت کا یہ نتیجہ تھا کہ اگر کسی کی کوئی چیز راستہ مین گرجاتی تھی تو راہرو اٹھانے کی ہمت نہ کرتا تھا، تاآنکہ اس کا مالک خود آکر نہ اٹھائے راتون کو عورتین تنہا اپنے گھرون مین مکان کے کواڑے کھول کر بے خوف وخطر سوتی تھین زیاد کہتا تھا کہ اگر کوفہ اور خراسان کے درمیان رسی کا کوئی ٹکڑا بھی ضائع ہوجائے تو مجھکو معلوم ہوجائیگا، کہ کس نے لیا، ایک مرتبہ اس نے ایک گھر سے گھنٹا بجنے کی آواز آتی ہوئی سنی، پوچھا تو معلوم ہوا کہ گھر والے پہرہ دے رہے ہین، بولا اس کی ضرورت نہین، اگر مال ضائع ہوگا تو مین اس کا ضامن ہون، اس سلسلہ مین اس نے بعض ایسے قوانین بھی بنائے تھے، جو بظاہر بہت سخت معلوم ہوتے ہین، مثلاً عشا کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی سزا قتل تھی، لیکن عراق

---

[1] طبری [2] اسد الغابہ ج ۳ تذکرہ جنادہ بن ابی امیہ،

جیسے فتنہ پسند ملک مین اس سختی کے بغیر امن و امان ممکن نہ تھا[1]

مشتبہ لوگون کی نگرانی، مشتبہ چال چلین والون کی نگرانی اس عہد کی جدت تھی

بعض مقامات پر جہان شورہ پشتون کے شر و فساد کا خطرہ تھا، امیر معاویہؓ کے عہد میں ہو چکا تھا، چنانچہ انھون نے ابو درداؓ کو حکم دیا تھا، کہ دمشق کے بدمعاشون کے نام لکھو[2]، زیاد نے جعد بن قیس تمیمی کو بدمعاشون کی نگرانی پر مقرر کیا تھا، چنانچہ یہ گھوم پھر کر ان کو نگاہ مین رکھتے تھے[3]،

ذرایع خبر رسانی اور پرچہ نگاری، برید یعنی سرکاری ڈاک کا انتظام ایک مہذب سلطنت کے لئے ناگزیر شے ہے، امیر معاویہؓ کے زمانہ تک اسلامی حکومت مین یہ طریقہ رائج نہ تھا، سب سے پہلے انھین نے اس کو جاری کیا، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا، کہ گھوڑ دوڑ کے تیز رفتار گھوڑے تھوڑی تھوڑی مسافت پر رہتے تھے، خبر رسان خبر لیکر ان پر سوار ہوتا اور نہایت تیزی کے ساتھ جاتا تھا، اور جب یہ گھوڑا تھک جاتا تھا، تو آگے کی چوکی پر جہان تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے، تازہ دم گھوڑے سے تبادلہ کر کے آگے بڑھتا تھا، اسی طریقہ سے بڑھتا ہوا اور گھوڑے بدلتا ہوا منزل مقصود پر پہنچ جاتا تھا، اس طریقہ سے ایک مقام کی خبر دوسرے مقام پر نہایت جلد پہنچ جاتی تھی[4]،

دیوان خاتم ایک باقاعدہ اور مہذب سلطنت کے لئے فرامین سلطانی کی نقل ایک ضروری امر ہے، لیکن امیر معاویہؓ کے زمانہ تک مسلمانون مین اس کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، اسی لئے کبھی کبھی لوگ اس مین رد و بدل کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک شخص کو ایک لاکھ کی رقم دلائی اور زیاد کے نام دہانید کا فرمان لکھدیا، اس شخص نے فرمان پڑھکر دو لاکھ بنا دیا، اور زیاد سے اسی قدر وصول کر لیا، جب زیاد نے امیر معاویہؓ کے سامنے حساب کے کاغذات پیش کئے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۸۷ تا ۸۸ [2] ادب المفرد باب الظن، [3] طبری ج ۷ ص ۹۸ [4] الفخری ص ۹۷

[illegible] ایک لاکھ کے بجائے ڈو لاکھ ہے گیا، اسی دن سے امیر نے دیوانِ خاتم قائم [illegible] حسن ؒ تھا کہ جب پیش گاہِ سلطانی سے کوئی فرمان صادر ہوتا تھا تو وہ پہلے دفتر میں آتا تھا اور یہان کا محرر اس کی نقل اپنے رجسٹر پر چڑھا کے اصل فرمان کو ملفوف کرکے اس پر موم سے مہر کردیتا تھا، اس طرح اس مین تحریف کا امکان باقی نہین رہتا تھا[۱]، یہ طریقہ محض شاہی فرامین تک محدود نہ تھا، بلکہ بعض بعض بڑے بڑے عمال بھی اس پر عامل تھے، چنانچہ زیاد نے باقاعدہ دفاتر قائم کئے تھے جنمین احکام وخطوط کی نقلین رکھی جاتی تھین[۲]،

رفاہ عام کے کام | امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ حکومت مین اس قسم کے بہت سے رفاہِ عام کے کام کئے جن سے حکومت کے ساتھ عام رعایا کو بھی فائدہ پہنچتا تھا،

نہرین | ایشیائی ملکون مین زیادہ تر ملک کا قوام زراعت ہے اور اسی پر عوام کی روزی کا دارمدار ہوتا ہے، امیر معاویہ نے اپنے عہد مین زراعت کی ترقی اور پیداوار کے اضافہ اور زمین کی سیرابی کے لئے ملک کے طول وعرض مین جابجا نہرون کا جال بچھا دیا، جس سے کرورون انسان اور لاکھون ایکڑ زمین سیراب ہوتی تھی، ان نہرون کی وجہ سے پیداوار مین غیرمعمولی اضافہ ہوگیا، اور قحط سالی کا خطرہ جاتا رہا، خلاصۃ الوفا مین ہے کہ مدینہ شریف اور اس کے گرد بکثرت نہرین تھین، اور امیر معاویہؓ کو اس باب مین خاص اہتمام تھا، انھون نے جو نہرین جاری کین، ان مین نہر کظامہ، نہر ازرق اور نہر شہدار وغیرہ کے نام خلاصۃ الوفا اور وفاء الوفا مین ملتے ہین[۳]،

حضرت معقلؓ نے حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ مین ایک نہر کھدوائی تھی، جو نہرِ معقل کے نام سے مشہور تھی، زیاد نے امیر معاویہؓ[۴] کے عہدِ حکومت مین دوبارہ اس کو کھدواکر صاف کرایا، اور افتتاح

---

[۱] الفخری ص ۷۰ و [۲] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹، [۳] وفاء الوفا ص ۱۱۰ و خلاصۃ الوفا ص ۱۳۶ و ۱۳۷،

کے بعد ایک آدمی کو ایکہزار درہم دیکر کہا کہ دجلہ کے کنارے کنارے چکر لگا کر [illegible]
کی نہر ہے؟ جو شخص زیاد کی نہر بتائے اس کو یہ رقم دیدو، اس نے گھوم [illegible]
کی زبان پر معقل کا نام تھا،[۱]

عبید اللہ بن زیاد گورنر عراق مقرر ہوا، تو اس نے بخارا کے پہاڑ کاٹ کر ایک نہر نکالی[۲]
انھین کے عہد حکومت مین حکم بن عمرو نے ایک نہر جاری کی، مگر اس کا افتتاح نہ ہوسکا،[۳] نہر کے
علاوہ پہاڑ کی گھاٹیون کے گرد بند بندھوا کر تالاب بنوالئے جنمین پانی جمع ہوتا تھا،[۴] ان نہرون
سے پیداوار مین جو اضافہ ہوا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف مدینہ اور اس کے قرب
جوار کی نہرون کے ذریعہ سے ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہون پیدا ہوتا تھا،[۵]

شہرون کی آبادی، | امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد مین مستقل شہر آباد کرائے، اور بعض پرانے اجڑے شہر
بسائے، مرعش شام کا قدیم اجڑا ہوا شہر تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو دوبارہ تعمیر کرا کے بسایا،[۶]

ان کے عہد مین سب سے بڑا جو شہر آباد ہوا اور جو اپنی مختلف خصوصیات کے لحاظ سے تاریخ
اسلام مین نامور مانا جاتا ہے، وہ قیروان ہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین عقبہ بن نافع فہری نے
افریقہ کے بڑے بڑے شہر فتح کئے اور ہزارون بربری اسلام لائے، لیکن یہ سخت فتنہ پرست
اور بغاوت پسند تھے، جب تک ان کے سر پر فوجی قوت مسلط رہتی، اس وقت تک مطیع ومنقاد
رہتے، اور جیسے ہی ہٹتی، فوراً مرتد ہوکر باغی ہوجاتے تھے، اس لئے عقبہ نے یہان ایک شہر آباد
کرکے مسلمانون کے بسانے کا قصد کیا، تاکہ روز روز کی بغاوتون کا خطرہ جاتا رہے، چنانچہ
انھون نے ساحل سے ہٹ کر اس کے لئے ایک جنگل منتخب کیا تاکہ رومیون کے بحری حملون سے

---

[۱] فتوح البلدان ص ۳۶۶، [۲] طبری ج ۷ ص ۱۶۹، [۳] ایضاً ص ۱۵۶، [۴] وفاء الوفا [illegible] ۳۲،
[۵] ایضاً ص ۲۴۴، [۶] فتوح البلدان ص ۱۹۶،

[illegible] ظر ہے یہ جنگل نہایت گھنا اور درندون اور سموم کیڑون کا مسکن تھا، عقبہ نے اسے کٹوا کر [illegible]
[illegible] جس [illegible] دارالامارہ بنوایا، اور اس کے چارون طرف مسلمانون کے محلے آباد کرکے ایک
جامع مسجد تعمیر کی، رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی ترقی کی کہ افریقہ کے ممتاز ترین مقامات مین
شمار ہونے لگا[1]،

جب کسی قوم کا اخترِ اقبال ترقی پذیر ہوتا ہی، تو اس کے متعلق عجیب و غریب خلافِ قیاس
اور محیر العقول افسانے زبان زد خاص و عام ہو جاتے ہین، مسلمانون کے عہد اقبال کے
اس قبیل کے سیکڑون افسانون نے بھی تاریخی شہرت حاصل کر لی ہے، ان افسانون مین قیروان
کی تاسیس کے سلسلہ کا ایک واقعہ بھی لائق ذکر ہے، جس وقت عقبہ نے اسے بسانے کا ارادہ کیا
اس وقت یہان کا جنگل اتنا گھنا اور ہیبتناک تھا کہ بڑے بڑے خونخوار درندے اور اژدہے اسمین
بھرے ہوئے تھے، اور ان کے نکالنے کی کوئی صورت نہ تھی، لیکن جو قوم ترقی پذیر ہوتی ہے، اس کا
سکہ انسان سے لے کر حیوان تک پر یکسان چلتا ہی، یہی قصہ اس جنگل کے مکینون کے ساتھ پیش
آیا، عقبہ بن عامر نے جنگل کے پاس پکروا دیا کہ ہم لوگ محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھی، اور
ان کی امت ہین اور تمھین حکم دیتے ہین کہ کل تک تم سب جنگل خالی کر دو ورنہ قتل کر دیئے جاؤگے
اس الٹی میٹم پر جتنے درندے اژدہے اور دوسرے خوفناک جانور تھے وہ سب اپنے اپنے بچون
کو لیکر قطار در قطار نکلنے لگے، اور جنگل بالکل خالی کر دیا، گو یہ تاریخی واقعہ افسانہ سے زیادہ وقعت
نہین رکھتا، لیکن اس سے اس وقت مسلمانون کے اوجِ اقبال کا ضرور پتہ چلتا ہی،

نوآبادیان | ان مستقل شہرون کے علاوہ بہت سی نوآبادیان قائم ہوئین، سنہ ۴۳ھ مین انطاکیہ
مین فارس، بعلبک، حمص اور مصر کے باشندون کی ایک نوآبادی بسائی[2]، سنہ ۵۲ھ مین روڈس مین

---

[1] معجم البلدان ذکر قیروان، [2] فتوح البلدان ص ۱۵۴،

بہت سے مسلمان آباد کئے گئے، ۳۵ھ میں اردواڑ میں مسلمان بسے[۱] خصوصاً ان مقامات پر جہان
کسی دوسری حکومت کی سرحد ملتی تھی مسلمانون کی نوآبادیان قائم کی گئین
کے حملہ کا خطرہ بڑی حد تک کم ہوگیا،

شیر خوار بچون کے وظائف، حضرت عمرؓ نے دس دس درہم مجاہدین کے بچون کا وظیفہ مقرر کیا تھا، اور اس مین وقتاً فوقتاً تبدیلیان ہوتی رہین، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ مین اسکو قائم رکھا لیکن اتنی ترمیم کردی کہ دودھ چھوڑنے کے بعد سے وظیفہ جاری ہوتا تھا،[۲]

موذی جانورون کا قتل تہذیب یافتہ سلطنتون مین رعایا کی آرام وآسایش کے لئے موذی جانورون کا قتل بھی رائج ہے، اور بعض حالتون مین اس پر انعامات دیئے جاتے ہین، امیر معاویہؓ کے زمانہ مین نصیبین مین بچھوؤن کی اتنی کثرت تھی، کہ وہان کے لوگ ان سے پریشان ہوگئے تھے، وہان کے عامل نے امیر معاویہؓ کے پاس اس کی شکایت لکھی، انھون نے لکھا کہ شہر کے باشندون پر بچھوؤن کی ایک تعداد مقرر کردیجائے کہ ہر رات کو وہ اس تعداد مین بچھو پکڑ لایا کرین، چنانچہ یہ حکم جاری ہوا، اور لوگ مقررہ تعداد مین بچھو پکڑ کے لاتے تھے، اور وہ مار ڈالے جاتے تھے، اس طرح بچھوؤن کی تعداد مین نمایان کمی ہوگئی،[۳]

ذمہ دار عہدون پر غیر مسلمون کا تقرر غالباً تمام مذاہب عالم مین یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے رعایا کی حیثیت سے مسلم اور غیر مسلم کے حقوق مین کوئی فرق روا نہین رکھا ہے، اور اس کا بہترین عملی ثبوت عہد فاروقی تھا تاہم چونکہ اس زمانہ مین غیر مسلم اقوام نئی نئی مفتوح ہوئی تھین اس لئے مساوات حقوق کے باوجود بیگانگی کا پردہ حائل تھا، اور اس وقت تک انھون نے اپنے معتمد علیہ ہونے کا کوئی عملی ثبوت بھی نہین دیا تھا، اس لئے حکومت کے عہدون مین انھین

---

[۱] فتوح البلدان ص ۲۲۴ [۲] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۶۴ [۳] معجم البلدان، ذکر نصیبین،

نہ مل سکا، اس کے بعد جس قدر زمانہ گذرتا گیا، اسی قدر مسلمانون مین اور غیر مسلمون مین بیگانگی [illegible] چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد مین ان کے قیامِ دمشق کی وجہ سے جب دونون مین زیادہ [illegible] بڑھ گئے تو امیر معاویہؓ نے ان کو حکومت کے ذمہ دار عہدون اور جلیل القدر مناصب پر ممتاز کیا، چنانچہ ابن آثال عیسائی کو جو ان کا طبیب بھی تھا حمص کا کلکٹر مقرر کیا[۱]، اور سرجون اور منصور رومی کو مالیات کے ذمہ دار عہدون پر ممتاز کیا[۲]۔

غیر مسلمون کے جذبات کا احترام امیر معاویہؓ کو شام مین جو اقتدار حاصل تھا، تاریخ اس کی شاہد ہے یہان تمامتر یہودی اور عیسائی آباد تھے، لیکن امیر معاویہؓ نے کبھی ان کے مذہبی مراسم وغیرہ مین دست اندازی نہین کی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین یوحنا کے گرجے کے پاس مسجد تعمیر ہوئی تھی، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ مین اس گرجے کو بھی مسجد مین شامل کرنا چاہا، لیکن عیسائی رضامند نہ ہوئے، اس لئے انھون نے ارادہ ترک کر دیا[۳]،

ذمیون کے مال کی حفاظت، خلفاء ذمیون کے حقوق اور ان کے جان و مال کی حفاظت مین بہت اہتمام کرتے تھے، امیر معاویہؓ کے عہد مین ان کے حقوق کا اتنا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ سرکاری ضرورتون کے لئے بھی ان کے کسی حق پر دست اندازی نہ کیجاتی تھی، امیر معاویہؓ نے ایک مرتبہ حضرت عقبہ بن عامرؓ صحابی کو مصر کا گورنر مقرر کیا، وہ مصر کے ایک گاؤن مین اپنی سکونت کیلئے مکان بنوانا چاہتے تھے، امیر معاویہؓ نے انھین اس ضرورت کے لئے ایک ہزار جریب زمین عنایت کی، انھون نے ایک غیر آباد پرتی زمین جو کسی کے قبضہ مین نہ تھی، انتخاب کی، اس پر انکے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ پسند کیجئے انھون نے جواب دیا یہ نہین ہوسکتا کیونکہ معاہدہ مین

۱؎ یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۵، ۲؎ خطط الشام کرد علی ج اول ص ۱۴۳،

۳؎ بلاذری ص ۱۳۱،

جو شرطین ہین ان مین ایک یہ بھی ہے کہ ذمیون کی زمین ان کے قبضہ سے نہ ... لے گا

رعایا کی دادرسی، | رفاہِ عام کا لحاظ کرتے ہوئے اس عہد کے ایک عادل فرمان

کی شکایات سننے کے واسطے ایک خاص وقت متعین کرنا ضروری تھا، امیر معاویہؓ روزانہ ... نکلتی

بیٹھکر عام رعایا کو بلا استثنا باریابی کا موقعہ دیتے، علامہ مسعودی لکھتے ہین، کہ امیر معاویہ مسجد مین کرسی

رکھوا کر بیٹھتے تھے، اور بلا استثنا ضعیف، کمزور، دیہاتی، بچے اور لاوارث سب پیش کئے جاتے تھے اور

ان مین سے ہر شخص ان کے سامنے اپنی اپنی شکایتین پیش کرتا تھا امیر معاویہؓ اسی وقت ان کے

تدارک کا حکم دیتے تھے، مظلومون کی فریاد رسی کے بعد پھر دربار آتے اور تخت پر بیٹھتے، اور

امرا، اور اشراف درجہ بدرجہ باریاب ہوتے، معمولی مزاج پرسی کے بعد جب یہ لوگ اپنی

اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو امیر ان سے فرماتے کہ تم لوگ اشراف اس لئے کہلاتے ہو کہ تم کو اپنے سے کم درجے کے

لوگون پر شرف بخشا گیا ہے، اس لئے تم کو چاہئے کہ جو شخص میرے پاس نہین پہنچ سکتا، اس کی ضروریات

مجھ سے بیان کرو، چنانچہ اس کے بعد اشراف لوگون کی ضروریات پیش کرتے، اور امیر ان سب کے

پورا کرنے کا حکم دیتے[1]،

یہی حال ان کے عمال کا تھا، زیاد گورنر جنرل عراق کی حیثیت رکھتا تھا، اس لئے اس کو

کثرتِ کار اور ذمہ داری کے بار کی وجہ سے عوام سے ملنے جلنے اور ان کی شکایات سننے کا براہ راست

کم موقعہ ملتا تھا، اس کی تلافی کے لئے اس نے اپنے حاشیہ نشینون کو حکم دیا تھا کہ ہر شخص نہ مجھ تک

پہنچ سکتا ہے، اور اگر پہنچ بھی جائے تو گفتگو کا موقع نہین پا سکتا، اس لئے تم لوگ عوام کے حالات

میرے گوش گذار کرتے رہا کرو[2]،

مذہبی خدمات، | گو امیر معاویہؓ کا عہد خلفاے راشدینؓ کے مذہبی عہد کے مقابلہ مین خالص ملکی

[1] مقریزی ج اول ص ۲۰۸، [2] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ مصر، [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۷۹،

کی اجا[illegible] ان کا عہد مذہبی خدمات سے خالی نہیں، اور وہ اپنی حکومت کے استحکام اور بقا [illegible] حسن رضؓ کے ساتھ مذہب کی ترقی اور اوامر و نواہی کے قیام و تبلیغ میں بھی برابر کوشاں رہتے تھے۔

اشاعتِ اسلام ان کے زمانہ میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، افریقہ کی فتوحات میں بے شمار بربری اسلام لائے، مگر بار بار مرتد ہو کر باغی ہو جاتے تھے، امیر معاویہؓ نے ارتداد اور بغاوت کو روکنے کے لئے قیروان آباد کیا، جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، بربریوں کے علاوہ رومیوں کی معتدبہ تعداد بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئی،

حرم کی خدمت شیخین کے زمانہ میں خانہ کعبہ پر معمولی کپڑے کا غلاف چڑھتا تھا حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ میں پہلی مرتبہ اس پر بیش قیمت غلاف چڑھایا، امیر معاویہؓ نے اس کو دیبا سے آراستہ کیا، اور اس کی خدمت کے لئے غلام مقرر کئے[1]

مساجد کی تعمیر ان کے عہد میں بکثرت نئی مسجدیں تعمیر ہوئیں، اور پرانی مسجدوں کی مرمت ہوئی، زیاد بصرہ کا والی ہوا تو اس نے یہاں کی مسجد کو نہایت وسعت دی، اور اس کو اینٹ اور چونے سے بنوایا، اور ساکھو کی چھت دی[2]، قبرس فتح ہوا تو یہاں مسلمانوں کی نوآبادی کے ساتھ بہت سی مساجد بھی تعمیر ہوئیں[3]، عبد الرحمٰن بن سمرہ نے کابلی معماروں سے بصرہ میں اپنے لئے کابلی طرز کی ایک مسجد بنوائی[4]، عقبہ بن نافع نے قیروان کی آبادی کے سلسلہ میں یہاں کے لئے ایک وسیع جامع مسجد بنوائی[5]، مصر کی مسجدوں میں مینارنہ تھے، مسلمہ بن مخلد نے ۵۳ھ میں یہاں کی تمام مساجد میں مینار بنوائے[6]

اقامتِ دین، اوامر و نواہی کی تبلیغ اور اقامتِ دین ایک مسلم حکمران کا سب سے مقدم مذہبی

۱؎ یعقوبی ج ۲ ص ۲۸۳، ۲؎ فتوح البلدان ص ۳۵۵، ۳؎ ایضاً ص ۱۶۰، ۴؎ ایضاً ص ۴۰۲،

۵؎ معجم البلدان ذکر قیروان، ۶؎ اصابہ تذکرہ مسلمہ بن مخلد،

فرض ہے، امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ مین اس فرض کو ادا کرنے کی بھی کوشش کی

نکاح شغار کا انسداد، زمانۂ جاہلیت مین ایک قسم کا نکاح رائج تھا، جسے "شغار" کہتے تھے، اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ اس شرط پر کر دیتا تھا کہ وہ اس کے بدلہ مین اپنی لڑکی یا بہن اس کی زوجیت مین دیدے، اور یہ تبادلہ مہر ہوتا تھا، اس صورت مین عورت کو مہر نہ ملتا تھا، اور اس کی حق تلفی ہوتی تھی اسلئے آنحضرت صلعم نے اس کی ممانعت فرما دی تھی، امیر معاویہؓ کے زمانہ مین عباس بن عبد اللہ اور عبد الرحمن بن حکم نے اسی طریقہ پر اپنی لڑکیون کی شادی ایک دوسرے کے ساتھ کردی، امیر معاویہؓ کو خبر ہوئی تو انھون نے مروان کو لکھا، کہ یہ نکاحِ شغار ہے، آنحضرت صلعم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے، اس لئے دونون مین تفریق کرادو،[1]

انسدادِ مفاسد، عورتون کی مصنوعی آرایش اور غیر معتدل زیب و زینت ان کی بداخلاقی کا پہلا زینہ ہے، یہودی عورتون کی بداخلاقی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان مین جن عورتون کے بال گر جاتے تھے وہ مصنوعی بال لگالیتی تھین، آنحضرت صلعم نے ان مصنوعی بالون کی ممانعت فرمادی تھی، امیر معاویہؓ کے زمانہ مین عربی عورتون نے بھی یہ طرز آرایش اختیار کرلیا تھا، آپ حج کو گئے تو اس کی ممانعت پر خطبہ دیا، اور منبر پر چڑھ کر مصنوعی بالون کا گچھا ہاتھ مین لےکر کہا، "اے اہل مدینہ تمھارے علما، کہان ہین؟ مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو کہ بنی اسرائیل اسوقت برباد ہوئے جب ان کی عورتون نے اس کو اختیار کیا"[2]

کبھی کبھی مجامعِ عام مین آنحضرت صلعم کے مسنون اعمال کا اعلان کرتے کبھی خود عبادات کا مسنون طریقہ عملاً کرکے دکھاتے، کبھی اعمال کے متعلق آنحضرت صلعم کا فرمان

---

[1] ابوداؤد کتاب النکاح باب فی الشغار [2] بخاری کتاب بدء الخلق و کتاب الادب،

لوگون کو سناتے،

[illegible] [آنحض]رت صلعم عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے امیر معاویہ رضؓ حج کو گئے تو اس [illegible] خیال سے کہ لوگ اس روزہ کو فرض نہ سمجھ لین، منبر پر چڑھکر اعلان کیا،

"اے اہلِ مدینہ تمھارے علما، کہان ہین، مین نے آنحضرت صلعم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ یہ عاشورہ کا دن ہے، خدا نے اس دن کا روزہ تمھارے اوپر فرض نہین کیا ہی، مین روزہ ہون، تم لوگون مین سے جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے افطار کرے[1]"،

مسنون طریقون کی تعلیم،

ایک مرتبہ لوگون کے سامنے مسنون طریقہ سے وضو کیا، اور مسح راس کے لئے چلو مین پانی لیکر داہنے ہاتھ سے سر پر ڈالا، پانی کے قطرے ٹپکنے لگے پھر شروع سر سے لیکر آخر سر تک ہاتھ پھیرا اور پھر واپس لائے[2]،

غیر مسنون اعمال کی ممانعت

ایک مرتبہ صحابۂ کرام کے ایک مجمع سے کہا کہ آپ لوگون کو غالبًا اس کا علم ہوگا کہ آنحضرت صلعم نے فلان فلان چیزون سے منع فرمایا ہی اور چیتے کے کھال کے فرش کی بھی ممانعت فرمائی ہے، سب نے کہا ہان، پھر کہا آپ لوگ اس سے بھی بے خبر نہ ہونگے، کہ آپ نے حج اور عمرہ کے قران سے منع فرمایا ہی، لوگون نے کہا اسکی ممانعت تو نہین ہے، کہا نہین قران بھی مذکورۂ بالا چیزون کی طرح ممنوع ہے، غالبًا آپ لوگ بھول گئے[3]،

امیر معاویہ رضؓ کی فردِ جرم کی تاریخی حیثیت اور اس کے اسباب

امیر معاویہ رضؓ کی سیرت مین ان کے کارنامون کی تفصیل کے بعد سب سے اہم اور ضروری ان غلط روایات اور بے بنیاد

---

[1] بخاری کتاب الصیام باب صوم عاشوراء، [2] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلعم
[3] ایضًا کتاب المناسک باب فی القران،

الزامون کی تنقید و تردید سے جن کی شہرتِ عام نے بہت سے تعلیم یافتہ مگر کوتاہ نظر اشخاص کو بھی امیر معاویہؓ کی جانب سے غلط فہمیون مین مبتلا کر دیا ہو، یہ واقعات سے یا بالکل بے حقیقت ہین، یا نہایت کمزور ہین، لیکن ان کی شہرتِ عام نے ان کو حقائق سے بھی زیادہ اچھال دیا ہو، اور اس کی تاریکی مین امیر کے روشن خد و خال بالکل چھپ گئے ہین،

ان واقعات کی شہرت کے دو اسباب ہین، پہلا سبب بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم چشمک اور خلافت کے بارہ مین اہل بیت اور غیر اہل بیت کا سوال ہو، ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بعض ناعاقبت اندیش اور بدخواہِ خلافت مفسدون نے شیخین ہی کے عہد مین اس قسم کے اختلافی سوالات پیدا کر دیئے تھے لیکن ان دونون بزرگون کی خلافت اجماعی اور خالص شرعی تھی، نظامِ خلافت حق و صداقت کی بنیادون پر قائم تھا، خود یہ بزرگوار اسوۂ نبوی کا مجسم پیکر تھے، اس سے بھی بڑھکر حق و باطل مین امتیاز کرنے والی جماعت صحابہ موجود تھی، اس لئے یہ شر انگیز سوالات ابھر نہ سکے، اور دماغون ہی کے اندر دب دب کر رہگئے، اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین (باوجودیکہ وہ بھی خلیفہ راشد تھے، لیکن چونکہ امتداد زمانہ سے نظامِ خلافت مین پہلی سی استواری قائم نہ رہگئی تھی) فتنہ پرست فرقہ کی شر انگیزیان اپنا اثر کر گئین، اور حضرت عثمانؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بننا پڑا، اور اس کے جو مذموم نتائج نکلے وہ سب کو معلوم ہین، ایسی حالت مین امیر معاویہؓ کو جنکی خلافت نہ خلافت راشدہ تھی، اور نہ اس مین کوئی مذہبی خوبی تھی، بلکہ بعض اصولی غلطیون کی وجہ سے وہ بدنام ہو رہے تھے، موردِ الزام بنا دینا کیا مشکل تھا،

دوسرا سبب ان کی اخلاقی اور مذہبی لغزشین ہین، مثلاً جناب امیرؑ کے مقابلہ مین

[illegible] کا صف آرا ہونا، اور اس مین کامیابی کے لئے ہر طرح کے جائز و ناجائز وسائل استعمال
[illegible] حسنؓ سے لڑنا، اسلامی جمہوریت کو توڑ کر یزید کو ولیعہد بنانا وغیرہ، ان مین سے
ہر ایک واقعہ انکی ایسی کھلی غلطی ہے جسے کوئی حق پسند مستحسن نہین قرار دے سکتا، خصوصًا یزید کی
ولیعہدی جس نے اسلامی جمہوریت کو پامال کر ڈالا اور اس کے مذموم نتائج مین حضرت حسینؓ
کی شہادت عظمیٰ کا واقعہ پیش آیا، ان واقعات نے عوام کو چھوڑ کر حق پسند خواص کو بھی امیر معاویہؓ
سے بدظن کر دیا، اسی لئے امیر معاویہؓ کی مخالفین کو ان کے خلاف پروپگنڈے کا
موقعہ مل گیا، اور انھون نے ان واقعات کو جنھین سنجیدہ طبقہ بھی ناپسند کرتا تھا، آڑ بنا کر
امیر معاویہؓ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنا دیا، اور چونکہ عوام پہلے سے ان سے
بدظن تھے، اس لئے امیر کے مخالفون نے جس رنگ مین ان کی تصویر پیش کی، اور جو جو
برائیان ان کی طرف منسوب کین، لوگون نے نہایت آسانی کے ساتھ اسکو قبول کر لیا
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر معاویہؓ کے بعد گو نصف صدی سے زیادہ بنی امیہ کی حکومت قائم رہی
لیکن ان کے خلاف جو نفرت انگیز جذبات پیدا ہو گئے تھے، وہ برابر دماغون مین پرورش
پاتے رہے، اور ان کی مخالفت کا جو نقش جم گیا تھا وہ کسی طرح نہ مٹ سکا، انھین واقعات
کے نتائج مین بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنی امیہ کے نہایت سخت دشمن تھے،
اسلئے بنی امیہ کی مخالفت مین جو صدا امیر معاویہ کے عہد مین اٹھی تھی، وہ بنی عباس کے
پورے دور حکومت تک برابر گونجتی رہی، بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہو گیا، اور بنی عباس
کی حکومت وہ تھی جسکا سکہ مشرق سے مغرب تک روان تھا، اسلئے امیر معاویہؓ کے مثالب
ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے،

اسی زمانہ مین تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لئے ایسی بہت سی غلط روایتین جو

عرصہ سے زبانون پر چڑھی چلی آرہی تھین، تاریخون مین داخل ہوگئین، کیونکہ ایسے ابتدائی
دور مین جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق و تنقید جس سے
حقایق مین پورا پورا امتیاز ہوسکے مشکل تھی، گو بہت سی بے سرو پا روایتین جنکا لغو ہونا
بالکل عیان تھا تنقید سے مسترد ہوگئین پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جزو
بن گئے، یہی وجہ ہے کہ مورخ ابن جریر اپنی محدثانہ تنقید کے باوجود اپنی کتاب کو غلط روایتون
سے محفوظ نہ رکھ سکا، اور آغاز تاریخ اسلام مین جو واقعات پولیٹیکل مقاصد کے لئے تراشے
گئے تھے، اس مین داخل ہوگئے، تاہم زمانہ مابعد مین جب تنقید کا معیار بلند ہوا تو بڑی
حد تک اس قسم کی روایتین ناقابل اعتبار قرار پائین، یہی وجہ ہے کہ ابن خلدون وغیرہ
پچھلی تاریخون مین اس قسم کے افسانے نہین ملتے،

غرض بعض ان غلط واقعات نے، جنکا عوام کی زبانون کے سوا تاریخ مین سرے
سے کوئی وجود نہین اور بعض حد درجہ ضعیف اور کمزور روایتون نے امیر معاویہؓ کی تصویر
بہت بھیانک کردی، اس تمہید کا مقصد یہ ہے کہ ان غلط اور من گھڑت افسانون
اور کمزور تاریخی روایات کا پردہ ہٹاکر امیر معاویہؓ کی اصلی تصویر پیش کردیجائے تاکہ
ان کی زندگی کے قابل اعتراض پہلو کے ساتھ روشن پہلو بھی نظر آجائین اور ان کی
طرف سے عام طور پر جو غلط فہمیان پھیلی ہوئی ہین وہ دور ہوجائین،

لیکن ان واقعات کی تردید سے پہلے یہ معلوم ہوجانا چاہیئے کہ اس کا منشا امیر معاویہ
کی بیجا حمایت یا ان کا اور جناب امیر کا موازنہ نہین ہے، ابن عم رسول، خلیفہ راشد علی مرتضیٰ
اور امیر شام کا مقابلہ ہی کیا ع چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا، بلکہ اس کا مقصد صرف
امیر معاویہؓ کی جانب سے تصحیح خیال اور ان غلط واقعات کی پردہ دری ہے جن کی شہرت عام

بہت سے مسلمانون کو ایک صحابیِ رسول سے بدظن کر رکھا ہے،

امیر معاویہؓ پر عموماً حسب ذیل الزام لگائے جاتے ہین یا کم از کم عوام الناس کی زبانون پر ہین، (۱) حضرت حسنؓ کے زہر دلوانے مین امیر معاویہؓ کا ہاتھ تھا، (۲) بنی ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ امیر معاویہؓ کا طرز عمل ناپسندیدہ تھا، (۳) جناب امیر پر سب و شتم کرتے تھے (۴) صحابہ کو قتل کیا اور ان کی توہین کی، (۵) انکا طرز حکومت نہایت جابرانہ تھا، (۶) انھون نے بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا تھا، اور اس کو اپنے اغراض مین اڑاتے تھے، (۷) حکومت کے تمام شعبون مین بنی امیہ کو بھر دیا تھا، (۸) بہت سی بدعتین جو خلفاء راشدین رضؓ کے عہد مین نہ تھین معاویہؓ نے جاری کین،

حضرت حسنؓ کی زہر خورانی مذکورۂ بالا الزامون مین حضرت حسنؓ کو زہر دلوانے کا الزام جس درجہ سنگین اور نفرت انگیز ہے، اسی قدر کمزور اور ناقابل اعتبار بھی ہے، اس الزام کی لغویت اس قدر عیان ہو کہ اس کے باوجود اس کی شہرت پر حیرت ہوتی ہے، آیندہ سطور مین اس کی روایتی اور درایتی دونون حیثیتون سے بحث کیجاتی ہے،

اس کی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اتنا بڑا اہم واقعہ جس پر مورخین کی نظر سب سے پہلے پڑنی چاہئے تھی، بعض قدیم مورخون نے سرے سے لکھا ہی نہین اور جن مورخون نے اپنی تاریخون مین لکھا بھی ہو، تو محض روایت کی حیثیت سے لکھا ہے، ورنہ وہ اس روایت کو خور اعتماد نہین سمجھتے، حتی کہ تفضیلیے مورخین بھی اس کو ساقط الاعتبار شمار کرتے ہین،

درایتی حیثیت سے صورتِ واقعہ مین اتنا تضاد اور اشخاص کے نامون مین اتنا شدید اختلاف ہے کہ یہ اختلاف ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہو، اب علی الترتیب حدیث، طبقات، رجال اور تاریخ سے اسکی حقیقت ملاحظہ ہو!-

حدیث کی کتابون مین یہ واقعہ علامہ حاکم نیشاپوری کی مستدرک مین ملتا ہے، انکی روایت یہ ہے[۱]،۔

عن ام بکر بنت مسور قالت کان الحسن	ام بکر بنت مسور روایت کرتی ہین حسن
بن علی سم مرارًا کل ذلك یفلت حتی	بن علی کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا، لیکن ہر مرتبہ
کانت المرۃ الاخیرۃ التی مات فیہا	بچ گئے، اور آخری مرتبہ جب زہر دیا گیا
فانہ کان یختلف کبدہ	جس مین انکا انتقال ہو تو ان کے جگر کے
	ٹکڑے کٹ کٹ کر گرتے تھے،

اس روایت مین زہر دینے کا واقعہ ہے لیکن امیر معاویہؓ کیا معنی کسی زہر دینے والے کا نام نہین، حافظ ذہبی کی تلخیص مستدرک مین بھی جو مستدرک کے ذیل مین ہے بعینہ یہی روایت ہے، یہ حدیث کی شہادت ہے،

اس کے بعد طبقات صحابہ پر نظر ڈالئے تو سلسلۂ طبقات کی مستند ترین کتاب استیعاب مین یہ روایت ملتی ہے[۲]۔

قال قتادۃ وابو بکر بن حفص سم الحسن	قتادہ اور ابو بکر بن حفص کہتے ہین، کہ
بن علی رضی اللہ عنہما سمتہ امرأتہ	حسنؓ بن علی کو زہر دیا گیا، انکی بیوی جعدہ
جعدۃ بنت الاشعث بن قیس الکندی	بنت اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا۔
وقالت طائفۃ کان ذلك منہا	اور ایک چھوٹا گروہ کہتا ہے کہ جعدہ نے معاویؓ
بتدسیس معاویۃ الیہا... واللہ اعلم	کے اشارہ سے زہر دیا تھا، واللہ اعلم،

علامہ ابن عبد البر نے مذکورۂ بالا دو روایتین لکھی ہین لیکن دوسری روایت جس مشتبہ

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۶ [۲] استیعاب ج اول ص ۱۴۴

طور پر لکھی ہے اس کا ضعف خود عبارت سے ظاہر ہے کہ کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں"

علامہ ابن اثیر اسد الغابہ میں لکھتے ہیں؎۱،

وکان سبب موته ان زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس سقته السم فکان توضع تحته طست وترفع اُخری نحوا ربعین یوما فمات منه ،

اور ان کی (حسن رض) موت کا سبب یہ تھا کہ انکی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے انکو زہر پلا دیا تھا، اور چالیس دن تک انکے نیچے برابر ایک طشت رکھا جاتا تھا، اور دوسرا اٹھایا جاتا تھا اسی میں وہ انتقال کر گئے،

اس روایت میں بھی جعدہ ہی کا نام ہے، اور امیر معاویہ رض کا کہیں ذکر نہیں،

علامہ ابن حجر عسقلانی اصابہ میں حضرت حسن رض کے سنین وفات کے اختلات بتانے کے بعد لکھتے ہیں؎۲۔

ویقال انه مات مسموما، قال ابن سعد اخبرنا اسماعیل ...... عن عمیر بن اسحاق دخلت انا وصاحب لی علی الحسن بن علی فقال لقد لفظت طائفة من کبدی وانی قد سقیت السم مرارا فلم اسق مثل هذا فاتاه الحسین بن علی فسأله من سقاه فابی ان یخبره رحمه الله تعالی

اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے (حسن) زہر سے انتقال کیا، ابن سعد کی روایت ہے کہ مجھکو اسمٰعیل نے خبر دی ...... کہ عمیر بن اسحٰق کہتے تھے کہ میں اور میرے ایک ساتھی حسن رض کے پاس گئے، انھوں نے کہا کہ میرے جگر کے کچھ ٹکڑے گر چکے ہیں اور مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا، لیکن اس مرتبہ کے ایسا قاتل کوئی نہ تھا، اس کے بعد حسین رض

؎۱ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵، ؎۲ اصابہ ج ۲ ص ۱۳

انکے پاس آئے، اور پوچھا کس نے پلایا لیکن

انھوں نے بتانے سے انکار کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن حجر نفس زہر ہی سے موت ہو…
مشتبہ ہیں، چنانچہ زہر کی روایت "یقال" کر کے لکھتے ہیں، جو ضعف روایت کی علامت ہے،
دوسری اہم روایت ابن سعد کی ہے، جو طبقات صحابہ کے سب سے قدیم مولف ہیں، اور جنکی
کتاب طبقات ابن سعد طبقات کی قدیم ترین اور مستند ترین کتاب ہے، اور بعد کی تمام کتابیں
اسی سے ماخوذ ہیں، مگر اسمیں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں،

علامہ ابن حجر نے اصابہ کے علاوہ رجال کی مشہور کتاب تہذیب التہذیب میں بھی اس
اس واقعہ کے متعلق دو روائتیں نقل کی ہیں، ان میں سے ایک روایت ابن سعد کی روایت
خفیف لفظی تغیر کے ساتھ ہے، مگر صورت واقعہ بعینہ رہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے، دوسری روایت
اسد الغابہ کی ہے جو اوپر گذر چکی ہے،[1]

طبقات اور رجال کے بعد تاریخ میں آئیے تاریخ میں یہ واقعہ مشتبہ سے مشتبہ تر ہو جاتا
ہے، کیونکہ تفضیلی مورخین بھی جنھیں امیر معاویہؓ کے مظالم و مثالب اور اہل بیت کی مظلومیت
دکھانے میں خاص لطف آتا ہے، امیر معاویہ کے ساتھ زہر خورانی کی نسبت کو صحیح نہیں سمجھتے
حتیٰ کہ بعضوں نے سرے سے زہر خورانی کا واقعہ ہی نہیں لکھا ہے، چنانچہ سب سے قدیم تفضیلی
مورخ علامہ احمد بن ابی داؤد دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ھ جو اپنی قدامت کی وجہ سے مستند مورخ
مانے جاتے ہیں، اپنی کتاب اخبار الطوال میں سرے سے اس واقعہ ہی کا تذکرہ نہیں کرتے
اور حضرت حسنؓ کی وفات کے حالات اس طرح لکھے ہیں،[2]

[1] دیکھو تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۳۰۱، [2] اخبار الطوال ص ۲۲۴ و ۲۲۵،

ثم الحسن اشتكى بالمدينة فثقل
[illegible] محمد بن الحنفية في ضيعة
له فارسل اليه فوافى فدخل عليه
فجلس عن يساره والحسين عن يمينه
ففتح الحسن عينيه فرآهما فقال للحسين
يا اخي اوصيك بمحمد اخيك خيرا فانه جلدة
ما بين العينين ثم قال يا محمد وانا اوصيك
بالحسين كانفه وازره ثم قال
ادفنوني مع جدي صلعم فان
منعتم فالبقيع ثم توفي فمنع مروان
ان يدفن مع النبي صلعم فدفن
في البقيع ،

پھر حسنؓ مدینہ مین بیمار پڑے اور حالت خراب
ہو گئی، توان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو
اس وقت اپنی زمینداری پر تھے بلایا گیا،
وہ حسنؓ کی وفات کے پہلے پہنچ گئے، اور حسنؓ
کے پاس آکر ان کے بائین جانب بیٹھے حسینؓ
ان کے داہنے جانب تھے، حسنؓ نے آنکھ
کھولی، اور ان دونون کو دیکھکر حسینؓ سے
کہا برادر عزیز مین تم کو تمھارے بھائی محمد سے
حسن سلوک کی وصیت کرتا ہون، کیونکہ وہ
دونون آنکھون کے درمیانی چمڑہ کیطرح
عزیز ہین، پھر محمد بن حنفیہ سے کہا محمد مین تمکو
وصیت کرتا ہون کہ تم حسینؓ کے گرد جمع ہوکر
ان کی مدد کرنا، پھر کہا کہ مجھکو میرے دادا صلی اللہ
علیہ وسلم کے ساتھ دفن کرنا، اور اگر تم کو
رد کیا جائے تو بقیع مین دفن کر دینا، چنانچہ
آپ کی وفات کے بعد مروان نے نبی صلعم
کے ساتھ دفن کرنے سے رد کا تو وہ بقیع مین
دفن کیے گئے،

اس واقعہ مین شروع سے آخر تک کہین سرے سے زہر خورانی کا تذکرہ نہین ہے،

ان کے بعد دوسرے مستند اور تفضیلی مورخ علامہ ابن واضح کاتب عباسی المعروف یعقوبی جو تیسری صدی کے نہایت ممتاز مورخ ہیں اپنی مشہور کتاب تاریخ یعقوبی میں حسنؓ کی وفات کا یہ واقعہ لکھتے ہیں[۱]،

وتوفی الحسن بن علی فی شہر	اور حسن بن علیؓ نے ربیع الاول ۴۹ھ میں
ربیع الاول سنہ ۴۹ ولما	وفات پائی جب وفات کا وقت قریب
حضرته الوفاة قال لاخیه	آیا تو اپنے بھائی حسینؓ سے کہا، بھائی
الحسین یا اخی ان هذه	یہ تیسری مرتبہ کا آخری مرتبہ ہے جس میں
اخر ثلث مرار سقیت فیها	مجھے زہر پلایا گیا، لیکن اس مرتبہ کے جیسا
السم ولم اسقه مثل مرتی هذه	کبھی نہ تھا، میں آج ہی مر جاؤنگا جب
وانا میت من یومی فاذا انا	میں مر جاؤں تو مجھ کو رسول اللہؐ کے
مت فادفنی مع رسول الله	ساتھ دفن کرنا کہ میری قرابت قریبہ کیوجہ
فما احد اولی بقربه منی	سے میرے مقابلہ میں کوئی اس کا مستحق
الا ان تمنع من ذالك فلا	نہیں ہے، البتہ اگر تم روکے جاؤ، تو ایک
تسفك فیه محجمة دم،	پچھنے کے برابر بھی خونریزی نہ کرنا،

اس میں بھی کسی زہر دینے والے کا نام نہیں،

یعقوبی کے بعد تیسرے مستند ترین تفضیلی مورخ علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ جو اپنے وسعت علم اور جامعیت کے لحاظ سے مورخین میں ممتاز پایہ رکھتے ہیں اپنی مشہور و معروف کتاب مروج الذہب میں تحریر کرتے ہیں[۲]:-

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۶ [۲] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۳۸۰ و ۳۸۱،

علی بن الحسین بن علی بن ابی
طالب قال دخل الحسین رض
علی عمی الحسن بن علی، لما سقی
السم فقام لحاجتہ الانسان ثم
رجع فقال لقد سقیت السم
عدة مرار، فما سقیت مثل
ھذہ لقد لفظت طائفة من
کبدی فرأیتنی أقلبہ بعود
فی یدی فقال لہ الحسین یا
اخی من سقاک قال وما تریدہ
بذالک فان کان الذی اظنہ
فاللہ حسیبہ وان کان غیرہ
فما احب ان یوخذ بی برئ
فلم یلبث بعد ذالک الا ثلاثا
حتی توفی و" ذکر" ان امراتہ
جعدة بنت الاشعث بن قیس
الکندی سقتہ السم وقد کان
معاویة دس الیھا،

علی بن حسینؓ بن علی بن ابی طالب (زین العابدینؒ)
بیان کرتے ہیں کہ حسینؓ میرے چچا حسنؓ بن
علیؓ کے پاس ان کے زہر پلانے کے وقت
گئے، تو حسن قضائے حاجت کے لئے گئے۔
وہاں سے لوٹ کر کہا کہ مجھے کئی مرتبہ زہر
پلایا گیا، لیکن اس مرتبہ کے ایسا کبھی نہ تھا،
اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آگئے، تم
مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی
سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، حسینؓ نے
پوچھا بھائی صاحب کس نے پلایا، ؟ حسنؓ
نے کہا، اس سوال سے تمہارا کیا مقصد
ہے، اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے
جس کے متعلق میرا گمان ہو تو خدا اس کے
لئے کافی ہو، اور اگر دوسرا ہے تو میں یہ
نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ
گناہ پکڑا جائے، اس کے بعد حسنؓ زیادہ
نہ ٹھہرے، اور تین دن کے بعد انتقال کر گئے
اور "ذکر کیا جاتا ہے" کہ ان کی بیوی جعدہ
بنت اشعث بن قیس نے معاویہ کے اشارہ سے

زہر پلایا تھا،

اس روایت کے دو حصے ہیں اصل حصہ میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں ٹکڑے میں جو محض روایتی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے، جیساکہ اس کا طرز تحریر شاہد ہے، اس میں معاویہؓ کا نام ہے، لیکن اس روایتی ٹکڑے کی جو حیثیت ہے وہ "ذکر" کے لفظ سے ظاہر ہے، "ذکر" عربی زبان میں اسی واقعہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جو نہایت کمزور ہوتا ہے،

مذکورہ بالا شہادتیں ان تفضیلے مورخین کی ہیں جنھیں اہل سنت بھی عام واقعات میں مستند سمجھتے ہیں، اب ان خالص سنی مورخین کی شہادتیں پیش کیجاتی ہیں جنھیں شیعہ بھی مستند مانتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے اول محدث ابن جریر طبری کا نام سامنے آتا ہے، لیکن یہ واقعہ مجھے طبری میں باوجود تلاش کے کہیں نہیں ملا، طبری کے بعد ابن اثیر کا نمبر ہے، وہ لکھتے ہیں[1]:-

فی ھذہ السنۃ توفی الحسن	اور اسی سنہ (۴۹ھ) حسنؓ بن علی نے
بن علی سمتہ زوجتہ جعدۃ	وفات پائی، ان کو انکی بیوی جعدہ بنت
بنت الاشعث بن قیس الکندی	اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا،

ابن اثیر کے بعد ابوالفدار کا بیان ہے[2]:-

وتوفی الحسن من سم سقتہ	اور حسن نے زہر سے وفات پائی جسے انکی
زوجتہ جعدۃ بنت الاشعث	بیوی جعدہ بنت اشعث نے پلایا تھا اور
قیل فعلت ذالک بامر معاویۃ	کہا گیا ہے، کہ اس نے یہ فعل معاویہ کے
وقیل بامر یزید،	حکم سے کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ یزید
	کے حکم سے کیا تھا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۳ طبع یورپ، [2] ابوالفدار ج اول ص ۱۸۳،

اس بیان سے ظاہر ہے کہ ابوالفدار بھی امیر معاویہ کی جانب زہر خورانی کی نسبت صحیح نہیں سمجھتا، اس لئے پہلے اس نے اپنی رائے لکھی، اس کے بعد دوسری روایت محض روایتی حیثیت سے "قیل" کے ساتھ نقل کی ہے جو ضعف روایت کی دلیل ہے،

سب سے آخر میں ابن خلدون کی رائے پیش کیجاتی ہے، گو زمانہ کے لحاظ سے اس کا شمار متاخرین میں ہے، لیکن صحت روایت اصابت رائے اور تنقید کے اعتبار سے سب میں ممتاز ہے خصوصاً مشتبہ اور مختلف فیہ واقعات میں اسکی رائے فیصلہ کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ یہ اس قسم کے واقعات کی تنقید بھی کرتا جاتا ہے، اور دنیا میں فلسفۂ تاریخ کا پہلا امام ہے، اور اس لحاظ سے وہ پہلا شخص ہے جس نے دنیا کو فلسفۂ تاریخ سے آشنا کیا، چنانچہ حضرت حسنؓ کی دست برداری کے سلسلہ میں لکھتا ہے[1]

ثم ارتحل الحسن فی اھل بیته	حسنؓ خلافت سے دست برداری کے بعد)
وحشمھم الی المدینة وخرج	اپنے اہل بیت اور انکے خدام کو لیکر مدینہ چلے گئے،
اھل الکوفة لوداعه باکین	اور کوفہ والے روتے ہوئے ان کو رخصت
فلم یزل مقیما بالمدینة الی	کرنے کے لئے نکلے، اس وقت سے وفات تک
ان ھلك سنة تسع واربعین	وہ برابر مدینہ میں مقیم رہے، ۴۹ھ میں انھوں
وقال ابوالفرج الاصفھانی سنة	نے وفات پائی، اور ابوالفرج اصفہانی کا
احدی وخمسین علی فراشه	بیان ہے کہ ۵۱ھ میں اپنے بستر پر مدینہ میں
بالمدینة ومانیقل ان معاویة	وفات پائی، اور یہ روایت کہ معاویہ نے انکی
دس الیه السم مع زوجته	بیوی سے مل کر زہر دلایا، شیعوں کی

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۲،

جعدہ بنت الاشعث فهو من اختلاق	کی بنائی ہوئی ہے، حاشا معاویہ کی ذات سے
الشیعۃ وحاشا لمعاویۃ من ذالک	اسکو کوئی تعلق نہیں،

ان تمام مستند تاریخی شہادتوں کے بعد آخر مین یہ بحث تاریخ اسلام کے مشہور مجدد علامہ ابن تیمیہ حرانی کے فیصلہ پر ختم کیجاتی ہے، وہ لکھتے ہین :-

" بعض لوگون کا یہ کہنا کہ حسن کو معاویہ نے زہر دیا تھا کسی شرعی دلیل اور معتبر اقرار سے ثابت نہیں ہے، اور نہ کوئی قابل وثوق روایت سے اس کی شہادت ملتی ہے، اور یہ واقعہ ان واقعون مین ہے جس کی تہ تک نہیں پہنچا جا سکتا، اس لئے اس کے متعلق کچھ کہنا بے علم کی بات کہنا ہے، ہم نے اپنے زمانہ مین ایسی مثال بھی دیکھی ہے کہ ایک شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زہر سے مرا، اور ترکون وغیرہ نے اسکو زہر دیا، لیکن اس واقعہ مین لوگون کا بیان اسدرجہ مختلف ہے کہ اس بادشاہ کی جائے وفات اور قلعہ کی تعیین مین بھی اختلاف ہے جس مین وہ مرا، اور اس بارہ مین ہر شخص کا بیان ایک دوسرے سے مختلف ہے، ایک شخص کہتا ہے کہ فلان نے زہر دیا، دوسرا کہتا ہے کہ اس نے نہین بلکہ دوسرے شخص نے زہر دیا، کیونکہ یہ اس طرح پیش آیا، یہ واقعہ حال کا اور تمھارے زمانہ کا ہے، اور اس کے بیان کرنے والے وہ لوگ ہین، جو اس بادشاہ کے قلعہ مین موجود تھے، حضرت حسنؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو زہر دیا گیا، اور یہ ایسی موت ہے جس کا آسانی سے پتہ چل سکتا ہے، کیونکہ مسموم کی موت چھپی نہین رہتی، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی نے زہر دیا اور یہ مسلم ہے کہ ان کی وفات مدینہ مین ہوئی، اور معاویہ شام مین تھے، اس لئے زیادہ سے زیادہ کوئی بدگمان یہ گمان کر سکتا ہے، کہ معاویہؓ نے اس کے پاس زہر بھیجکر اسکو کھلانے کا حکم دیا، دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسنؓ

بکثرت طلاقیں دیتے تھے، اور کبھی ایک عورت کے پاس نہیں رہتے تھے، اس لئے ان کی بیوی نے فطرتاً نسوانی کے ماتحت عداوت میں انھیں زہر دیدیا، تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عورت کا باپ اشعث بن قیس در پردہ حضرت علیؓ اور حسنؓ کا مخالف تھا، اسلئے اسنے اپنی لڑکی کے ذریعہ سے زہر دلا دیا، اب اگر یہ کہا جائے کہ اشعث کو امیر معاویہؓ نے حکم دیا تھا، تو یہ محض ظن ہوگا، اور ظن مذہبًا بھی ممنوع ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ظن اکذب الحدیث ہے، اور باتفاق مسلمین شرعًا اور قانونًا بھی ظن پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس لئے مدعا اور ذاتًا اس پر کوئی حکم مترتب نہیں ہوتا، اور تیسرا سبب صریحًا باطل ہے، کیونکہ باختلاف روایت اشعث بن قیس ۴۰ھ یا ۴۱ھ میں مرا اسی لئے حسنؓ اور معاویہؓ کی صلح کے سلسلہ میں کہیں اس کا نام نہیں آیا ہے، اور یہ صلح عام الجماعت ۴۱ھ میں ہوئی ہے، اگر اس وقت زندہ ہوتا تو اس کا نام کسی نہ کسی سلسلہ میں ضرور آتا، اس لئے وہ اپنی موت کے دس سال بعد کس طرح اپنی لڑکی سے زہر دلا سکتا تھا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال[1]

ان شہادتوں کے بعد اس واقعہ پر مزید رد و قدح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اسکے متعلق تمام تاریخی شواہد کی اصل عبارتیں مع ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کر دی گئیں، وہ انھیں دیکھکر خود حق و باطل کا فیصلہ کر سکتے ہیں، لیکن اس بحث کے ختم کرنے سے پہلے ایک ضروری پہلو کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، یہ مسلم ہے کہ حضرت حسنؓ نہایت صلح جو اور صلح پسند تھے، جنگ و جدل سے انھیں طبعی نفرت تھی، اور اسی سے بچنے کے لئے وہ خلافت جیسے رفیع اعزاز سے دست بردار ہو گئے تھے، آپ کی دست برداری کے بعد خانوادۂ نبوت

---

[1] منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۲۵،

کے جس شخص مین کسی حد تک خلافت کی خواہش تھی، تو وہ حضرت حسینؓ کی ذات گرامی تھی، چنانچہ آپ نے حضرت حسنؓ کے صلح کرتے وقت ان کی مخالفت بھی کی تھی، لیکن حضرت حسنؓ نے انھین ڈانٹ کر خاموش کر دیا تھا اسلئے اگر امیر معاویہؓ آیندہ خطرہ سے بچنے کے لئے زہر دلواتے بھی تو حسینؓ کو جن کی طرف سے انکو دعوی خلافت کا خطرہ تھا، جیسا کہ انھون نے اپنے وصیت نامہ مین یزید کو آگاہ کیا تھا، یا حسنؓ کو جو ان کے حق مین دستبردار ہو گئے تھے، غرض عقلی اور نقلی دونون حیثیتون سے یہ روایت ناقابل اعتبار بلکہ بالکل ہی بے حقیقت ہی۔

(۲) دوسرا الزام بنو ہاشم کے ساتھ عموماً اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ خصوصاً بدسلوکی کا لگایا جاتا ہی لیکن یہ الزام بھی صریح افترا اور بہتان ہے، ممکن ہے، خاندانی عصبیت کی وجہ سے امیر معاویہ بنو ہاشم کو اچھا نہ سمجھتے ہون لیکن ان کے ظاہری اعزاز و احترام مین انھون نے کبھی کوئی فرق نہین آنے دیا، خصوصاً حسنؓ کی دستبرداری کے بعد وہ بنو ہاشم سے جس حسن سلوک اور تحمل سے پیش آتے تھے وہ نہ صرف قابل ستایش بلکہ حد درجہ حیرت انگیز ہی، یہ ممکن ہی کہ ان کا یہ طرز عمل پولیٹکل اغراض کی بنا پر ہو لیکن اس سے کوئی تاریخ دان حق پرست انکار نہین کرسکتا، کہ امیر معاویہؓ کا طرز عمل بنو ہاشم اور اہل بیت نبویؐ کے ساتھ حد درجہ شریفانہ اور متحملانہ تھا،

اب واقعات سے اس کی مثالین ملاحظہ ہون، جب حسنؓ خلافت سے دستبردار ہوتے ہین تو شرائط صلح مین ایک اہم دفعہ یہ ہوتی ہے کہ تمام بنی ہاشم کو وظائف دیئے جائینگے اور ان وظائف مین انھین بنی امیہ کے افراد پر ترجیح حاصل ہوگی[۱]

اپنی وفات کے وقت انھون نے حضرت حسینؓ کے بارہ مین جو وصیت کی تھی وہ

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۲۱۔

۔۔۔س طور پر قابل لحاظ ہو اس کے الفاظ یہ ہین کہ عراق والے حسینؓ کو تمھارے مقابلہ میں لاکر چھوڑینگے ۔۔۔ین جب وہ تمھارے مقابلہ مین آئین اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار ہین، ان کا بڑا حق ہو، وہ رسول اللہ کے عزیز ہین[1]،

بنو ہاشم کو ان کی ضرورت کے اوقات مین بڑی بڑی رقمین دیتے تھے، اور اس احسان کے باوجود ان کی درشت کلامی بھی برداشت کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے برادر اکبر حضرت عقیلؓ کو ۴۰ ہزار درہم کی ضرورت ہوئی، یہ حضرت علیؓ کے پاس گئے، یہان کیا تھا آپ نے اپنے وظیفہ کی برآورد تک انتظار کرنے کو کہا، لیکن اولاً وظیفہ کی رقم ان کے مطالبہ کے مقابلہ مین بہت قلیل تھی، پھر اس کے لئے وقت درکار تھا، اس لئے عقیل معاویہ کے پاس پہنچے، امیر معاویہ نے ان سے پوچھا تم نے علیؓ کو کیسا پایا، جواب دیا وہ رسول اللہ صلعم کے صحیح صحابی ہین، بس صرف اس قدر کمی ہے کہ آنحضرت صلعم ان مین نہین ہین، اور تم اور تمھارے حواری ابوسفیان اور اس کے حواریون کی طرح ہو، امیر معاویہؓ نے اپنے باپ پر یہ طعن سننے کے بعد بھی انھین پچاس ہزار درہم دیئے[2]،

بنو ہاشم کے مرد تو مرد عورتین تک امیر معاویہ کے رو در رو انھین سخت الفاظ کہتی تھین، امیر نہایت تحمل سے ان کو سنتے تھے، اور ان کی فرمایشین پوری کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی چچیری بہن اروی ان کے پاس آئین، معاویہ نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا، اور کہا خالہ مرحبا، مزاج گرامی کیسا ہو، انھون نے جواب دیا اچھی ہون، اور اہل بیت کے فضائل اور معاویہ کی مذمت پر ایک پرجوش تقریر کی، عمرو بن العاصؓ بیٹھے تھے، ان سے نہ سنا گیا، بول اٹھے کہ گمراہ بوڑھی تیری عقل جاتی رہی ہو زبان بند کر اروی نے اس کے

---

[1] طبری ج ۷ ص ۱۹۰ و الفخری ص ۱۰۲ [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳

جواب مین عمرو بن العاصؓ کی بری طرح خبر لی، اور ان کی مان اور ان کے نسب سے متعلق نہایت فحش باتین سنا کر بولین کہ تیری یہ مجال کہ میرے سامنے منہ کھولے امیر معاویہ نے بیچ مین پڑکر دونون کو خاموش کردیا کہ اب ان گذری ہوئی باتون کو جانے دیجئے، اور اپنی ضرورت بیان کیجئے، اروی نے کہا مجھکو چھ ہزار دینار کی ضرورت ہے ۲ ہزار مفلس بنی حارث کیواسطے نہر خریدنے کے لئے، اور دو ہزار ان کے نادارون کی شادی مین صرف کرنیکے لئے، اور ۲ ہزار وقت بے وقت ضرورتون کے لئے امیر معاویہ نے اسی وقت چھ ہزار کی رقم ان کے حوالہ کی اور یہ اسکو لیکر واپس گئین[۱]،

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جو ہاشمی خاندان کے بڑے صاحب کمال اور صاحب دماغ بزرگ تھے، بنی امیہ کے ساتھ تعصب رکھتے تھے، اور ان کی یہ روش شروع سے آخر تک برابر قائم رہی اور جب جب بنی امیہ اور بنی ہاشم کے مقابلہ کا سوال ہوا تو حضرت عبد اللہ کی عصبیت ظاہر ہوتی رہی، چنانچہ جنگ صفین مین حضرت علیؓ کی حمایت مین میدان جنگ مین آئے، اور بصریون کی ایک جماعت اپنے ساتھ لائے، پھر ثالثی مین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو عمرو بن العاصؓ کی چال سے بچنے کی ہدایت کی، اور جناب امیرؓ کی زندگی مین ان کی جانب سے بصرہ کے والی رہے غرض جناب امیر اور معاویہؓ کے اختلاف کے زمانہ مین عبد اللہ بن عباسؓ کی حیثیت نہ صرف جناب امیرؓ کے معمولی حامی کی تھی، بلکہ وہ امیر معاویہ کے سخت مخالف تھے، لیکن ان مخالفتون کے باوجود حضرت حسنؓ کی دست برداری سے کچھ قبل جب انھون نے امیر معاویہ کے پاس اپنی جان اور اپنے اہل وعیال کی امان کے بارہ مین خط لکھا، تو امیر معاویہ نے اسکو بخوشی منظور کرلیا، اور ان سے کوئی تعرض نہین کیا[۲]،

---

[۱] ابوالفدا ج اول ص ۱۰۸، [۲] طبری ج ۷ ص ۲،

مشہور شیعی مورخ محمد بن علی بن طباطبا المعروف بہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ

"اشراف قریش میں عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن جعفر طیار

عبد اللہ بن عمرؓ، عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، آبان بن عثمانؓ اور آل ابی طالب کے افراد

معاویہ کے پاس دمشق آیا کرتے تھے، یہ ان سب کی بزرگ داشت اور اعلیٰ پیمانہ پر ان کی

مہمان نوازی کرتے تھے، انکی تمام ضروریات پوری کرتے، اس کے بدلہ میں یہ لوگ ہمیشہ ان سے

سختی کے ساتھ گفتگو کرتے اور چین بجبین رہتے لیکن امیر معاویہ ان گفتگوؤں کو کبھی

مذاق میں اڑا دیتے اور کبھی ٹال جاتے، اور اس کے جواب میں بیش قیمت تحائف اور

بڑی بڑی رقمیں دیتے[1]"

ان صریح شہادتوں کے بعد امیر معاویہ پر اہل بیت اور بنو ہاشم کے ساتھ ناروا سلوک

کرنے کا الزام لگانا کس قدر ظلم ہے!

(۳) تیسرا الزام حضرت علیؓ پر سب و شتم کا ہے، لیکن یہ الزام تنہا امیر معاویہ پر عائد

نہیں ہوتا، حضرت علیؓ اپنی تحریروں اور تقریروں میں سخت سے سخت الفاظ ان کے لئے

استعمال کرتے تھے، آج بھی آپ کے خطبات اس کے شاہد عادل ہیں حضرت علیؓ تو خیر

ان سے بلند و برتر تھے، ان کے منہ پر یہ باتیں زیب بھی دیتی تھیں، لیکن وہ حامیان علیؓ

بھی جو معاویہ کی خاک پاک کے برابر بھی نہ تھے کوئی بدکلامی امیر کی شان میں اٹھا نہ رکھتے

تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ دو مقابل کے حریفوں میں ایک کی بدگوئی کا الزام دوسرے پر رکھنا

فطرت انسانی سے جہل کا ثبوت ہے، یہ تقاضائے فطرت ہے کہ جب دو آدمیوں کا اختلاف

دشمنی کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو دونوں اخلاقی حدود کو توڑ کر ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر اتر آتے ہیں

---

[1] الفخری ص ۱۰۴

اس لئے امیر معاویہ یا حضرت علیؓ پر ایک دوسرے کے سب وشتم کا الزام رکھنا فطرت انسانی پر الزام ہے، غالباً ناظرین کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوگی کہ امیر معاویہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں جنگ آزما ہونے کے بعد بھی ان کے تمام فضائل کے معترف تھے، اور انھون نے بارہا اور برملا ان کا اعتراف کیا، جنگ صفین کی تیاریون کے وقت جب ابو مسلم خولانی انکو سمجھانے کے لئے گئے، اور کہا معاویہ مین نے سنا ہے کہ تم علیؓ سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہو، تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہین ہے، پھر کس برتے پر اٹھوگے تو انھون نے صاف صاف اعتراف کیا کہ مجھے اس کا دعویٰ نہین ہے کہ مین فضل مین ان کے مثل ہون مین تو صرف قاتلین عثمانؓ کو مانگتا ہون[1]، اپنی وفات کے کچھ دنون پہلے انھون نے مجمع عام مین جو تقریر کی تھی اس کے الفاظ یہ تھے، کہ میرے بعد آنے والا مجھ سے بہتر نہین ہوگا جیسا کہ مین اپنے پیشیرو سے بہتر نہین ہون[2]،

(۴) چوتھا اہم الزام یہ ہے کہ انھون نے بعض اکابر صحابہ کو قتل کیا، اور بہتون کی توہین وتذلیل کی،

لیکن یہ الزام بھی اپنے مفہوم کی صحت کے لحاظ سے بادر ہوا ہے، اکابر صحابہ کی بڑی جماعت ان دونون کے اختلاف کے پہلے ہی واصل بحق ہو چکی تھی، اکابر صحابہ مین اسوقت جو بزرگ باقی رہ گئے تھے، ان مین سے بہتیرے آنحضرت صلعم کے اس فرمان کے خوف سے کہ "اگر دو مسلمان لڑین تو دونون جہنمی ہین،" خانہ نشین ہوگئے تھے، اور حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کے ساتھ شریک نہ ہوئے،

چنانچہ عشرہ مبشرہ مین حضرت سعد بن ابی وقاصؓ شروع سے آخر تک جس قدر خانہ جنگیان

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۲، [2] ابن الاثیر ج ۴ ص ۲ مطبوعہ یورپ،

ہوئین کسی مین بھی شریک نہ ہوئے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی لیکن جب حضرت علیؓ جنگ جمل کے لئے روانہ ہوئے اور لوگون نے انکو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو انھون نے صاف جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے ایسی تلوار تبا دو جو مسلم اور کافر مین امتیاز کرسکے[1] ان کے لڑکے عمر بن سعد نے ان سے کہا کہ آپکو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آپ جنگل مین اونٹ چرائین، اور لوگ بادشاہت اور حکومت کے لئے اپنی اپنی قسمت آزمائین، حضرت سعدؓ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارکر فرمایا، خاموش! مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ خدا خاموش گمنام اور پرہیزگار بندہ کو محبوب رکھتا ہے[2] پھر جنگ صفین مین امیر معاویہؓ نے ان کو ملانا چاہا لیکن انھون نے انکار کردیا[3]،

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ دونون عشرہ مبشرہ مین تھے اور جنگ جمل کے ہیرو تھے لیکن آغاز جنگ کے بعد میدان سے نکل آئے، اور اشقیا نے ان کی واپسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر شہید کردیا[4]،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جو اپنے فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے اپنے عہد مین اپنی مثال نہ رکھتے تھے، جنگ جمل و صفین کسی مین بھی شریک نہ ہوئے لیکن چونکہ حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتے تھے، اس لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی، مگر آپ سے یہ شرط کرلی تھی کہ وہ جنگ مین ساتھ نہ دین گے، اور جناب امیرؑ نے انھین اس کی اجازت بھی دیدی تھی[5]،

حضرت اسامہؓ بن زید جنکو آنحضرت صلعم کے ساتھ قرب و اختصاص کی وجہ سے

---

[1] ابن سعد جزو ۳ ق اول ترجمہ سعد بن ابی وقاص، [2] الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ صفحہ ۳۱۵ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۹۲، [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص مناقب طلحہؓ و زبیرؓ، [5] ایضاً ص ۵۵۸،

رکن اہلِ بیت ہونے کی حیثیت حاصل تھی جنگِ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے اور حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ شیر کی ڈاڑھ میں گھستے تو بھی میں آپ کے ساتھ گھس جاتا لیکن اس معاملہ میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا[1]،

حضرت احنف بن قیسؓ جب علیؓ کی امداد کے لئے آرہے تھے اتفاق سے حضرت ابوبکرہؓ سے ملاقات ہو گئی انھوں نے ان کو روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں[2]،

حضرت عمران بن حصینؓ جن کا شمار فضلا اور فقہائے صحابہ میں تھا، خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہ کرتے تھے[3]،

جب جنگِ صفین کے لئے حضرت علیؓ نے تیاریاں شروع کیں اور منبر پر چڑھکر لوگوں کو شرکتِ جنگ پر آمادہ کرنا شروع کیا تو بہت سے لوگ آمادہ ہو گئے، لیکن عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں اور چار سو قاریوں نے کہا امیر المومنین ہم کو آپ کے فضائل کا اعتراف ہے، لیکن اس قتال میں ہمیں شک ہے، (یعنی اس جنگ میں شرکت جائز ہے یا ناجائز) اسلئے ہمیں انھیں شریک کرنیکے بجائے حفاظت کے لئے سرحدوں کا والی بنا دیجئے، اس جواب پر آپ نے پھر کوئی اصرار نہیں کیا، اور ان کی مرضی کے مطابق قزوین و رے وغیرہ کی سرحدوں پر مامور کر دیا[4]،

بعض صحابہ ایسے بھی تھے جو شریک تو ہو گئے تھے، مگر چونکہ دل سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا برا سمجھتے تھے اس لئے آخر تک مذبذب رہے، اور اسی تذبذب کی وجہ سے

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۳، [2] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاہلیہ، [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۹ و استیعاب ج ۲ ص ۴۶۸، [4] اخبار الطوال ص ۱۷۵،

شرکت کے باوجود میدان جنگ مین ناکام رہے، چنانچہ حضرت سہیلؓ بن حنیف جنگ صفین مین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے لیکن لوگ ان پر جنگ سے پہلو تہی کا الزام لگاتے تھے، چنانچہ جب یہ صفین سے لوٹے اور لوگ ان سے حالات پوچھنے آئے تو انھون نے اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ ہم نے جب کسی مہم کے لئے کندھے پر تلوار رکھی تو خدا نے آسان کر دی، لیکن یہ جنگ ایسی ہو کہ جب ہم مشک کا ایک منہ بند کرتے ہین، تو دوسرا کھل جاتا ہی[1]

ان واقعات کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ محتاط صحابہ کی بڑی جماعت ان خانہ جنگیون مین شریک ہی نہ تھی تاہم اس سے انکار نہین کہ پھر بھی بہت صحابہ شریک بھی تھے، لیکن یہ شرکت کسی ایک فریق کے ساتھ مخصوص نہ تھی سوال صرف کثرت وقلت کا تھا، اور جب دونون طرف صحابہ تھے تو تنہا ایک فریق پر قتل صحابہ کا الزام رکھنا کس طرح صحیح ہے ؟، اور پھر جب دو حریف میدان مین آتے ہین، تو دونون ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے ہین، اسلئے اس وقت رتبہ کا سوال نہین رہ جاتا، کہ فلان آدمی کو مارنا چاہیے کہ وہ عامی ہو اور فلان کو نہ مارنا چاہیے کہ وہ صحابی ہے، جنگ مین یہ تمام فرق وامتیازات اٹھ جاتے ہین،

اس الزام کا دوسرا ٹکڑا بھی کہ امیر معاویہ نے صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا، صحیح نہین، مطلقاً صحابہ کا تو سوال الگ ہے، خود ان صحابہ کیساتھ جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے امیر معاویہ کا کوئی نازیبا سلوک نہین بتایا جاسکتا ہے، خود بنو ہاشم جو تمامتر حضرت علیؓ کیساتھ تھے اور بہت سے اکابر قریش جو کم از کم امیر معاویہ کے مخالف تھے ان کے ساتھ امیر معاویہ کے حسن سلوک کی سند اوپر گذر چکی ہے کہ وہ ان کی تلخ سے تلخ باتین سنتے تھے اور پی

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ حدیبیہ،

جاتے تھے، بلکہ اس کے جواب میں انھیں ہدایا و تحائف دیتے تھے، اور ان کی امداد کرتے تھے، صحابہ کی جو جماعت صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھی ان میں زیادہ تر انصاری تھے، اسلئے فطرت کا تقاضا یہ تھا کہ امیر معاویہ اپنے زمانہ حکومت میں انصار سے اس کا بدلہ لیتے یا کم از کم ان کے ساتھ جو برائی کر سکتے تھے کرتے لیکن ہمیں ایک مثال بھی انصار کے ساتھ بدسلوکی کی نہیں ملتی، بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی سختیاں برداشت کرتے تھے، اور مسلوک ہوتے تھے،

ایک مرتبہ انھوں نے ایک انصاری کے پاس پانسو دینار بھیجے، ان بزرگ نے اس کو کم سمجھا اور اپنے لڑکے کو قسم دلاکر کہا کہ اس کو لیجاکر معاویہ کے منہ پر کھینچ کے مارو اور واپس کردو، چنانچہ یہ تھیلی لیکر امیر معاویہ کے پاس آئے اور کہا، امیر المومنین میرے والد بڑے تندمزاج ہیں، انھوں نے قسم رکھا کر مجھے ایسا ایسا حکم دیا ہے، اب میں اس حکم کی کس طرح مخالفت کروں؟ امیر معاویہ نے اپنے چہرہ پر ہاتھ رکھ کے کہا کہ بیٹے اپنے باپ کا حکم پورا کرو، لیکن اپنے چچا کے ساتھ نرمی کرنا یعنی زور سے کھینچ کر نہ مارنا، لڑکا یہ حلم دیکھکر شرما گیا، اور تھیلی وہیں پھینک دی، اس کے بعد امیر معاویہ نے رقم دونی کرکے پھر دوبارہ ان انصاری بزرگ کے پاس بھجوائی، یزید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بھرا ہوا آیا اور کہا کہ آپ کا حلم اب اتنا بڑھتا جاتا ہے کہ کمزوری اور بزدلی بنجانے کا خوف ہے، انھوں نے جواب دیا کہ صاحبزادے حلم کی وجہ سے کبھی ندامت اور ذلت نہیں اٹھانا پڑتی، تم اپنے طرز پر رہو، لیکن مجھے میرے رائے پر چھوڑ دو[1]، علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ معاویہ پر حلم غالب تھا اور اسی کی وجہ سے ان مہاجر و انصار کے لڑکوں کی گردنیں جو اپنے کو معاویہ سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتے تھے ان کے سامنے جھک گئی تھیں[2]،

---

[1] الفخری ص ۹۷، [2] ایضاً ص ۹۷ و ۹۸،

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ مدینہ گئے، حضرت ابو قتادہؓ سے ملاقات ہوئی، امیر نے ان سے پوچھا کہ تمام اہل مدینہ مجھ سے ملے، مگر انصار نہیں ملے، انھون نے جواب دیا سواری نہ تھی، معاویہ نے پوچھا کیون؟ سواریان کیا ہوئین؟ انھون نے جواب دیا کہ بدر کے دن تمھارے اور تمھارے باپ کی تلاش مین فنا ہو گئین، پھر کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ہم لوگون سے فرمایا تھا کہ تم لوگ ہمارے بعد ترجیح دیکھوگے، معاویہ نے پوچھا پھر ایسی حالت مین تمھین کس چیز کا حکم دیا تھا، فرمایا تھا صبر کرنا، معاویہ نے کہا اچھا صبر کرو۔[1]

اکثر صحابہ ان کو ان کی لغزشون پر ٹوکتے تھے، اور سرزنش کرتے تھے، لیکن انھون نے کبھی ان کو کوئی سخت جواب نہین دیا بلکہ ہمیشہ اپنی کمزوری دور کرنے کی کوشش کی،

ایک مرتبہ حضرت مقدامؓ بن معدیکرب، عمرو بن اسود اور ایک بنی اسد کا آدمی تینون ان کے پاس وفد کی صورت مین آئے، مقدام نے کہا معاویہ مین چند باتین کہنا چاہتا ہون، اگر سچ ہون تو تصدیق کرنا، اور جھوٹ ہون تو رد کر دینا، انھون نے کہا فرمایئے، مقدام نے کہا مین تم سے خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہون کیا آنحضرت صلعم نے حریر پہننے سے منع نہین کیا؟ کہا ہان، پوچھا مین تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہون، تم نے آنحضرت صلعم سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہین سنی؟ کہا ہان، پوچھا مین تمھین قسم دیکر پوچھتا ہون کہ آنحضرت صلعم نے درندون کی کھال پہننے اور اس کے بچھانے سے منع نہین فرمایا؟ کہا ہان، مقدام نے کہا معاویہ خدا کی قسم مین یہ تمام چیزین تمھارے گھر مین دیکھتا ہون، اس پر امیر معاویہ نے کہا مقدام مجھکو یقین ہو کہ میری تمھارے سامنے پیش نہ چلیگی، اور ان کو ان کے دونون ہمراہیون سے زیادہ صلہ دیا،[2]

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۰۱، [2] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور،

ایک مرتبہ حضرت ابو مریمؓ ازدی نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہو کہ خدا جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردہ مین بیٹھ جائے تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی حاجتون کے سامنے پردہ ڈال دیگا، امیر معاویہ پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ لوگون کی حاجت برآری کے لئے ایک مستقل شخص مقرر کر دیا،[1]

غرض اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین جن سے صحابہ کے مقابلہ مین امیر معاویہ کے ضبط و تحمل کا پورا ثبوت ملتا ہو، صحابہ کے مقابلہ مین امیر معاویہ کا تحمل تاریخی مسلمات مین ہے، جس سے کوئی تاریخ دان انکار کر ہی نہین سکتا، تمام مورخین اس پر متفق ہین کہ امیر معاویہ حد درجہ حلیم و بردبار تھے، خصوصًا اکابر قریش اور صحابہ کے مقابلہ مین ان کا تحمل کمزوری کی حد تک پہنچ جاتا تھا، ان تاریخی حقایق کے بعد امیر معاویہ پر صحابہ کے ساتھ ناروا سلوک کا الزام لگانا کہانتک صحیح ہو، بہت ممکن ہو بعض مثالین اس قسم کی بھی مل جائین، لیکن ایک دو مثال سے عام حکم نہین لگ سکتا اور اگر صرف ایک دو مثالون سے حکم لگایا جاسکتا ہو تو پھر ان واقعات کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے گا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو اپنے مرتبہ کے لحاظ سے صحابہ کی صف مین ممتاز شخصیت رکھتے تھے، جنگ جمل کے زمانہ مین آنحضرت صلعم کا یہ فرمان سناتے پھرتے تھے، کہ لوگو فتنہ کے زمانہ مین سونے والا کھڑے ہونے والے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو، جب حضرت حسنؓ اہل کوفہ کو حضرت علیؓ کی امداد و اعانت پر آمادہ کرنے کے لئے آئے اور ابو موسیٰؓ کو منبر پر یہ وعظ کہتے سنا تو انکو مسجد سے نکالدیا،[2]

اسی طرح حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ جنھین عشرہ مبشرہ ہونے کا فخر حاصل تھا،

---

[1] ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۴،

جناب امیر کا طرزِ عمل پسندیدہ نہ تھا،

پانچوان الزام یہ لگایا جاتا ہو کہ امیر معاویہ کا طرزِ حکومت نہایت جابرانہ تھا، لیکن عمومی حیثیت سے یہ الزام بھی صحیح نہین، اسکی حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، امیر معاویہ کے زمانہ مین انقلاب پسندون پر جوان کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے بیشک سختیان ہوئین لیکن امن پسند رعایا کے ساتھ ان کا طرزِ حکومت نہایت مشفقانہ تھا، بلکہ حکومت کے ہواخواہون پر ہمیشہ ان کا ابرِ کرم برستا تھا، امیر معاویہ بڑے مدبر اور عاقبت اندیش فرمان روا تھے، اسلئے وہ کسی جماعت پر بلا وجہ ناروا ظلم کرہی نہین سکتے تھے، رعایا پر نرمی اور سختی کے بارہ مین انکا یہ اصول تھا،

قال سعید بن العاص سمعت	سعید بن العاص بیان کرتے ہین کہ امیر معاویہ
معاویہ یوما یقول لا اضع	کہتے تھے کہ جہان میرا کوڑا کام دیتا ہو وہان
سیفی حیث یکفینی سوطی	تلوار کام مین نہین لاتا، اور جہان زبان کام
ولا اضع سوطی حیث یکفینی	دیتی ہو، وہان کوڑا کام مین نہین لاتا، اگر میرے
لسانی ولوان بینی وبین الناس	اور لوگون کے درمیان بال برابر بھی رشتہ قائم
شعرۃ ما انقطعت قیل وکیف	ہو تو مین اس کو نہ توڑ دون، لوگون نے پوچھا
یا امیر المومنین قال کانوا	امیر المؤمنین یہ کس طرح جواب دیا جب وہ
اذا مدوھا خلیتہا واذا	لوگ اسکو کھینچین تو مین ڈھیل دیدون اور
خلوھا مددتہا وکان	جب وہ ڈھیل دین تو مین کھینچ لون اور جب
اذا بلغہ عن رجل ما یکرہ	کسی آدمی کی کوئی ناگوار بات انھین معلوم
قطع لسانہ بالاعطاء،	ہوتی تھی تو انعام واکرام کے ذریعہ سے اسکی

یہ صرف الفاظ ہی نہیں ہیں، بلکہ تاریخ اس کی صداقت پر لفظ بہ لفظ شاہد ہے کہ وہ حد درجہ حلیم المزاج تھے اور جب تک پانی سر سے اونچا نہ ہو جاتا تھا، اس وقت تک وہ ضبط و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے، علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ حلم کے موقعہ پر حلم سے اور سختی کے موقعہ پر سختی سے کام لیتے تھے لیکن حلم کا پہلو غالب تھا[1] ایسی حالت میں امیر پر ارادۃً ظلم و ستم کا الزام لگانا کس حد تک صحیح ہو سکتا ہے، تاریخ سے ایک مثال بھی ان کے حلم کے خلاف نہیں پیش کی جا سکتی تھی،

اس الزام کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ امیر معاویہ کی ذات نہیں بلکہ ان کے عمال اور حکام جابر تھے، تو کلیہ کی صورت میں یہ بھی صحیح نہیں، یہ الزام بھی پولیٹکل اختلافات نے تراشا ہے، ورنہ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے، عام دنیاوی فرمانرواؤں کی طرح ان کے عمال بھی کچھ فطرۃً سخت گیر اور جور پسند تھے اور کچھ نرم دل اور متحمل مزاج، سخت گیر عمال کی سختیاں ان کی طبعی سرشت کا نتیجہ تھیں، ان سے امیر کے طرز جہانبانی کو کوئی تعلق نہیں لیکن انکی سختیاں بھی انھیں لوگوں تک محدود تھیں جو بنی امیہ کی حکومت مٹانا چاہتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سے بعض بعض عمال کی سختیاں ناجائز حدود تک پہنچ جاتی تھیں، لیکن ایک دنیاوی حکومت کے لئے یہ کوئی بڑا الزام نہیں ہے، امیر معاویہ کے تمام عمال پر فرداً فرداً بحث بہت طویل ہو جائیگی، اس لئے اس موقعہ پر مثالاً محض چند مشہور عمال کے طرز حکومت کے حالات پیش کئے جاتے ہیں، اس سے کچھ نہ کچھ ان کے عمال کے طرز حکومت کا اندازہ ہو جائیگا، امیر کے عاملوں میں مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابی سفیان، عمرو بن العاص اور بسر بن ابی ارطاۃ زیادہ پولیٹکل تھے اسلئے یہی لوگ مورد طعن بھی ہیں،

---

[1] الفخری، ص ۹۵

مغیرہ بن شعبہ کا یہ حال ہے کہ وہ پہلے حضرت علیؑ کے طرفدار تھے، مگر آپ نے انکے خیر خواہانہ اور مفید مشوروں کو مسترد کر دیا، اس لئے وہ امیر معاویہ کے ساتھ ہو گئے[۱] اور اسی لئے وہ بدنام ہیں، ورنہ ان کے مظالم کی کوئی مثال نہیں پیش کیجا سکتی، مغیرہ حتی الامکان امیر معاویہ کے مخالفوں کے ساتھ بھی سختی نہ کرتے تھے، اور سختی کے بجائے افہام وتفہیم سے کام لیتے تھے، خارجی جناب امیر کی طرح امیر معاویہ کے بھی دشمن تھے، جب انھوں نے امیر کے حدود سلطنت میں سر اٹھایا تو مغیرہ نے جارحانہ کارروائی سے پہلے حسب ذیل تقریر کی:۔

"لوگو، میں ہمیشہ تمھاری عافیت مد نظر رکھتا ہوں اور مصیبتوں کو تم سے روکتا ہوں" مجھکو خطرہ ہے کہ اس طرز عمل سے احمق بدآموز نہ ہو جائیں، ہاں اچھے اور حلیم اشخاص سے مجھے یہ امید نہیں ہے، خدا کی قسم مجھکو خطرہ ہے کہ میں جاہل احمقوں کے ساتھ سنجیدہ بھلے اور ناکردہ گناہ آدمیوں کے مواخذہ پر مجبور نہ ہو جاؤں، اس لئے تم لوگ اس عام مصیبت کے آنے سے پہلے اپنے احمق لوگوں کو روکو"[۲]

مغیرہ سے زیادہ جفاکار اور ستم شعار زیاد سمجھا جاتا ہے، اس کی جفاکاری اس حد تک صحیح ہے کہ انقلاب پسندوں کے ساتھ اس کا جور اعتدال سے بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا، ورنہ عام رعایا کیساتھ اس کا طرز عمل بھی مشفقانہ تھا، اس کا اندازہ اس تقریر سے کیا جا سکتا ہے، جو اس نے بصرہ کی گورنری کے تقرر کے وقت کی تھی،

علامہ دینوری لکھتے ہیں کہ جب زیاد بصرہ پہنچا تو جامع مسجد میں حمد و ثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی:۔

---

[۱] استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ [۲] طبری ج ۷، ص ۳۲،

"میرے اور قوم کے درمیان کینہ تھا، لیکن آج مین نے اس کو اپنے پاؤن کے نیچے دبا دیا ہین کسی سے محض عداوت کی بنا پر مواخذہ نہ کرونگا، اور نہ کسی کی پردہ دری کرونگا تاآنکہ وہ خود میرے سامنے بے نقاب ہو جائے، بے نقاب ہونے کے بعد بھی مین اس کو نظر انداز کرونگا، تم مین سے جو محسن ہو اسکو اپنے احسان مین زیادتی کرنی چاہئے، اور جو برا ہو اس کو اپنی برائیان دور کرنی چاہئین، خدا تم لوگون پر رحم کرے تم لوگ اپنی اطاعت اور فرمان برداری سے میری مدد کرو"[۱]

لیکن زیاد کی جفا کاری کا الزام امیر معاویہ کے سر منڈھنا صحیح نہین ہے، اس نے جو زیادتیان کین وہ اس کی جبلی درشتی طبع کا نتیجہ تھین، چنانچہ جب وہ حضرت علیؓ کا طرفدار تھا، اس وقت علی الاعلان امیر معاویہ کو نہایت سخت وسست کہتا تھا، جنگ صفین کے زمانہ مین یہ حضرت علیؓ کیجانب سے فارس کا حاکم تھا، امیر معاویہ نے اسے اپنے ساتھ ملانے کیلئے ڈرایا دھمکایا، اس کے جواب مین اس نے لوگون کو جمع کرکے تقریر کی کہ لوگو نفاق کا سرچشمہ اور جگر خوار کا بچہ مجھکو دھمکاتا ہے میرے اور اس کے درمیان رسول اللہ صلعم کے ابن عم اور ان کے نوے ہزار ہتھیار بند شیعہ ہین، اگر اس نے کوئی بد ارادہ کیا تو تلوار اسکا فیصلہ کریگی ہے[۲]

اسی طرح عمرو بن العاصؓ کی پولیٹکل چالون سے قطع نظر کرکے ان کو جفا کار کی صورت مین پیش کرنا صحیح نہین ہے، سلسلہ سیر الصحابہ کے حصہ مہاجرین مین ان کے مفصل حالات لکھے جا چکے ہین، اس مین انکی پوری زندگی پر ریویو کیا گیا ہے، ہم کو ان کے ظلم کی کوئی مثال بھی نہین ملتی،

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۳۳ [۲] اخبار الطوال

تاہم اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ بسر بن ابی ارطاۃ وغیرہ بعض عمال یقیناً جفا کار تھے انھون نے بے شبہہ مظالم کیے لیکن ان بعض مثالون سے علی الاطلاق سب پر یکسان حکم لگا دینا صحیح نہین ہو، بلکہ عام حکمرانون کی طرح امیر کے عمال بھی کچھ عدل پرور اور نرم خو تھے اور کچھ سنگدل اور جفا پیشہ اگر ایک طرف بسر بن ابی ارطاۃ اور زیاد تھے تو دوسری طرف ان کے بالمقابل، عبد اللہ بن عامر بھی تھے، جو اپنی طبعی نرمی کی وجہ سے شورش پسندون پر بھی سختی نہ کرتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بغاوت پسند ان کے قابو مین نہ آتے تھے اور ملک مین بدامنی پھیلاتے تھے، علامہ ابن اثیر لکھتے ہین کہ

"۴۴ھ مین عبد اللہ بن عامر والی بصرہ معزول کر دیئے گئے، کیونکہ وہ نہایت حلیم الطبع کریم النفس اور نرم خو تھے اور مفسد اور احمقون پر بھی سختی نہ کرتے تھے اس لئے بصرہ کی فضا خراب ہو گئی تھی، انھون نے زیاد سے اس کی شکایت کی، زیاد نے تلوار بے نیام کرنے کا حکم دیا، عبد اللہ نے جواب دیا کہ مین اپنا نفس خراب کر کے ان کی اصلاح کرنا پسند نہین کرتا"[1]

اتنی مثالین غالباً امیر معاویہ کی "جابرانہ حکومت" کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہونگی لیکن ابھی یہ بحث ختم نہین ہوتی، بلکہ امیر معاویہ کے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے اس کی تحقیق ضروری ہو کہ ظالم عاملون کے ساتھ امیر معاویہ کا طرز عمل کیا تھا، اور وہ ظالمانہ واقعات پیش آنے پر کیا صورت اختیار کرتے تھے، اگر وہ مظالم کا تدارک کرتے تھے، تو پھر وہ ظالم حکمرانون کی صف مین نہین شمار کئے جا سکتے، یہ تسلیم ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ مین مظالم بھی ہوئے لیکن انھون نے ان کی پوری دادرسی کی،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۷۷،

عبداللہ بن عمرو بن غیلان ان کی جانب سے بصرہ کا والی تھا، ایک مرتبہ یہ تقریر کر رہا تھا دوران تقریر بین ایک ضبی نے اس پر ایک کنکری کھینچ کر ماری عبداللہ نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا، اس واقعہ کے بعد جب عبداللہ امیر معاویہ کے پاس گیا تو بنو ضبہ بھی شکایت لیکر پہنچے کہ عبداللہ نے ہمارے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، امیر نے ان سے کہا اس کا قصاص تو نہین لیا جا سکتا البتہ مین ہاتھ کی دیت ادا کرتا ہون، چنانچہ ہاتھ کی دیت دی، اور عبداللہ کو بصرہ سے معزول کر دیا،[1]

امیر معاویہ کے عمال ظلم کر بھی نہین سکتے تھے کیونکہ معاویہؓ اسکے تدارک مین بڑا اہتمام تھا چنانچہ وہ روزانہ مظالم کی تحقیقات اور مظلومون کی دادرسی کیلئے خانہ خدا مین بیٹھتے تھے، اور بلا امتیاز ہر کس و ناکس اپنی اپنی شکایتین پیش کرتا تھا، امیر انھین سنکر ان کا تدارک کرتے تھے، علامہ مسعودی امیر معاویہؓ کے شبانہ یوم کے معمولات کے سلسلہ مین لکھتے ہین :-

ثم یخرج فیقول یا غلام اخرج	پھر (معاویہ گھر سے) نکلتے اور غلام کو کرسی نکالنے
الکرسی فیخرج الی المسجد فیوضع	کا حکم دیتے، چنانچہ مسجد مین کرسی نکالی جاتی
فیسند ظهره الی المقصورة	اور معاویہ مقصورہ کی ٹیک لگا کر کرسی پر
ویجلس علی الکرسی ویقوم	بیٹھ جاتے، اور ان کے سامنے مقدمات و
الاحداث فیتقدم الیه	حادثات پیش ہوتے، اس مین کمزور و ناتوان
الضعیف والاعرابی والصبی	دیہاتی، بچے، عورتین، لاوارث سب پیش
والمرأة ومن لا احد له	کئے جاتے، ان مین سے کوئی کہتا مجھ پر
فیقول ظلمت فیقول	ظلم کیا گیا (معاویہ) حکم دیتے اسکو عزت دو،

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲ ۴۱،

اعزوک ولیقول عدی علی فیقول	(یعنی تدارک کرو) کوئی کہتا میرے اوپر
ابعثوا معہ ویقول صنع لی فیقول	زیادتی کی گئی (معاویہ کہتے) اسکے ساتھ
انظر وانی امرہ حتی اذا لم	کسی کو تحقیقات کے لئے بھیجو، کوئی کہتا میرے
یبق احد دخل المجلس علی السریر	ساتھ بدسلوکی کی گئی، (معاویہ) حکم دیتے
ثم یقول ائذنوا للناس علی قدر	اسکے معاملہ کی تحقیقات کرو، جب کوئی
منازلھم ... قال یا ھولاء	(دادخواہ) باقی نہ رہتا تو مجلس میں آکر تخت
انما سمیتم اشرافا لانکم شرفتم	پر بیٹھتے، اور حکم دیتے کہ لوگوں (اشراف)
من دونکم بھذا المجلس ارفعوا	کو علی قدر مراتب آنے کی اجازت دو.....
الینا حوائج من لا یصل الینا [1]	پھر ان سے خطاب کرتے کہ تم لوگ اسلئے اشراف
	کہلاتے ہو کہ اس دربار میں اپنے سے کم تر
	والوں پر تم کو شرف عطا کیا گیا ہے، اسلئے
	جو لوگ ہمارے پاس تک نہیں پہنچ سکتے انکی
	ضروریات ہم سے بیان کرو"

دادرسی اور انسداد مظالم میں جس فرمانروا کا یہ اہتمام ہو، اس کے متعلق ظلم وستم کا الزام لگانا کہاں کا انصاف اور کہاں کی صداقت ہے،

امیر معاویہ کے ظلم وستم اور عدل وانصاف کے اندازہ کرنے میں ایک نمایاں غلطی یہ کیجاتی ہے کہ ان کے دور کا خلفائے راشدین رض کے عدل پرور عہد سے موازنہ کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر معاویہ سے پہلے خلافت راشدہ کا دور تھا اور اس وقت تک مسلمانوں کے سامنے اس کے

---

[1] مروج الذہب مسعودی حاشیہ نفح الطیب ج ۴ ص ۲۲۳-۲۲۴،

علاوہ اور کسی دنیاوی اسلامی حکومت کا نمونہ موجود نہ تھا، اس لئے امیر معاویہ کے زمانہ مین بھی جب انکی نظر اٹھتی تھی تو خلافت راشدہ ہی کی طرف اٹھتی تھی، حالانکہ ان دونون کا موازنہ صحیح نہین ہے، حضرت علیؓ پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور امیر معاویہ کے زمانہ سے دنیاوی حکومت کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا تھا، اس لئے "اموی حکومت" کو "خلافت راشدہ" کے معیار پر جانچنا شدید غلطی ہے، اگر امیر معاویہ کے دور کو محض ایک دنیاوی حکومت کے لحاظ سے جانچا جائے تو انپر سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جاتے ہین،

دوسرا خلط مبحث یہ کیا جاتا ہے کہ بنو امیہ کے پورے دور کی برائیان، امیر معاویہؓ کی طرف منسوب کر دیجاتی ہین، یا کم از کم انھین اس کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ بھی قرین انصاف نہین ہے، امیر معاویہؓ کے بعد مروان وغیرہ یقیناً ظالم فرمانروا تھے، لیکن اسکا بانی امیر معاویہؓ کو قرار دینا کہانتک صحیح ہے؟ کیا دولت امویہ کی تاسیس کے جرم مین تمام اموی فرمانرواؤن کے مظالم بھی امیر معاویہؓ کے نامۂ اعمال مین لکھ جائین گے؟

باقی یہ تینون اعتراضات کہ امیر معاویہ نے قومی بیت المال کو ذاتی خزانہ بنا لیا، اور اس کو ذاتی اغراض مین صرف کرتے تھے، یا حکومت کے تمام شعبون مین بنی امیہ کو بھر دیا تھا، اور بہت سی بدعتین جاری کین، جس معنی اور مفہوم مین کئے جاتے ہین، وہ قطعاً غلط ہین، اور جس معنی مین صحیح ہین وہ ایک دنیاوی حکمران کے لئے قابل اعتراض نہین رہجاتے، اگر معترضین کا مقصد یہ ہے کہ امیر نے بیت المال کا روپیہ عیش و تنعم اور لہو و لعب کے مشاغل مین اڑایا، اور دوسرے قومی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا، تو قطعاً غلط ہے، امیر کا بڑے سے بڑا مخالف بھی اس قسم کا الزام ان پر نہین رکھ سکتا، یہ البتہ صحیح ہے کہ انھون نے خلفاء راشدین کی طرح فقر و فاقہ کی زندگی بسر کر کے بیت المال کو خالص اسلامی مفاد کے لئے مخصوص نہین کر دیا، بلکہ قومی اور اسلامی مفاد کے ساتھ ساتھ اپنے آرام و آسایش اور اپنی حکومت کے استوار کرنے مین بھی صرف کیا، اور یہ ایک دنیاوی

حکم ان کے لئے قابلِ اعتراض نہیں ہے اس سے کوئی تاریخ دان انکار نہیں کرسکتا کہ بیت المال سے انھوں نے بڑے بڑے قومی کام کئے، فوجیں تیار کیں جنگی بیڑے بنوائے، فتوحات میں صرف کیا، قلعے تعمیر کرائے، پولیس کو ترقی دی، خبر رسانی کا محکمہ قائم کیا، دفاتر بنوائے، نہریں کھدوائیں اسلامی نوآبادیاں قائم کیں، شہر بسائے، اشراف اور صحابہؓ کے وظائف مقرر کئے، غربا پر تقسیم کیا، عدالتوں پر صرف کیا، ان کے علاوہ اور بہت سے قومی اور اسلامی مفاد میں لگایا، جنکی سندیں اوپر گذر چکی ہیں، ان وسیع ملکی اور قومی اخراجات کے ساتھ اگر انھوں نے کچھ روپیہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد میں صرف کر دیا، تو ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت سے وہ کس حد تک قابل الزام ہیں، یہ واضح رہے کہ ذاتی اغراض سے مقصد عیش و تنعم نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنی حکومت کے قیام کے لئے روپیہ صرف کرتے تھے، اس کو خواہ ملکی مفاد میں سمجھا جائے، خواہ ذاتی غرض میں شمار کیا جائے،

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ امیر بیت المال سے بڑے بڑے صحابہ کو وظائف و عطایا دیتے تھے، اور وہ اسے قبول کرتے تھے، اگر وہ لوگ اسے صرف بیجا سمجھتے تو کیوں قبول کرتے، اوپر مختلف سرخیوں کے ماتحت گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن جعفر طیارؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عقیل بن ابی طالبؓ وغیرہ میں سے، کچھ لوگ مستقل وظائف اور کچھ غیر مستقل عطایا پاتے تھے اور قبول کرتے تھے، اگر یہ بزرگ اس مصرف کو ناجائز سمجھتے تو کیوں قبول کرتے، وہ صحابہ جو امیر معاویہ پر نکتہ چینی کرتے تھے وہ بھی ان کے قومی اور ملکی خدمات اور ان کے برمحل مصارف کے مقابلہ میں خاموش ہو جاتے تھے، حضرت مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ معاویہ کے پاس گیا، جب ان سے ملا اور سلام کیا تو انھوں نے مجھ سے سوال کیا مسور تم ائمہ پر

جو طعن کرتے تھے، اب کیون نہین کرتے ہین نے کہا اب اس تذکرے کو جانے دو، اور جس ضرورت سے مین آیا ہون اس کو پوری کرو، معاویہ نے کہا خدا کی قسم مین تمھارے دل کی بات کہلا کر چھوڑونگا ان کے اس اصرار پر ان کی جو جو برائیان تھین سب مین نے واشگاف بیان کر دین، اس پر معاویہ نے کہا مجھے گناہون سے برات کا دعوی نہین ہی، لیکن مسور تم بتاؤ کیا تمھارے گناہ ایسے نہین ہین کہ اگر خدا انھین معاف نہ کرے تو تم ہلاک ہو جاؤ؟ مین نے کہا ہان، معاویہ نے کہا پھر تم کیون مغفرت خداوندی کے مجھ سے زیادہ مستحق ہو، پھر خدا کی قسم ایسی حالت مین جبکہ اصلاح بین الناس، اقامت حدود، جہاد فی سبیل اللہ اور بڑے بڑے بیشمار امور کا بار میری گردن پر ہی جو تمھارے اوپر نہین ہی اور مین خدا کے دین پر ہون، خدا بھلائیون کو قبول کرتا ہی اور برائیون سے درگذر کرتا ہی، اس پر بھی خدا کی قسم اگر میرے سامنے خدا اور اس کے ماسوا کا سوال آتا ہی تو مین خدا ہی کو اختیار کرتا ہون، مسور کہتے ہین، کہ ان یہ دلائل سنکر مین سوچ مین پڑگیا، اور مجھکو معلوم ہو گیا کہ معاویہ نے مجھ سے مناظرہ کیا، اس کے بعد مسور جب معاویہ کا تذکرہ کرتے تھے، تو ان کے لئے دعاء خیر کرتے تھے[1]

حکومت کے شعبون مین بنی امیہ کے بھرنے کا سوال بھی ایک بے معنی مغالطہ ہی، یہ واقعہ الزام کی صورت مین اسی وقت قابل تسلیم ہو سکتا تھا جب اس سے دوسرون کے حقوق کی پامالی ہوئی ہوتی یا مفاد ملکی کو کوئی صدمہ پہنچا ہوتا، حالانکہ یہ دونون باتین نہ تھین، امیر کا مخالف بھی یہ دعوی نہین کر سکتا کہ ان کے زمانہ مین حکومت کے محکمون مین شروع سے آخر تک تمام بنی امیہ ہی بھرے ہوئے تھے، اور غیر بنی امیہ کو مطلق گھسنے نہین دیا جاتا تھا، واقعہ کا جہان تک تعلق ہے، بنی امیہ کے ساتھ دوسرے خاندانون کے افراد بھی عہدون پر ممتاز تھے، یہ البتہ ایک حد تک صحیح ہے کہ

---

[1] استیعاب ج اول ص ۲۶۳ و ۲۶۴

جنگی امور میں زیادہ تر بنی امیہ خیل تھے، لیکن یہ خود ان کی ذاتی صلاحیت کا نتیجہ تھا، بنی امیہ میدان رزم کے مرد تھے، حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہ کے دور کی فتوحات اس کی شاہد ہیں، بحر روم میں سب سے پہلے امویوں ہی نے بیڑے دوڑائے، افریقہ کو امویوں ہی نے فتح کیا، یورپ کا دروازہ امویوں ہی نے کھٹکھٹایا، اموی اس لئے نہیں بھرے گئے تھے کہ امیر معاویہ کے ہم خاندان تھے، بلکہ اس لئے بھرے گئے تھے کہ وہ تلوار کے دھنی اور میدانِ جنگ کے مرد تھے، یہی وجہ ہے کہ تنہا بنی امیہ کے دور میں جس قدر فتوحات ہوئیں اس کی نظیر مابعد کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی، ایسی حالت میں ان کے حکومت میں بھرنے کا سوال کس قدر ہلکا ہو جاتا ہے۔

رہ گیا بدعات کی ترویج کا سوال تو ایک دنیاوی حکمران کے لئے یہ بھی چنداں قابلِ اعتراض نہیں بشرطیکہ ان بدعات سے کسی اسلامی اصول کی پامالی نہ ہوئی ہو، اور مذہب میں کسی مذموم رسم کی بنیاد نہ پڑی ہو، امیر کی بدعات میں جمہوری خلافت کو شخصی حکومت بنا دینے کی بدعت تو بیشک نہایت مذموم بدعت تھی جس نے اسلامی جمہوریت کی روح مردہ کر دی اور اس سے بہت مذموم نتائج پیدا ہوئے، لیکن اسکے علاوہ اور کوئی بدعت ایسی نہیں نظر آتی جس سے کسی اسلامی اصول کو صدمہ پہنچا ہو، حکومت کے سلسلہ میں انھوں نے جو نئی چیزیں رائج کیں ان سے بہت سے فوائد حاصل ہوئے، یہ بار بار لکھا جا چکا ہے کہ امیر معاویہ خلیفۂ راشد نہ تھے، بلکہ حضرت علیؓ پر اس مقدس دور کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور امیر معاویہ کے عہد سے ایک نئے دورِ حکمرانی کا آغاز ہوا تھا، اس لئے ان میں خلفائے راشدینؓ کا محتاط طرزِ حکومت ڈھونڈھنا کہ کسی فعل میں عہدِ نبویؐ کے طور و طریق سے سرِ مو تجاوز نہ ہونے پائے خود اپنی غلطی ہے، امیر معاویہ تو امیر معاویہ ہیں، خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جو خلیفۂ راشد تھے بہت سی نئی باتیں رائج ہو گئی تھیں، اور یہ عہدِ رسالت کے بُعد کا لازمی نتیجہ تھا، جس سے کوئی خلیفہ یا بادشاہ بچ نہیں سکتا تھا، اس لئے امیر معاویہ کی بدعات میں ہمیں صرف یہ دیکھنا

چاہئے کہ ان سے کسی اسلامی اصول کی پامالی تو نہین ہوئی اگر نہین ہوئی تو وہ قابلِ اعتراض نہین قرار دیئے جاسکتے،

فضل وکمال امیر معاویہ فتح مکہ کے زمانہ مین مشرف باسلام ہوئے، اس لئے ان کو ایک سال سے زیادہ ذات نبوی صلعم سے خوشہ چینی کا موقعہ نہ ملا لیکن آنحضرت صلعم کی ان دعاؤن

اللھم علم معاویۃ الکتاب والحساب	خدایا معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب کا
وقہ العذاب[1]،	علم عطا فرما، اور عذاب سے بچا،
اور اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ[2]	خدایا معاویہ کو ہادی اور مہدی بنا اور ان کے ذریعہ سے ہدایت دے،

کا اثر ظاہر ہونا ضروری تھا، اس لئے گو انھین آنحضرت صلعم کی خدمت مین زیادہ رہنے کا موقع نہ ملا پھر بھی ان کا دامنِ علم احادیث وسنن کے گہرہائے آبدار سے خالی نہ رہا، اور انھون نے اپنی ذاتی تلاش وجستجو سے اپنے طبقہ کے صحابہ مین امتیازی درجہ حاصل کر لیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے مخالفین سے بھی علمی استفادہ مین عار نہ کرتے تھے، چنانچہ جب اس قسم کے مسائل پیش آتے تھے، جن کے متعلق انھین علم نہ ہوتا تو حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتے تھے،

ایک مرتبہ ایک شخص نے ایک شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستر پایا، اور اشتعال مین آکر ان مین سے ایک کو قتل کر دیا، امیر معاویہ اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کرسکے، اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کرکے مجھے اطلاع دو، ابوموسیٰ نے حضرت علیؓ سے پوچھا حضرت علیؓ نے واقعہ سنکر استعجاباً فرمایا کہ اس قسم کے واقعات میرے یہان نہین ہوتے مین تم کو قسم دلاتا ہون کہ اصل واقعہ بیان کرکے مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو، ابوموسیٰؓ نے

---

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عرباض بن ساریہ، [2] ترمذی مناقب معاویہؓ،

نے کہا معاویہ نے آپ سے پوچھا ہی، فرمایا، مین ابو الحسن ہون، اگر قاتل چار گواہ نہ لاسکے تو اس قتل کا ذمہ دار ہوگا[1]،

کبھی کبھی بلا ضرورت واقف کار بزرگون سے آنحضرت صلعم کے اقوال سننے کی فرمایش کرتے تھے، ایکمرتبہ مغیرہ بن شعبہ کو لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلعم کی زبان سے جو تم نے سنا ہو اس سے مجھے بھی بہرہ اندوز کرو، انھون نے جواب مین لکھا کہ آنحضرت صلعم نے فضول گوئی، مال کے اتلاف اور سوال کی کثرت سے منع فرمایا ہی[2]،

غرض اس طرح سے پوچھ پوچھ کر انھون نے اپنا دامن علم اتنا وسیع کر لیا کہ وہ صحابہ جو اپنے فضل و کمال کے لحاظ سے حبرالامۃ کہلاتے تھے، ان کو فقہا مین شمار کرتے تھے، ابن ابی ملیکہ راوی ہین کہ ایکمرتبہ کسی نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ امیر المومنین معاویہ کے بارہ مین آپ کا کیا خیال ہے، انھون نے وتر ایک رکعت پڑھی، جواب دیا بالکل صحیح کیا، وہ فقیہ ہین[3]،

اسی تفقہ کی بنا پر وہ صحابہ کی اس جماعت کے جو آنحضرت صلعم کے بعد صاحب علم وافتا تھی، ایک ممبر تھے، البتہ ان کے فتاوی کی تعداد دو چار سے زیادہ نہین ہی[4]،

احادیث نبوی کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ مین محفوظ تھا، چنانچہ حدیث کی کتابون مین انکی ۱۶۳ روایتین ملتی ہین جن مین سے ۴ متفق علیہ ہین یعنی بخاری اور مسلم دونون مین موجود ہین، ان کے علاوہ ۴ مین بخاری اور ۵ مین امام مسلم منفرد ہین، صحابہ مین ان سے ابن عباسؓ، ابو دردؓا، جریر بن عبدؓ اللہ، نعمان بن بشیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو سعید خدریؓ،

---

[1] موطا امام مالک القضا فیمن وجد مع امراتہ رجلا، [2] بخاری کتاب الزکوۃ باب قولہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا الخ، [3] بخاری کتاب المناقب باب مناقب معاویہ [4] اعلام الموقعین ج اول ص ۱۳،

سایب بن یزید ابو امامہ بن سہل اور تابعین میں ابن مسیب اور حمید بن عبد الرحمن وغیرہ نے روایتیں کی ہیں[1]،

کبھی کبھی مذہبی مسائل میں اکابر صحابہ سے اور ان سے مناظرہ بھی ہو جاتا تھا، اور ان کی رائے صائب نکلتی تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں امیر معاویہ شام کے والی تھے، یہاں کے مسلمانوں میں کچھ رومیوں کے اثر اور کچھ مال و دولت کی فراوانی سے ظاہری شان و شکوہ اور طمطراق پیدا ہو گیا تھا، حضرت ابو ذر غفاریؓ بھی یہیں رہتے تھے، یہ بڑے فقیر منش، متوکل اور سادہ مزاج بزرگ تھے، اور اپنی طرح سب میں عہد نبوت کی سادگی دیکھنا چاہتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمانوں کیلئے زائد از ضرورت مال جمع کرنا حرام ہے، اور اس عقیدے میں اس قدر متشدد تھے کہ انھوں نے سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہنا شروع کر دیا، اور جو مسلمان روپیہ جمع کرتے تھے انکو اس آیہ کا مورد ٹھہراتے تھے[2]

والذین یکنزون الذھب والفضۃ	جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم	اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے
بعذاب الیم،	انکو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو

اس آیہ کے پہلے یہود و نصاری کا ذکر ہے، امیر معاویہ کہتے تھے کہ اس آیہ کا تعلق بھی انہیں لوگوں سے ہے اور حضرت ابوذرؓ اس کو مسلمان اور غیر مسلمان دونوں سے متعلق کرتے تھے، دوسرا اختلاف یہ تھا کہ حضرت ابوذرؓ خدا کی راہ میں نہ دینے سے یہ مراد لیتے تھے کہ کل مال خدا کی راہ میں نہیں دیتے اور امیر معاویہ صرف زکوٰۃ میں محدود کرتے تھے، اس مختلف فیہ مسئلہ میں گو ترک دنیا کے اصول سے حضرت ابوذرؓ کا خیال کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو، لیکن واقعہ کے لحاظ سے امیر کی

---

[1] تہذیب الاسماء نووی ص ۲۳ ج ۱، [2] ابن سعد ترجمہ ابی ذر

رائے صحیح ہے،

ان مذہبی علوم کے علاوہ امیر معاویہ عرب کے مروجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے، چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریبًا ناآشنا تھے، معاویہ کو پوری مہارت تھی، اور اسی وصف کی بنا پر آنحضرت صلعم نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا،

شاعری عربوں کا خاص فن ہے، معاویہ کو شعر و شاعری کا نہایت اچھا مذاق تھا، وہ شعر کو تہذیب اخلاق کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ مرد پر اپنی اولاد کی تادیب فرض ہے، اور ادب کا بلند ترین مرتبہ شعر ہے، اس لئے تم لوگ شعر کو اپنا سب سے بڑا مطمح نظر بناؤ اور اس کی عادت ڈال لو، میں لیلۃ الہریر میں سخت مصیبت کی وجہ سے بھاگنے کو تھا، لیکن اس رات کو صرف عمرو بن الاطنابہ کے اشعار نے مجھے ثابت قدم رکھا[1]

شاعری کے بعد عربوں میں خطابت، آتش بیانی اور زبان آوری کا درجہ تھا، گو امیر معاویہ نے اعلیٰ درجہ کے خطیب کی حیثیت سے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی، تاہم انکی تقریر بلاغت ادا اور زور بیان کا بہت عمدہ نمونہ ہوتی تھی، علامہ ابن طقطقی لکھتے ہیں کان حکیمًا فصیحًا بلیغًا معاویہ حکیم اور فصیح و بلیغ تھے[2]، وہ اپنی تقریر سے بڑے بڑے مجمعوں کو مسحور کر لیتے تھے، جناب امیرؑ کے مقابلہ میں ان کی جو حیثیت تھی وہ ظاہر ہے، لیکن شامیوں کی تسخیر میں انکی پولیٹکل تدبیروں کے علاوہ ان کی طلاقت لسانی کو بھی بڑا دخل تھا، تاریخوں میں بکثرت ان کی تقریروں کے نمونے موجود ہیں، جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں جو فصیح و بلیغ تقریروں کا ایک بے مثل مجموعہ ہے، اور جس میں تقریروں کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں امیر معاویہ کی بھی ایک تقریر نمونۃً نقل کی ہے، یہ تقریر اپنے اسلوب بیان اور لفظی و معنوی بلاغت

---

[1] کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۰، [2] الفخری ص ۹۵،

کے لحاظ سے بڑے بڑے مشہور خطیبون کے خطبون کے پہلو مین رکھی جا سکتی ہے لیکن طوالت کی وجہ سے اس موقعہ پر اس کے نقل کرنے کی گنجایش نہین[۱]،

امیر معاویہ کی فہرستِ کمال مین سب سے زیادہ نمایان ان کی تدبیر و سیاست ہے، یہ استعداد ان مین فطری تھی لیکن علمی اور فنی حیثیت سے انھون نے اس استعداد کو اور چمکایا تھا چنانچہ وہ روزانہ ایامِ عرب، اخبارِ عرب، اخبارِ عجم اور سلاطینِ عجم کے حالات ان کے طرقِ جہانبانی، اور دوسری اقوام کے سلاطین ان کی لڑائیون ان کی سیاسی چالون اور رعایا کے ساتھ ان کی پالیسی اور دوسری گذشتہ قومون کے حالاتِ عروج زوال سنتے تھے[۲]،

تاریخ کی ابتدائی داغ بیل انھین کے زمانہ مین پڑی، اس وقت تک تاریخ کی تدوین کی طرف کسی خلیفہ نے توجہ نہ کی تھی، سب سے پہلے امیر معاویہ کو اس کا خیال آیا چنانچہ انھون نے اس عہد کے ایک بڑے اور باخبر عالم عبید بن شریہ سے تاریخ قدیم کی داستانین سلاطین عجم کے حالات انسان کی بولی پھوٹنے کی تاریخ اور اس کے مختلف ملکون اور مقامات پر پھیلنے کے واقعات سنکر ان کو قلمبند کرنے کا حکم دیا[۳]،

ان رسمی علوم کے علاوہ امیر معاویہ کے صحیفۂ کمال کا سب سے روشن باب ان کی فطری سیاست اور دانشوری ہی، تمام مورخین انھین اپنے زمانہ کا سب سے بڑا مدبر، سیاست دان اور بیدار مغز فرمان روا مانتے تھے، علامہ فخری لکھتے ہین کہ معاویہ دنیا کے سمجھنے والے، فہیم، حلیم اور قوی بادشاہ تھے، سیاست اور تدبیر مین ممتاز درجہ رکھتے تھے[۴]، ان کے عہد مین تمام بڑے بڑے اکابر ان کی سیاست و دانائی کے معترف تھے، حضرت عمرؓ جو خود سیاست اور تدبیر مین یگانہ

---

[۱] دیکھو کتاب البیان والتبیین جاحظ ج اول ص ۶۲، و ۱۷۳، [۲] مروج الذہب ج ۲ ص ۴۲۵،

[۳] فہرست ابن ندیم ص ۱۳۲ طبع مصر [۴] الفخری ص ۹۵،

تھے، معاویہ کو "کسرائے عرب" کہتے تھے[1] سعید مقبری راوی ہیں کہ عمرؓ کہا کرتے تھے کہ تم لوگ معاویہ کے ہوتے ہوئے کسریٰ اور قیصر اور ان کے تدبر کا تذکرہ کرتے ہو[2] حضرت عمرؓ جیسے شخص کو یہ اپنی زبان آوری اور تدبیروں سے چپ کر دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو امیر معاویہ بڑے خدم وحشم کے ساتھ ان کے استقبال کو نکلے، اس شان شکوہ پر حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا کہ تم صبح وشام خدم وحشم کے ساتھ نکلتے ہو، مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم چین سے اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہو، اور تمھارے دروازہ پر حاجتمندوں کا ہجوم رہتا ہے، امیر معاویہ نے برجستہ جواب دیا، امیر المومنین یہاں ہمارے دشمن ہم سے قریب رہتے ہیں، اور ان کے جاسوس لگے رہتے ہیں، اس لئے چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اسلام کو باعزت دیکھیں، یہ عذر سنکر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمھارا بیان عقلمند آدمی کا فریب ہے، معاویہ نے کہا پھر جیسا فرمائیے ویسا کیا جائے، حضرت عمرؓ نے زچ ہو کر جواب دیا معاویہ جب میں تم سے بحث کرتا ہوں یا تمپر نکتہ چینی کرتا ہوں تو تم مجھے ایسا لاجواب کر دیتے ہو کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم کو اس بات کا حکم دوں یا منع کروں[3]، عمرو بن العاصؓ بھی بڑے پایہ کے مدبر تھے، اس لئے کبھی کبھی دونوں میں چوٹیں چلا کرتی تھیں، اور ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش کرتے تھے، مصر کی ولایت کے زمانہ میں ایک مرتبہ عمرو بن العاصؓ مصریوں کے وفد کے ساتھ امیر معاویہ کے پاس آئے، اور امیر کو ان کی نگاہوں میں گرانے کے لئے مصریوں کو حکم دیا کہ جب تم ہند کے لڑکے (معاویہ) کے پاس جاؤ تو خلافت کا سلام نہ کرو، اس سے انکی نگاہوں میں تمھاری عظمت ہوگی، بلکہ جہاں تک ہوسکے اس کی تحقیر کرو، امیر معاویہ کو اس کی خبر ہوگئی، جب مصری باریاب ہونے کے لئے آئے تو امیر معاویہ نے اپنے حاجبوں کو حکم دیا کہ میں ابن النابغہ (عمرو بن العاص) کو خوب جانتا ہوں، اس نے قوم کی نگاہوں میں مجھے ہلکا

---

[1] استیعاب ج۱ ول ص ۲۶۱، [2] طبری ج ۷، ص ۲۰۶، [3] ایضاً ص ۲۰۷،

کر دیا ہے، اس لئے جب مصری وفد میرے پاس آنے لگے تو دربار مین داخلہ کے قبل تملوگ ارکان وفد کو اسقدر دق اور پریشان کرو کہ میرے پاس آتے آتے انھین اپنی جان کا خطرہ ہو جائے، اس حکم کے مطابق حاجبون نے ارکان وفد کو اتنا زچ کیا کہ جب ان کا پہلا رکن ابن خیاط دربار مین پہنچا تو اتنا پریشان ہو چکا تھا کہ سلام خلافت کے بجائے سلام رسالت یعنی السلام علیک یا رسول اللہ کہنے پر مجبور ہو گیا، اس کے بعد جو جو مصری آئے سب نے یہی سلام کیا، جب یہ لوگ مل کر واپس گئے، تو عمرو بن العاصؓ نے کہا تم پر خدا کی لعنت ہو مین نے تم کو سلام خلافت سے منع کیا تھا، اور تم نے نبوت کا سلام کیا[1]،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ مین نے رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کو امیر معاویہ سے بڑا سردار نہ پایا، کسی نے پوچھا، اور ابو بکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ، جواب دیا خدا کی قسم یہ لوگ امیر معاویہ سے بہتر تھے، لیکن امیر معاویہ مین سرداری ان سے زیادہ تھی[2]، امیر معاویہ کے مخالف بھی ان کے اس وصف کے معترف تھے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جو امیر معاویہ کے شدید مخالفون مین تھے، وہ بھی کہا کرتے تھے کہ مین نے کسی کو امیر معاویہ سے زیادہ حکومت کے لئے موزون نہین پایا[3]، غرض سیاست و تدبیر حکومت و فرمان روائی، جہانبانی و کشورکشائی کے اوصاف جلیلہ مین ان کا کوئی معاصر ان کا حریف نہ تھا، تم انکی پوری تاریخ پر نظر ڈال جاؤ، اس کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوگی

اخلاق وعادات اور عام حالات

امیر معاویہ کو مہاجرین اولین کے زمرہ مین ہونے کا شرف حاصل نہ تھا، بلکہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والون مین تھے اسلئے قبول اسلام کے بعد انکو فیضان نبوی سے مستفید ہونے کا زیادہ موقعہ نہ ملا یہی وجہ ہے کہ مہاجرین اولین کیطرح وہ اخلاق نبوی کا مکمل نمونہ نہ بن سکے تاہم وہ صحابی رسول تھے، اور ایسے صحابی تھے جن کیلئے

[1] طبری ج ۷، ص ۲۰۶، [2] استیعاب ج ۱ اول ص ۲۶۲، [3] طبری ج ۷، ص ۲۱۵،

زبان رسالت نے یہ دعا فرمائی تھی کہ "خدایا معاویہ کو ہادی و مہدی بنا، اور ان کے ذریعہ سے ہدایت کر" اس دعاے مستجاب کے اثر سے ان کا دامن اخلاقی فضائل سے خالی نہ تھا،

عبرت پذیری اور قیامت کا خوف امیر معاویہ کے متعلق کہا جاتا ہو کہ انھوں نے دنیا میں پڑکر آخرت کے مواخذہ کو بالکل فراموش کر دیا تھا، لیکن یہ خیال حقیقت واقعہ سے بہت دور ہے، امیر معاویہ قیامت کے مواخذہ کا تذکرہ سن کر لرزہ بر اندام ہو جاتے تھے، اور روتے روتے ان کی حالت غیر ہو جاتی تھی،[1]

ایک مرتبہ شفیا اصبحی مدینہ آئے، دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے، پوچھا کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابو ہریرہؓ، یہ سنکر شفیا اصبحی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئے، اس وقت ابو ہریرہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب حدیث سنا چکے اور مجمع چھٹ گیا، تو شفیا نے ان سے کہا رسول اللہ صلعم کی کوئی ایسی حدیث سنائیے، جس کو آپ نے ان سے سنا ہو سمجھا ہو، جانا ہو، ابو ہریرہ نے کہا ایسی ہی حدیث سناؤنگا، یہ کہا اور چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا، تو کہا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرونگا، جو آپ نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی، اور اس وقت میرے اور آپ کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا، اتنا کہہ کر زور سے چلائے اور پھر بے ہوش ہو گئے، افاقہ ہوا تو منہ پر ہاتھ پھیر کر کہا میں تم سے ایسی حدیث بیان کرونگا جو رسول اللہ صلعم نے اس گھر میں بیان فرمائی تھی اور وہاں میرے اور آپ کے سوا کوئی شخص نہ تھا، یہ کہا اور پھر چیخ مار کر غش کھا کر منہ کے بل گر پڑے، شفیا اصبحی نے تھام لیا، اور دیر تک سنبھالے رہے، ہوش آیا تو کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن جب خدا بندوں کے فیصلہ کے لئے اتریگا تو سب سے پہلے تین آدمی طلب کئے جائیں گے، عالم قرآن، راہِ خدا میں مقتول، اور دولتمند، پھر خدا عالم سے

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی الریاء والسمعہ،

پوچھیگا کیا مین نے تجھکو قرآن کی تعلیم نہین دی، وہ کہیگا، "ہان خدایا، فرمائیگا تو نے اس پر عمل کیا؟ وہ کہیگا، "رات دن اس کی تلاوت کرتا تھا، خدا فرمائیگا تو جھوٹا ہے، تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھکو قاری کا خطاب دین، چنانچہ خطاب دیا، پھر دولتمند سے پوچھیگا کیا مین نے تجھکو صاحب مقدرت کرکے لوگون کی احتیاج سے بے نیاز نہین کردیا؟ وہ کہے گا ہان خدایا، فرمائیگا "تو نے کیا کیا" وہ کہے گا مین صلہ رحمی کرتا تھا، صدقہ دیتا تھا، خدا فرمائیگا تو جھوٹ بولتا ہے، بلکہ اس سے تیرا مقصد یہ تھا کہ تو فیاض اور سخی کہلائے، اور کہلایا، پھر وہ جسے راہ خدا مین جان دینے کا دعویٰ تھا، پیش ہوگا، اس سے سوال ہوگا، تو کیون مارڈالا گیا، وہ کہیگا، تو نے اپنی راہ مین جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، مین تیری راہ مین لڑا اور مارا گیا، خدا فرمائیگا، تو جھوٹ کہتا ہے، تو چاہتا تھا کہ تو دنیا مین جری اور بہادر کہلائے، تو یہ کہا جاچکا" یہ حدیث بیان کرکے رسول اللہ صلعم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کے فرمایا، ابوہریرہؓ پہلے انھین تینون سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائیگی، امیر معاویہ نے یہ حدیث سنی تو کہا جب ان لوگون کیساتھ ایسا کیا گیا تو اور لوگون کا کیا حال ہوگا، یہ کہکر ایسا زار وقطار روئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ مرجائینگے، جب ذرا سنبھلے تو منہ پر ہاتھ پھیر کے یہ موعظت آیتین پڑھین[1]

دنیاوی ابتلا پر تاسف، | اس مین شبہہ نہین کہ قیام ملوکیت کے سلسلہ مین امیر معاویہ کو دنیاوی ابتلا و آزمائشون مین مبتلا ہونا پڑا اور وہ بحیثیت صحابی رسول کے اس سے اپنا دامن نہ بچا سکے، لیکن اپنی لغزشون کا انھین ہمیشہ احساس رہا، اور آخر وقت مین وہ اس پر نادم و متاسف رہا کرتے تھے، چنانچہ مرض الموت مین کہتے تھے "کاش مین ذی طوی (نام مقام) مین قریش کا معمولی آدمی ہوتا، اور ان معاملات مین نہ پڑا ہوتا[2]"

بحیثیت شخصی فرمان رواکے انھین ہمیشہ دنیاوی وجاہت اور ظاہری شان وشوکت

---

[1] ترمذی ابواب الزہد باب ما جاء فی الریا والسمعہ، [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳۸۷۔

سے واسطہ رہا، لیکن جب ظاہری طمطراق پر ان کی نظر پڑتی تھی تو حسرت و افسوس کے کلمات ان کی زبان پر جاری ہو جاتے تھے، عبد اللہ بن مسعدہ بن حکمہ فزاری بیان کرتے ہین کہ امیر معاویہ شام کے کسی علاقہ سے اپنے علاقہ مین جا رہے تھے، راستہ مین ایک مقام پر منزل ہوئی سر راہ ایک بلند اور کھلی چھت پر فرش بچھایا گیا، مین بھی امیر کے ساتھ اس پر بیٹھ گیا، اتنے مین اونٹ کی قطارین، گھوڑے، اور لونڈی غلام کے غول گذرنے لگے، انھین دیکھکر امیر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا، ابن مسعدہ خدا ابو بکرؓ پر رحم کرے، نہ انھون نے دنیا کو چاہا، نہ دنیا نے انھین چاہا، عمرؓ کو دنیا نے چاہا، لیکن انھون نے اسکو نہین چاہا، عثمانؓ کو کچھ دنیا مین مبتلا ہونا پڑا، اور ہم لوگ تو بالکل اسی مین آلودہ ہو گئے، یہ کہکر وہ نادم ہوئے، پھر کہا خدا کی قسم یہ حکومت بھی خدا ہی نے ہم کو دی ہے[1]،

قبولِ حق

امیر معاویہ کی حکومت کو شخصی حکومت اور انھین مستبد فرمان روا مانا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود انھون نے سچی بات کے قبول کرنے مین کبھی عار نہ کیا، ایک مرتبہ ان سے حضرت ابو مریم ازدی نے کہا رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ خدا جس شخص کو مسلمانون کا والی بنائے اگر وہ ان کی حاجتون سے آنکھ بند کر کے پردہ مین بیٹھ جائے، تو قیامت کے دن خدا بھی اس کی حاجتون کے سامنے پردہ ڈال دیگا، امیر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھون نے عام لوگون کی حاجت روائی کے لئے ایک مستقل آدمی مقرر کیا[2]،

وہ نہ صرف دوسرون کی سچی نصیحتون کو قبول کر لیتے تھے، بلکہ اس صلہ مین نصیحت کرنے والون کے ساتھ سلوک کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت مقدام بن معدیکرب، عمرو بن اسود اور بنی اسد کا ایک شخص تینون آدمی امیر معاویہ کے پاس وفد کی صورت مین آئے، مقدام نے

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲۱۲، [2] ابو داؤد کتاب الخراج والامارہ،

کہا معاویہ! مین چند باتین تم سے کہنا چاہتا ہون اگر سچ ہون تو تصدیق کرنا، اور جھوٹ ہون تو رد کر دینا، معاویہ نے کہا فرمائیے، مقدام نے کہا مین تم کو خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہون کیا رسول اللہ صلعم نے حریر پہننے سے منع نہین کیا ہے؟ معاویہ نے کہا ہان، مقدام نے سوال کیا مین تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہون، تم نے رسول اللہ صلعم سے سونے کے استعمال کی ممانعت نہین سنی؟ معاویہ نے کہا ہان، مقدام نے سوال کیا مین تم کو قسم دلا کر پوچھتا ہون، کیا رسول اللہ صلعم نے درندون کی کھال پہننے اور اس کے بچھانے سے نہین منع فرمایا ہے؟ معاویہ نے کہا ہان، مقدام نے کہا معاویہ خدا کی قسم یہ تمام چیزین مین تمہارے گھر مین دیکھتا ہون، امیر معاویہ نے کہا مقدام مجھکو یقین ہے کہ تمہارے سامنے میری پیش نہ چلیگی، اور اس کے صلہ مین مقدام کو ان کے دونون ہمراہیون سے زیادہ صلہ دیا،[1]

ضبط و تحمل امیر معاویہ کو جس قدر دنیاوی جاہ و جلال اور قوت و اقتدار حاصل تھا، اس سے ہر تاریخ دان واقف ہے، لیکن اس دنیاوی وجاہت کے باوجود وہ حد درجہ متحمل مزاج تھے، تلخ سے تلخ اور ناگوار سے ناگوار باتین شربت کی طرح پی جاتے تھے، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ "غصہ پی جانیسے زیادہ میرے لئے کوئی شے لذیذ نہین"[2]

وہ مورخین بھی جو انکے مخالف ہین، ان کے اس وصف کے معترف ہین، چنانچہ علامہ ابن طقطقی لکھتے ہین کہ معاویہ حلم کے موقعہ پر حلم سے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیتے تھے لیکن حلم کا پہلو غالب تھا،[3] جو لوگ ان کے ساتھ رہ چکے تھے، وہ اپنا تجربہ بیان کرتے ہین، کہ مین معاویہ کی صحبت مین رہا ان سے زیادہ کسی کو حلیم نہین پایا،[4] یہ صرف اقوال و آرا ہی نہین ہین

---

[1] ابو داؤد کتاب اللباس باب فی جلود النمور، [2] طبری ج ۷ ص ۲۱۳، [3] الفخری ص ۹۵، [4] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۹۴،

بلکہ واقعات سے اس کی پوری بلکہ کچھ زیادہ تصدیق ہوتی ہے، عبدالملک بن عمیر روایت کرتے ہیں، کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے امیر معاویہ سے بڑی بدکلامی کی، کسی نے متعجب ہو کر پوچھا آپ اس حد تک انگیز کر لیتے ہیں، جواب دیا کہ میں اس وقت تک لوگوں کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا جب تک وہ میری حکومت میں حائل نہ ہوں، ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا معاویہ ہمارے ساتھ سیدھے رہو ورنہ تم کو درست کر دیں گے، امیر نے پوچھا کس چیز سے، اس نے کہا لکڑی سے، جواب دیا اس وقت سیدھے ہو جائیں گے[۱] قریش خصوصاً بنی ہاشم اور آل ابی طالب کے افراد انکو سخت سے سخت باتیں کہتے تھے، لیکن امیر معاویہ کبھی مذاق میں ٹال جاتے اور کبھی سنی ان سنی بنا دیتے اور ان کی اس سخت کلامی پر بھی ان کو مہمان بناتے، خاطر و مدارات کرتے اور انعام و اکرام دیتے[۲]

فیاضی فیاضی اور زرپاشی امیر معاویہ کا نہایت نمایاں وصف تھا، علامہ الفخری لکھتے ہیں کہ معاویہ فیاض اور زرپاش تھے[۳] ان کا ابر کرم بلا امتیاز موافق و مخالف سب پر یکساں برستا تھا، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن جعفر طیارؓ اور آل ابی طالب کے دوسرے افراد ان کے شدید مخالفوں میں تھے لیکن ان کی مخالفت اور ان کی بدکلامیوں کے باوجود امیر ان کے ساتھ سلوک ہوتے تھے[۴] عقیل بن ابی طالب ان کے پاس چالیس ہزار کی ضرورت لیکر آتے ہیں، اور بھرے مجمع میں انکو اور انکے باپ ابو سفیان کو برا بھلا کہتے ہیں لیکن امیر معاویہ اسکے باوجود ان کی حاجت پوری کرتے ہیں[۵]، اشراف روزانہ اہل حاجت کی ضروریات پیش کرتے ہیں، امیر ان کی اولاد کے وظائف مقرر کرتے، اور ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کا حکم دیتے[۶]

---

[۱] تاریخ الخلفاء ص ۱۹۴، [۲] الفخری ص ۹۵، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً، [۵] اسد الغابہ تذکرہ عقیل ابن ابی طالب، [۶] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۳۴،

کبار صحابہ کے وظائف مقرر تھے، چنانچہ حضرت زید بن ثابت انصاری وظیفہ قبول کرتے تھے[۱]
صحابہ کی اولاد تک کے ساتھ وہ فیاضانہ سلوک کرتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ کا انتقال ہوا تو امیر
نے ترکہ کے علاوہ ان کے ورثہ کو دس ہزار نقد دینے کا حکم دیا[۲] بعض مستغنی المزاج ان کے وظائف رد
بھی کر دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت وائل بن حجرؓ ان کے پاس آئے، امیر نے نہایت تپاک سے انکا
خیر مقدم کیا، اور ان کو عطیہ دینا اور وظیفہ مقرر کرنا چاہا، لیکن وائل نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ ہم کو
اس کی ضرورت نہیں، جو لوگ ہم سے زیادہ اس کے مستحق ہیں وہ اسے قبول کریں گے[۳] یہ چند
واقعات نمونہ از خروارے ہیں، ورنہ اس قسم کی مثالوں سے تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں
یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین کو بھی امیر کے اس وصف کے اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا، حضرت
عبداللہ بن عباسؓ فرماتے تھے کہ جو لوگ معاویہ کے پاس جاتے ہیں، وہ ایک وسیع وادی کے
کنارہ اترتے ہیں[۴]

امہات المومنین کی خدمت،	تمام گذشتہ خلفاء امہات المومنین کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت و افتخار سمجھتے تھے، امیر معاویہ بھی اس سعادت سے محروم نہ تھے، اور رتبہ کے لحاظ

سے خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی بڑی خدمت کرتے تھے، ان کی خدمت میں ایک ایک
مرتبہ ایک ایک لاکھ کی نذر پیش کرتے تھے[۵] اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً دس دس، پانچ
پانچ ہزار کی رقمیں بھیجا کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے منکدر بن عبداللہ کو دس ہزار کی
رقم دینی چاہی، لیکن اتفاق سے اسوقت ہاتھ میں روپیہ نہ تھا، اسی دن شام کو امیر معاویہ کی
بھیجی ہوئی رقم آگئی، حضرت عائشہؓ نے منکدر کو بلوا کر اس میں سے دس ہزار کی رقم دیدی[۶]

---

[۱] استیعاب ج اول ص ۲۶۳ [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۰۸ [۳] استیعاب تذکرۂ وائل بن حجر [۴] طبری ج ۷ ص ۲۱۵ [۵] مستدرک حاکم ج ۴، [۶] طبقات ابن سعد تذکرہ منکدر بن عبداللہ

آثار نبوی سے برکت اندوزی

امیر کے پاس آثار نبوی میں ایک کرتہ، ناخن اور موئے مبارک تھے، زندگی بھر برکت کے لئے اس کو حرز جان بنائے رہے، مرتے وقت وصیت کرتے گئے، کہ مجھکو رسول اللہ نے کرتہ مرحمت فرمایا تھا، وہ اسی دن کیلئے محفوظ رکھا ہے، اور ناخن اور موے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں، اس کرتہ میں مجھ کو کفنانا اور ناخن اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا، شاید خدا انکی برکت سے مغفرت فرمائے[1]،

حضرت زہیر رض بن کعب کو نعتیہ قصیدہ کے صلہ میں آنحضرت صلعم نے جو ردائے مبارک مرحمت فرمائی تھی، امیر معاویہ نے اسکو ایک بیش قرار رقم دیکر ان سے خرید لیا تھا، یہی چادر بعد میں تمام خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، جسکو وہ عیدین میں اوڑھ کر نکلتے تھے[2]،

مساوات،

امیر کو جاہ پرست کہا جاتا ہے، اور ایک حد تک یہ صحیح بھی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ معمولی آداب مجلس میں بھی اپنے اور عام مسلمان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، ابو مجلز راوی ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ نکلے، عبد اللہ بن عامر اور عبد اللہ بن زبیر بیٹھے ہوئے تھے، معاویہ کو دیکھکر ابن عامر کھڑے ہوگئے، اور ابن زبیر بیٹھے رہے، معاویہ نے ابن عامر کے قیام پر کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس سے خوش ہوتا ہے کہ خدا کے بندے اس کی تعظیم میں کھڑے ہوجائیں تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[3]،

امیر کے اخلاقی اصول

امیر معاویہ کے اخلاقی اصولوں سے ان کے عام اخلاق و عادات پر کافی روشنی پڑتی ہے، اس لئے آخر میں اخلاق کے بارہ میں ان کے کچھ زریں خیالات پیش کئے جاتے ہیں،

فرماتے تھے کہ میں اپنے نفس کو اس سے بلند دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرا گناہ میرے عفو

---

[1] استیعاب ج اول ص ۲۶۲، [2] اصابہ تذکرہ زہیر بن کعب، [3] ادب المفرد باب قیام الرجل للرجل تعظیماً،

میرا جہل میرے حلم سے زیادہ ہو یا کسی کا عیب اپنے پردہ مین نہ چھپاؤن، یا میری برائی، میری بھلائی سے زیادہ ہو، شریف کے لئے زینت پاکدامنی ہی، کہتے تھے کہ خدا نے بندہ کو جو نعمتین عطا کی ہین، ان مین سب سے افضل عقل وعلم ہی، اس کی وجہ سے جب آدمی کو کوئی یاد کرتا ہی تو وہ بھی اس کو یاد کرتا ہے، اور جب کوئی اسکو دیتا ہے تو وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے، اور جب مصیبت مین مبتلا ہوتا ہی تو صبر سے کام لیتا ہے، اور جب غصہ آتا ہی تو پی جاتا ہی، اور جب قابو پاتا ہی تو درگذر سے کام لیتا ہی، اور جب کوئی برائی سرزد ہوتی ہے، تو اس کی معافی چاہتا ہے، اور جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہی،[1]

---

[1] طبری، سیرت معاویہ،
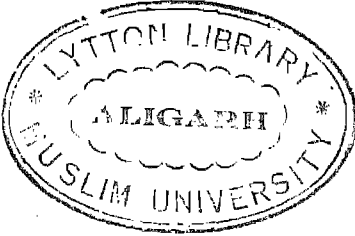
حضرت حسین بن علی بن ابی طالب رضؓ

نام ونسب حسین رضؓ نام ابو عبد اللہ کنیت "سید شباب اہل الجنۃ" اور "ریحانۃ النبی" لقب، علی مرتضیٰ باپ اور سیدہ بتول جگر گوشۂ رسول ماں تھیں، اس لحاظ سے آپ کی ذات گرامی قریش کا خلاصہ اور بنی ہاشم کا عطر تھی، شجرۂ طیبہ یہ ہے، حسین بن علی بن ابی طالب بن ہاشم بن عبد مناف قرشی ہاشمی ومطلبی، ع

دل وجان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

پیدائش ابھی آپ شکم مادر مین تھے کہ حضرت حارث کی صاحبزادی نے خواب دیکھا کہ کسی نے رسول اکرم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کی گود مین رکھدیا ہی، انھون نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مین نے ایک ناگوار اور بھیانک خواب دیکھا ہے، فرمایا کیا؟ عرض کیا ناقابل بیان ہے، فرمایا بیان کرو آخر کیا ہے؟ آنحضرت صلعم کے اصرار پر انھون نے خواب بیان کیا، آپ نے فرمایا یہ تو نہایت مبارک خواب ہے، فاطمہ رضؓ کے لڑکا پیدا ہوگا، اور تم اسے گود مین لوگی[1] کچھ دنون کے بعد اس بھیانک خواب کی روشن تعبیر ملی، اور ریاض نبوی مین وہ خوشرنگ ارغوانی پھول کھلا جس کی مہک حق وصداقت، جرأت وبسالت، عزم واستقلال، ایمان وعمل اور

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۶،

اور ایثار و قربانی کی وادیوں کو ابد الآباد تک بساتی اور جس کی رنگینی عقیق کی سرخی شفق کی گلگونی اور لالہ کے داغ کو ہمیشہ شرماتی رہے گی یعنی شعبان ۴ھ میں علیؓ کا کاشانہ حسینؓ کے تولد سے رشک گلزار بنا،

ولادت باسعادت کی خبر سنکر آنحضرت صلعم تشریف لائے، اور فرمانے لگے بچے کو دکھاؤ، کیا نام رکھا گیا؟ اور نومولود بچہ کو منگا کر اس کے کانوں میں اذان دی، اس طرح گویا پہلی مرتبہ خود زبان وحی و الہام نے اس بچہ کے کانوں میں توحید الٰہی کا صور پھونکا، درحقیقت اسی صور کا اثر تھا کہ ؎

سر داد دست نداد در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ،

پھر فاطمہ زہرا کو عقیقہ کرنے اور بچہ کے بالوں کے ہموزن چاندی خیرات کرنے کا حکم دیا، پدر بزرگوار کے حکم کے مطابق فاطمہؓ زہرا نے عقیقہ کیا[1]، والدین نے حرب نام رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلعم کو یہ نام پسند نہ آیا آپ نے بدل کر حسینؓ رکھا،[2]

عہد نبوی | حضرت حسینؓ کے بچپن کے حالات میں صرف ان کے ساتھ آنحضرت صلعم کے پیار اور محبت کے واقعات ملتے ہیں، آپ ان کے ساتھ غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، تقریباً روزانہ دونوں کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لیجاتے اور دونوں کو بلا کر پیار کرتے اور کھلاتے، دونوں بچے آپ سے بے حد مانوس اور شوخ تھے، لیکن آپ نے کبھی کسی شوخی پر تنبیہ نہیں فرمائی، بلکہ ان کی شوخیاں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے، اس قسم کے تمام حالات حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں لکھے جا چکے ہیں، اس لئے یہاں ان کے اعادہ کی حاجت نہیں، حضرت حسینؓ کا سن صرف

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۷۹ فضائل حسینؓ موطا امام مالک کتاب العقیقہ باب ما جاء فی العقیقہ میں بھی اسکا ذکر ہے،

[2] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸،

سات برس کا تھا کہ نانا کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا،

عہد صدیقی | حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں امام حسینؓ کی عمر ۸-۷ سال سے زیادہ نہ تھی، اس لئے ان کے عہد کا کوئی خاص واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، بجز اس کے کہ حضرت ابوبکرؓ نبیرۂ رسول کی حیثیت سے حضرت حسینؓ کو بہت مانتے تھے،

عہد فاروقی | حضرت عمرؓ کے ابتدائی عہدِ خلافت میں بھی بہت صغیر السن تھے، البتہ آخری عہد میں سن شعور کو پہنچ چکے تھے لیکن غالباً اس عہد کی فتوحات میں وہ شریک نہ ہوئے، حضرت عمرؓ بھی حضرت حسینؓ پر بے انتہا شفقت فرماتے تھے، اور قرابتِ رسول صلعم کا بڑا لحاظ رکھتے تھے چنانچہ جب بدری صحابہؓ کے لڑکوں کا دو دو ہزار وظیفہ مقرر کیا، تو حضرت حسینؓ کا محض قرابتِ رسول کے لحاظ سے پانچ ہزار ماہوار مقرر کیا[۱]،

آپ کسی چیز میں بھی حضرت حسینؓ کی ذات گرامی کو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، ایک مرتبہ یمن سے بہت سے حلّے آئے حضرت عمرؓ نے تمام صحابہؓ میں تقسیم کئے، آپ قبر اور منبر نبوی کے درمیان تشریف فرما تھے، لوگ ان حلوں کو پہن پہن کر شکریہ کے طور پر آکر سلام کرتے تھے، اسی دوران میں حضرت حسنؓ و حسینؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر سے نکلے، آپ کا گھر مسجد کے درمیان میں تھا حضرت عمرؓ کی نظر ان دونوں پر پڑی، تو ان کے جسموں پر حلے نظر نہ آئے، یہ دیکھکر حضرت عمرؓ کی جبین عدالت پر شکن پڑ گئی، لوگوں سے کہا مجھے تمھیں حلے پہنا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، انھوں نے پوچھا امیر المومنین یہ کیوں، فرمایا اس لئے کہ ان دونوں لڑکوں کے جسم ان حلوں سے خالی ہیں، اس کے بعد فوراً حاکمِ یمن کو حکم بھیجا کہ جلد سے جلد دو حلے بھیجو، اور حلے منگوا کر دونوں بھائیوں کو پہنانے کے بعد فرمایا اب مجھے خوشی ہوئی، ایک روایت یہ ہے کہ پہلے حلے حضرت حسنؓ و حسینؓ

[۱] فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمر بن الخطابؓ،

کے لایق نہ تھے[1]

حضرت عمرؓ حسنینؓ کو اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے بھی جو عمر اور ذاتی فضل وکمال میں ان دونوں سے فایق تھے، زیادہ مانتے تھے، ایک مرتبہ آپ منبر نبوی پر خطبہ دے رہے تھے کہ حسینؓ آئے، اور منبر پر چڑھ کر کہا 'میرے باپ (رسول اللہ صلعم) کے منبر سے اترو، اور اپنے باپ کے منبر پر جاؤ' حضرت عمرؓ نے اس طفلانہ شوخی پر فرمایا، کہ میرے باپ کے تو کوئی منبر ہی نہ تھا، اور انھیں اپنے پاس بٹھا لیا، خطبہ تمام کرنے کے بعد انھیں اپنے ساتھ گھر لیتے گئے، راستہ میں پوچھا کہ یہ تم کو کس نے سکھایا تھا؟ بولے واللہ کسی نے نہیں، پھر فرمایا کبھی کبھی میرے پاس آیا کرو، چنانچہ اس ارشاد کے مطابق ایک مرتبہ حسینؓ ان کے پاس گئے، اس وقت حضرت عمرؓ معاویہؓ سے تنہائی میں کچھ گفتگو کر رہے تھے، اور ابن عمرؓ دروازہ پر کھڑے تھے، حسینؓ بھی انھیں کے پاس کھڑے ہو گئے، اور بغیر ملے ہوئے انھیں کے ساتھ واپس چلے گئے، اس کے بعد جب حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا تم آئے کیوں نہیں؟ انھوں نے جواب دیا امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا مگر آپ معاویہ سے گفتگو میں مشغول تھے، اس لئے عبداللہؓ کے ساتھ کھڑا رہا، پھر انھیں کے ساتھ لوٹ گیا، فرمایا تم کو ان کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی، تم ان سے زیادہ حقدار ہو، جو کچھ ہماری عزت ہے، وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے[2]،

عہد عثمانی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں پورے جوان ہو چکے تھے، چنانچہ سب سے اول اسی عہد میں میدان جہاد میں قدم رکھا، اور ۳۰ھ میں طبرستان کی فوجکشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے[3] پھر جب حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت برپا ہوئی اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کر لیا، تو حضرت علیؓ نے دونوں بھائیوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا، کہ باغی اندر نہ گھسنے

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۱ و ۳۲۲ [2] اصابہ ج ۲ صفحہ ۱۵ [3] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۹۰

پائیں، چنانچہ حفاظت کرنے والوں کے ساتھ ان دونوں نے بھی نہایت بہادری کے ساتھ باغیوں کو اندر گھسنے سے روکے رکھا لیکن باغی کوٹھے پر چڑھکر اندر اتر گئے، اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا حضرت علیؓ کو شہادت کی خبر ہوئی تو انھوں نے دونوں بھائیوں سے نہایت سختی کے ساتھ باز پرس کی، کہ تمھارے ہوتے ہوئے باغی کس طرح اندر گھس گئے،[1]

جنگ جمل و صفین، جنگ جمل میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے، اختتام جنگ کے بعد کئی میل تک حضرت عائشہؓ کو پہنچانے کے لئے گئے، جنگ جمل کے بعد صفین کے قیامت خیز واقعہ میں بھی آپ نے بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، لیکن یہاں ان لاطائل تفصیلات کی ضرورت نہیں، التوائے جنگ کے بعد معاہدہ نامہ میں بحیثیت شاہد کے حضرت حسینؓ کے بھی دستخط تھے پھر جنگ صفین کے بعد خوارج کی سرکوبی میں بڑے انہماک سے حصہ لیا،

حضرت علیؓ کی شہادت اس کے بعد سنہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا زخم بہت کاری تھا، جب حالت زیادہ نازک ہوئی، تو حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بلا کر مفید نصیحتیں کیں، اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرکے مرتبۂ شہادت پر ممتاز ہو گئے،

عہد معاویہؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے لیکن جیسا کہ اوپر ان کے حالات میں معلوم ہو چکا ہے، آپ مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری پر آمادہ ہو گئے اور حسینؓ کو اپنے عزم سے آگاہ کیا، حسینؓ نے اس کی بڑی پرزور مخالفت کی، لیکن حضرت حسنؓ کے عزم راسخ کے سامنے ان کی مخالفت کامیاب نہ ہو سکی اور ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، حضرت حسینؓ کو بھی برادر بزرگ کے فیصلہ کے سامنے سر خم کرنا پڑا، گو حضرت حسینؓ امیر معاویہؓ کو بر سر حق

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۵۹

نہین سمجھتے تھے، تاہم ان کے زمانہ کی لڑائیون مین برابر شریک ہوتے تھے، چنانچہ ۴۹ھ مین قسطنطنیہ کی مشہور مہم مین جس کا کماندار سفیان بن عوف تھا مجاہدانہ شرکت کی تھی،

حسنؓ کا انتقال اسی سال یعنی ۴۹ھ مین حضرت حسنؓ کا انتقال ہوگیا، اس سلسلہ مین حضرت حسینؓ کو جو جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ حضرت حسنؓ کے حالات مین گذر چکا ہے، اس لئے یہان انکے اعادہ کی ضرورت نہین،

امیر معاویہ اور حسینؓ امیر معاویہ اور حسینؓ کے ظاہری تعلقات ہمیشہ نہایت خوشگوار رہے، گو حضرت حسینؓ کا دل ان کی طرف سے صاف نہ تھا، تاہم ظاہری تعلقات مین کوئی فرق نہ آیا، حضرت حسنؓ نے دست برداری کے وقت حسینؓ کے لئے جو رقم مقرر کرائی تھی امیر معاویہؓ برابر انھین پہنچاتے رہے، بلکہ اس رقم کے علاوہ بھی مسلوک ہوتے رہتے تھے، البتہ یزید کے ولیعہدی کے وقت ناخوش گواری پیدا ہوگئی تھی، لیکن اس مین بھی کوئی بدنما صورت نہین پیدا ہوئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۵۶ھ مین جب امیر معاویہؓ نے اہل مدینہ سے یزید کی بیعت لینی چاہی تو طبری کے بیان کے مطابق سوائے چند لوگون کے کل اہل مدینہ نے بیعت کرلی، بیعت نہ کرنے والون مین ایک حسینؓ بھی تھے، لیکن جب عام بیعت ہوگئی، تو امیر معاویہؓ نے ان لوگون سے کچھ زیادہ اصرار نہین کیا،[۱] یہ طبری کی روایت ہے، ابن اثیر کی روایت کی رو سے امیر معاویہؓ نے پہلے تمام اکابر مدینہ سے بزور بیعت لے لی، اور ان کی بیعت کو عوام کے سامنے سند مین پیش کرکے سب سے بیعت لی، اور کسی نے کوئی اختلاف نہ کیا، سب خاموش رہے، ان خاموش رہنے والون مین حضرت حسینؓ بھی تھے، اس کی تفصیلات امیر معاویہؓ کے حالات مین لکھی جاچکی ہین،

امیر معاویہ نہایت زمانہ شناس اور بڑے عاقبت بین مدبر تھے، مستقبل مین پیش آنے والے

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۱۷۷،

واقعات کا بہت پہلے سے اندازہ کر لیتے تھے، چنانچہ انھیں اس کا یقین تھا، کہ ان کے بعد ابن زبیرؓ ضرور خلافت کا دعویٰ کرینگے اور حسینؓ کو بھی اہل عراق یزید کے مقابلہ مین کھڑا کر دینگے، اسلئے موت کے وقت یزید سے دونون کے بارہ مین وصیت کرتے گئے، حضرت حسینؓ کے متعلق خاص طور سے تاکید کی تھی کہ میرے بعد عراق والے حسین کو تمھارے مقابلہ مین ضرور کھڑا کرینگے، اس لئے جب وہ تمھارے مقابلہ مین کھڑے ہون، اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا، کیونکہ وہ قرابت دار، بڑے حقدار اور رسول اللہ صلعم کے عزیز ہین،[۱]

یزید کی تخت نشینی اور حسینؓ سے بیعت کا مطالبہ

رجب سنہ ۶۰ھ مین امیر معاویہ کا انتقال ہوا، ان کے بعد یزید (جس کی بیعت وہ اپنی زندگی ہی مین لے چکے تھے) ان کا جانشین ہوا، تخت حکومت پر قدم رکھنے کے بعد یزید کے لئے سب سے اہم معاملہ حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا، کیونکہ ان دونون نے امیر معاویہؓ کے یزید کو ولیعہد نامزد کرتے وقت بھی نہ دل سے یزید کی ولیعہدی تسلیم کی تھی، اور نہ زبان سے اسکا اقرار کیا تھا، اس کے علاوہ ان دونون کے بیعت نہ کرنیکی صورت مین خود ان کی جانب سے دعویٰ خلافت اور حجاز مین یزید کی مخالفت کا خطرہ تھا، اور ان دونون کے دعویٰ خلافت سے سارا حجاز یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہو جاتا، بالخصوص حسینؓ کی وجہ سے عراق مین بھی شورش بپا ہو جاتی، جیسا کہ آیندہ چل کر ابن زبیرؓ کے دعویٰ خلافت کے زمانہ مین ہوا کہ شام کے بعض حصون کے سوا قریب قریب پورا ملک ابن زبیر کے ساتھ ہو گیا، ان وجوہ کی بنا پر سیاسی حیثیت سے اپنی حکومت کی بقا و تحفظ کے لئے یزید نے ان دونون سے بیعت لینا ضروری سمجھا، گو یہ اس کی ناعاقبت اندیشی تھی، اگر وہ عاقبت اندیشی سے کام لے کر ان بزرگون کو ساتھ ملا لیتا، تو بہت ممکن تھا کہ وہ ناگوار واقعات نہ پیش آتے جنھون نے بنی امیہ

---

[۱] طبری ج ۷ ص ۱۹۶ والفخری ص ۱۰۲،

کی بنیاد ہلا دی[۱]، غرض اس نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام
ان دونوں سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا، ابھی تک مدینہ میں امیر معاویہ کی وفات کی خبر نہ
پہنچی تھی ولید اس حکم سے بہت گھبرایا کیونکہ اس کے لئے اس حکم کی تعمیل بہت مشکل تھی، اور وہ اس کے
انجام سے واقف تھا، اس لئے اس نے اپنے نائب مروان سے مشورہ کیا، مروان نہایت سنگدل
اور سخت مزاج تھا، اس نے کہا دونوں کو اسی وقت بلا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کرو، اگر
مان جائیں تو فبہا، اور اگر ذرا بھی لیت ولعل کریں تو سر قلم کردو، ورنہ اگر ان لوگوں کو معاویہ
کی موت کی خبر مل گئی تو پھر ان میں ہر ایک شخص ایک ایک مقام پر خلافت کا مدعی بن کر کھڑا
ہو جائیگا، اور اس وقت سخت دشواری پیش آئے گی، اس مشورہ کے بعد ولید نے ان دونوں
کو بلا بھیجا، یہ طلبی ایسے غیر معمولی وقت میں ہوئی تھی، جو ولید کے ملنے ملانے کا وقت نہ تھا، اس کے
علاوہ امیر معاویہ کی علالت کی خبریں مدینہ آچکی تھیں، ان قیاسات اور قرائن سے دونوں آدمی
سمجھ گئے کہ امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا ہے، اور ہمیں اسوقت بیعت کیلئے بلایا گیا ہے، تاکہ معاویہ کی
موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی مدینہ میں بیعت لے لیجائے حضرت حسینؓ کو معلوم تھا کہ ان کے انکار بیعت
کی صورت میں کس حد تک معاملہ نزاکت اختیار کرسکتا ہے، اس لئے اپنی حفاظت کا مکمل سامان
کرکے ولید کے پاس پہنچے اور مکان کے باہر آدمیوں کو متعین کردیا تاکہ اگر مبادا کوئی ناگوار
صورت پیش آئے تو وہ لوگ فوراً آپ کی آواز پر پہنچ جائیں، ولید نے انہیں امیر معاویہ کی موت
کی خبر سنا کر یزید کی بیعت کے لئے کہا، حسینؓ نے تعزیت کے بعد عذر کیا کہ میرا جیسا آدمی چھپ کر
بیعت نہیں کرسکتا، اور نہ میرے لئے خفیہ بیعت کرنا زیبا ہے، جب تم عام بیعت کے لئے لوگوں
کو بلاؤ گے تو میں بھی آجاؤنگا، اور عام مسلمان جو صورت اختیار کریں گے اس میں مجھے

---

[۱] یہ حسینؓ کے خون ہی کا نتیجہ تھا کہ بنی عباس نے بنی امیہ کے خلاف نفرت پھیلا کر انکی حکومت مٹا کر اپنی حکومت قائم کرلی تھی،

بھی کوئی عذر نہ ہوگا، ولید نرم خو اور صلح پسند آدمی تھا، اسلئے رضامند ہوگیا اور حضرت حسینؓ اسوقت لوٹ آئے، مروان جس نے زبردستی بیعت لینے کی رائے دی تھی، اور انکار کی صورت مین قتل کرنے تک پر آمادہ تھا ولید کی اس صلح پسندی پر بہت برہم ہوا، اور کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا اب تم ان پر قابو نہین پا سکتے۔ ولید بولا افسوس تم فاطمہؓ بنت رسولؐ کے لڑکے حسینؓ کے خون سے میرے ہاتھ آلودہ کرانا چاہتے ہو، خدا کی قسم قیامت کے دن حسینؓ کے خون کا جس سے محاسبہ کیا جائیگا، اس کا پلہ خدا کے نزدیک ہلکا ہوگا[1]،

محمد بن حنفیہ کا مشورہ | ولید کے پاس سے واپس آنے کے بعد حضرت حسینؓ اور کشمکش مین پڑ گئے آپ کو اس مشکل سے مفر کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، ایک طرف آپ یزید کی بیعت دل سے سخت ناپسند کرتے تھے، کیونکہ اس کی بیعت خلفاے راشدینؓ کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے بالکل برعکس اور غیر شرعی ہوئی تھی، اور یہ اسلام مین قیصر و کسری کے طرز کی پہلی شخصی بادشاہی تھی اس لئے حضرت حسینؓ احتجاجاً اس کے سخت خلاف تھے، لیکن دوسری طرف جمہور امت کے خلاف بھی نہین جانا چاہتے تھے، چنانچہ ولید سے فرما دیا تھا کہ جب تمام اہل مدینہ بیعت کرلین گے، تو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا، تیسرے اہل عراق خود آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اور آپ کے پاس اس مضمون کے بہت سے خطوط آچکے تھے کہ آپ ظالم حکومت کے مقابلہ مین خلافت قبول کیجئے، غرض ان حالات نے آپکو بڑی کشمکش مین مبتلا کردیا،

جس دن حضرت حسینؓ ولید سے ملے تھے، اس کے دوسرے دن عبداللہ بن زبیرؓ مدینہ سے مکہ نکل گئے، اور دن بھر ولید اور ان کا عملہ ان کی تلاش مین سرگردان رہا[1]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰ و اخبار الطوال ص ۲۴۱، حسینؓ کے ساتھ ابن زبیرؓ کے حالات بھی تھے ہم نے انکو قصداً نظر انداز کردیا، کیونکہ ان کے تفصیلی حالات آئندہ آئین گے،

حضرت حسینؓ کا کسی کو خیال نہ آیا، اس کے دوسرے دن ولید نے حضرت حسینؓ کے پاس پھر یاددہانی کے لئے آدمی بھیجا آپ نے ایک دن کی اور مہلت مانگی، ولید نے اسے بھی منظور کر لیا اس کے بعد بھی حضرت حسینؓ کوئی فیصلہ نہ کر سکے، اور اسی کشمکش اور پریشانی میں اپنے اہل وعیال اور عزیز واقربا کو لیکر رات کو نکل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تک یہ بھی طے نہ کیا تھا کہ مدینہ سے نکل کر جائیں تو کدھر جائیں؟ اس پریشانی اور تذبذب کے موقعہ پر محمد بن حنفیہ نے مشورہ دیا کہ اس وقت آپ یزید کی بیعت اور کسی مخصوص شہر کے ارادہ سے جہاں تک ہو سکے الگ رہئے اور لوگوں کو خود اپنی خلافت کی دعوت دیجئے، اگر وہ لوگ بیعت کر لیں تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، اور اگر کسی دوسرے شخص پر لوگوں کا اجماع ہو جائے تو اس سے آپ کے اوصاف وکمالات اور فضائل میں کمی نہ آئیگی، مجھے خوف ہے کہ اگر آپ اس پر شور زمانہ میں کسی مخصوص شہر اور مخصوص جماعت کا قصد کریں گے تو ان میں اختلاف پیدا ہو جائیگا، ایک فریق آپ کی حمایت میں ہوگا، اور دوسرا مخالف پھر یہ دونوں آپس میں لڑیں گے اور آپ ان کے نیزوں کا پہلا نشانہ بنینگے، ایسی صورت میں اس امت کا معزز ترین اور شریف ترین شخص جسکا ذاتی اور نسبی شرف میں کوئی مقابل نہیں، سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائیگا، اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزان ہو جائیگا، یہ مشورہ سنکر حضرت حسینؓ نے سوال کیا پھر میں کہاں جاؤں محمد بن حنفیہ نے کہا مکہ اگر وہاں آپ کو اطمینان حاصل ہو جائے تو کوئی نہ کوئی راستہ پیدا ہو جائیگا اور اگر اطمینان حاصل نہ ہو تو کسی اور ریگستان اور پہاڑیوں میں نکل جائیے، اور اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہئے جب تک ملک کا کوئی فیصلہ نہ ہو جائے، اس وقت تک آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے، کیونکہ جب واقعات سامنے آجاتے ہیں اس وقت آپ کی رائے بہت زیادہ صائب ہو جاتی اور آپ کا طریقۂ کار بہت صحیح ہو جاتا ہے، حضرت حسینؓ نے محمد بن حنفیہ کا یہ مشورہ پسند کیا اور فرمایا تمہاری

نصیحت بہت محبت آمیز ہے، تمھاری رائے بھی صائب ہوگی[1]،

حضرت حسینؓ کا سفر مکہ اور عبداللہ بن مطیع کا مشورہ

اس وقت مدینہ بہت پر آشوب ہو رہا تھا، اس کے مقابلہ مین اگر کہین امن تھا، تو وہ حرم محترم تھا، اور حضرت حسینؓ کے پاس کوفہ سے خط پر خط اور آدمی پر آدمی آرہے تھے کہ آپ کوفہ تشریف لائیے ہم سب جان نثاری کے لئے تیار ہین، لیکن محمد بن حنفیہ نے کسی اور مقام پر جانے کی مخالفت کی تھی اور مکہ ہی مین قیام کرنے کا مشورہ دیا تھا، اسلئے حضرت حسینؓ نے مدینہ چھوڑ کر مکہ جانے کا قصد کر لیا، چنانچہ شعبان ۶۰ھ مین مع اہل وعیال مکہ روانہ ہو گئے، راستہ مین عبداللہ بن مطیع ملے انھون نے آپ کو مع اہل وعیال مدینہ سے جاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا مین آپ پر فدا ہون کہان کا قصد ہے؟ فرمایا فی الحال مکہ جاتا ہون، عبداللہ نے کہا خیر مگر خدا کے لئے کوفہ کا قصد نہ کیجئے گا، وہ منحوس شہر ہے، وہان آپ کے والد شہید کئے گئے، آپکے بھائی بے یار و مددگار چھوڑے گئے، نیزے سے زخمی ہوئے، جان جاتے جاتے بچی، آپ حرم مین بیٹھ جائیے، آپ عرب کے سردار ہین، حجازی آپ کے مقابلہ مین کسی کو نہ مانین گے، حرم مین بیٹھکر اطمینان کے ساتھ لوگون کو اپنی طرف مائل کیجئے، میرے چچا اور مامون آپ پر فدا ہون، آپ حرم کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑیئے گا، اگر نصیب دشمنان آپ پر کوئی آنچ آئی تو ہم سب غلام بنا ڈالے جائین گے،

تحقیق حال کے لئے مسلم بن عقیل کی کوفہ روانگی اور راہ کے شدائد

مکہ پہنچنے کے بعد حضرت حسینؓ نے شعب ابی طالب (یہ وہی گھاٹی ہے جسمین قریش نے آنحضرت صلعم اور آپ کے ساتھ آپ کے دوسرے ہوا خواہون کو تبلیغ اسلام کے جرم مین نظر بند کیا تھا) مین قیام فرمایا، آپ کی آمد کی خبر سنکر لوگ جوق درجوق زیارت کے لئے آنے لگے، اور کوفیون کے بلاوے کے خطوط کا تانتا

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲۲۰ و ۲۲۱ ملخصاً

بندھ گیا، عمائد کوفہ کی سفارت بھی آئی کہ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لے چلیئے وہان کی مسند خلافت آپ کے لئے خالی ہے، اور ہماری گردنین آپ کے لئے حاضر ہین، حضرت حسینؓ نے یہ اشتیاق سنکر فرمایا مین تمہاری محبت اور ہمدردی کا شکر گذار ہون، لیکن فی الحال مین نہین جاسکتا پہلے اپنے بجائے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہون، یہ وہان کے حالات کا اندازہ لگاکر مجھے اطلاع دین گے، صحیح حالات معلوم ہونے کے بعد پھر مین کوفہ کا قصد کرونگا، چنانچہ مسلم کو ایک خط دیکر تحقیق حال کیلئے کوفہ روانہ کر دیا، کہ وہ خود براہ راست حالات کا صحیح اندازہ لگاکر اطلاع دین، اور اگر حالات کا رُخ کچھ بدلا ہوا دیکھین تو لوٹ آئین، چنانچہ مسلم دو آدمیون کو لیکر کوفہ روانہ ہوگئے، راستہ مین بڑی دشواریان پیش آئین پانی کی قلت کیوجہ دونون آدمی ہلاک ہوگئے، مسلم نے کوفہ کے قریب پہنچکر حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ مین ان ان دشواریون کے ساتھ یہان تک پہنچا ہون، بہتر ہوتا کہ یہ خدمت اب کسی دوسرے کے سپرد کر دیجاتی، لیکن امام نے جواب مین لکھا کہ یہ تمہاری کمزوری ہے ہمت نہ ہارو، اس لئے مسلم کو چار و ناچار کوفہ مین داخل ہونا پڑا، کوفہ والے چشم براہ ہی تھے مسلم کو ہاتھون ہاتھ لیا اور ان کے پہنچتے ہی کوفہ مین یزید کے خلاف ایک لہر دوڑ گئی،

یزید کو مسلم کے پہنچنے کی اطلاع اور حسینؓ کے بصری قاصد کا قتل

مسلم کے کوفہ پہنچنے کے بعد حکومت شام کے جاسوسون نے پایہ تخت اطلاع بھیجی کہ حسینؓ کی طرف سے مسلم بیعت لینے کے لئے کوفہ آگئے ہین، اگر سلطنت کی بقا منظور ہے، تو فوراً اس کا تدارک کیا جائے، اس اطلاع پر دربار دمشق سے عبید اللہ بن زیاد کے نام تاکیدی حکم جاری ہوا، کہ فوراً کوفہ جاکر مسلم کو خارج البلد کر دو اور اگر وہ اس مین مزاحمت کرین تو قتل کر دو، ابن زیاد کو بصرہ مین یہ فرمان ملا، اتفاق سے اسی دن حضرت حسینؓ کا ایک اور قاصد اہل بصرہ کے نام بھی ایک خط لیکر آیا تھا، کیونکہ یہان کے باشندے بھی آپ کی طرف مائل تھے، بصرہ والون کو یزید کے فرمان کا علم ہوچکا تھا

اس لئے انھون نے اس قاصد کو چھپا دیا، مگر ابن زیاد کے خسر کو اس کا علم ہو گیا تھا، اس نے ابن زیاد کو خبر کر دی، ابن زیاد نے اسی وقت قاصد کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا، اور جامع بصرہ مین تقریر کی، کہ "امیر المومنین نے مجھے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی مرحمت فرمائی ہے اس لئے مین وہان جا رہا ہون، میری عدم موجودگی مین میرا بھائی عثمان یہان میری نیابت کریگا، تم لوگون کو اختلاف اور شورش سے بچنا چاہئے، یاد رکھو جس کے متعلق مجھے ان دونون چیزون مین حصہ لینے کی اطلاع ملے گی، اس کو اور اس کے حامی دونون کو قتل کر ڈالون گا اور قریب و بعید اور گنا ہگار و ناکردہ گناہ سب کو ایک گھاٹ اتارونگا، تاآنکہ تم لوگ راہ راست پر آجاؤ، میرا فرض سمجھانا تھا اسے مین نے پورا کر دیا اب مین بری الذمہ ہون"

کوفہ مین ابن زیاد کا ورود اور پہلی تقریر

اس تہدید آمیز تقریر کے بعد ابن زیاد بصرہ سے کوفہ روانہ ہو گیا، اہل کوفہ حضرت حسینؓ کے لئے چشم براہ تھے، اور آپ کے دھوکے مین ہر باہر سے آنے والے کو دیکھ مرحبا یا ابن رسول اللہ کا نعرہ لگاتے تھے، اس لئے ابن زیاد کوفہ مین جن جن راستون سے گذرا، یہی نعرہ سنائی دیا، نعرے سنکر جوش غضب سے بھر گیا، اور سیدھا جامع مسجد آیا، اور لوگون کو جمع کر کے تقریر کی کہ "باشندگان کوفہ امیر المومنین نے مجھے تمھارے شہر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے، اور مظلوم کے ساتھ انصاف مطیع و منقاد کے ساتھ احسان اور نافرمان اور باغی کے ساتھ سختی کا حکم دیا ہے، مین اس حکم کی پوری پابندی کرون گا، فرمان بردارون کے ساتھ پدرانہ شفقت سے پیش آؤنگا، لیکن مخالفون کے لئے سم قاتل ہون"

کوفہ مین مسلم کا خفیہ سلسلہ بیعت

اس اعلان سے مسلم گھبرا گئے، اور رات کو اپنے قیامگاہ سے نکل کے اہل بیت کے ایک ہوا خواہ ہانی بن عروہ مذحجی کے یہان پہنچے ابن زیاد کے اعلان سے سب خوفزدہ ہو رہے تھے، اس لئے ہانی کو پہلے مسلم کے ٹھہرانے مین تذبذب ہوا، لیکن پھر زنانہ مکان

کے ایک محفوظ حصہ مین چھپا دیا حضرت حسینؓ کا ایک بڑا حامی شریک بن اعور سلمی جو بصرہ کا
ایک بڑا معتقد اور معزز شخص تھا عبیداللہ بن زیاد کے ساتھ کوفہ آیا ہوا تھا، اس تعلق سے
ہانی نے اسے بھی اپنا مہمان بنایا، اور مسلم کے ساتھ ٹھہرا دیا، اس نے ہانی کو مسلم کی امداد پر آمادہ
کیا، اور مسلم کے پاس حامیان حسینؓ کی خفیہ آمد و رفت شروع ہوگئی، اس طرح بیعت کا سلسلہ
جاری ہوگیا، سوء اتفاق سے اسی دوران مین شریک بیمار پڑگیا، ابن زیاد کو خبر ہوئی تو وہ
عیادت کے لئے آیا، اس کے آنے کی خبر سنکر شریک نے پہلے سے اس کا قصہ چکانے کا بندوبست
کرلیا اور مسلم کو ایک خفیہ مقام پر چھپاکر یہ ہدایت کردی کہ موقعہ پاتے ہی نکل کر ابن زیاد
کا کام تمام کردینا اس کے بعد بصرہ کی مسند خلافت تمھارے لئے خالی ہوجائیگی، اور کوئی مزاحم
باقی نہ رہیگا،" ہانی نے اپنے گھر مین یہ صورت ناپسند کی لیکن شریک نے اس قتل کو مذہبی
خدمت بتاکر ہانی کو آمادہ کرلیا، اس اہتمام کے بعد عبیداللہ بن زیاد پہنچا عیادت کی، اور دیر تک
بیٹھا رہا مگر مسلم نہ نکلے، شریک نے اشارہ بھی کیا، مگر کسی وجہ سے مسلم نے حملہ مناسب نہ سمجھا، اور
ابن زیاد بچ کر نکل گیا، اس کی واپسی کے بعد شریک نے کہا تم نے بڑی بزدلی سے کام
لیا، مسلم نے جواب دیا کہ اول ہمارے میزبان ہانی کو یہ صورت پسند نہ تھی، دوسرے رسول اللہ
صلعم کا یہ فرمان کہ "ایمان اچانک حملہ سے روکتا ہے، اور اچانک حملہ مسلمانون کے شایان
شان نہین"، میرے پاؤن پکڑ لیتا تھا، بہر حال مسلم نے اپنے مذہبی تشدد کی بنا پر ابن زیاد
کے قتل کا بہترین موقع کھو دیا، تاہم اس کے بعد بھی انکا سلسلۂ بیعت بدستور برابر جاری رہا، اور
اٹھارہ ہزار اہل کوفہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے حضرت حسینؓ کے زمرۂ عقیدت مین داخل ہوئے

ہانی مذحجی کا قتل ابن زیاد کو مسلم کی تلاش مین آئے ہوئے عرصہ گذر چکا تھا لیکن ابھی تک اسے
انکا سراغ نہ ملا تھا، آخر مین اس نے اپنے غلام معقل کو سراغرسانی پر مامور کیا، اس قسم کی

خفیہ تحریکون کا پتہ چلانے کے لئے بہترین مقام مسجد تھی کیونکہ مسجد مین ہر قسم کے لوگ آتے تھے اس لئے یہ غلام سیدھا جامع مسجد پہنچا یہان دیکھا کہ ایک شخص مسلسل نمازین پڑھ رہا ہے، معقل نے نمازون کی کثرت سے قیاس کیا کہ یہ حضرت حسینؓ کے حامیون مین ہے، یہ اندازہ لگانے کے بعد پاس جا کر کہا کہ مین شامی غلام ہون، خدا نے میرے دل مین اہل بیت نبویؐ کی محبت ڈال دی ہے، میرے پاس تین ہزار درہم ہین، مین نے سنا ہے کہ یہان حسین علیہ السلام کا کوئی داعی آیا ہوا ہے، مین اس کی خدمت مین یہ اس رقم کو نذرانہ عقیدت کے طور پر پیش کرنا چاہتا ہون، کہ وہ اس کو کسی کار خیر مین صرف کرین، اس داعی نے سوال کیا، مسجد مین اور مسلمان بھی ہین تم نے خاص طور سے مجھ سے یہ سوال کیون کیا، معقل نے جواب دیا "آپ کے بشرہ پر خیر کے آثار نظر آئے" معقل کی سحر کار گفتگو سے وہ شخص اس کے فریب مین آگیا، اور اس کو معقل کی حمایت حسینؓ کا یقین ہو گیا، چنانچہ اس ملاقات کے دوسرے دن معقل اس داعی کے ہمراہ مسلم کے پاس پہنچا، اور ۳ ہزار کی نذر پیش کر کے بیعت کی بیعت کے بعد غایت عقیدتمندی مین انھین کے پاس رہنے لگا، رات بھر مسلم کے پاس رہتا، اور دن کو ابن زیاد کے پاس جا کر مفصل رپورٹ پہنچاتا، ہانی چونکہ مقتدر آدمی تھے اس لئے پہلے ابن زیاد کے پاس آیا جایا کرتے تھے، لیکن جب سے مسلم کے مشن کے کارکن ہو گئے تھے، اس وقت سے بیماری کا بہانہ کر کے آنا جانا ترک کر دیا تھا، ایک دن ابن زیاد کے پاس محمد بن اشعث اور اسماء بن خارجہ آئے، ابن زیاد نے ان سے پوچھا ہانی کا کیا حال ہے؟ انھون نے کہا بیمار ہین، ابن زیاد نے کہا کیسے بیمار ہین کہ دن بھر اپنے دروازہ پر بیٹھے رہتے ہین،؟ یہ دونون یہان سے واپس گئے، تو ہانی سے ابن زیاد کا سوءِ ظن بیان کیا، اور کہا تم ابھی ہمارے ساتھ چلے چلو تاکہ اسی وقت معاملہ صاف ہو جائے، ان دونون کے کہنے پر ہانی ان کے ساتھ ہو گئے، مگر دل مین چور تھا

اس لئے قصر امارہ کے پاس پہنچکر انھین خوف پیدا ہوا، چنانچہ انھون نے کہا کہ مجھے اس شخص سے ڈر معلوم ہوتا ہے، محمد بن اشعث نے اطمینان دلایا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہین [۱] تم بالکل بری الذمہ ہو اور ہانی کو اندر لے گئے، ابن زیاد کو تمام خفیہ حالات کی خبر ہوچکی تھی، اس نے ہانی کو دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا،

اُرید حیاۃ ویرید قتلی عذیرک من خلیلک من مراد

مین اسکو انعام دینا چاہتا ہون اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، قبیلہ مراد سے اپنے کسی دوست کو معذرت کے لئے لا،

ہانی نے یہ شعر سنکر پوچھا اس کا کیا مطلب؟ ابن زیاد نے جواب دیا مطلب پوچھتے ہو؟ مسلم کو چھپانا ان کی بیعت کے لئے لوگون کو خفیہ جمع کرنا، اس سے بڑھکر سنگین جرم کیا ہو سکتا ہی؟ ہانی نے اس الزام سے انکار کیا، ابن زیاد نے اسی وقت معقل کو طلب کیا اور ہانی سے کہا اس کو پہچانتے ہو؟ معقل کو دیکھکر ہانی کے ہاتھون کے طوطے اڑگئے، اب وہ سمجھے کہ یہ شیعیت کے بھیس مین جاسوسی کر رہا تھا، اس عینی شہادت کے سامنے انکار کی گنجایش نہ تھی اس لئے صاف صاف اقرار کرلیا، کہ آپ سچ کہتے ہین، لیکن خدا کی قسم مین نے مسلم کو بلایا نہین تھا، اور کل واقعہ صحیح صحیح بیان کرکے وعدہ کیا کہ ابھی جاکر انھین اپنے گھر سے نکالے دیتا ہون اور نکال کر واپس آتا ہون، لیکن ابن زیاد نے اس کی اجازت نہ دی اور کہا خدا کی قسم تم اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہین کرسکتے جب تک کہ مسلم یہان آنہ جائین، ہانی نے جواب دیا یہ نہین ہوسکتا، خدا کی قسم مین اپنے مہمان اور پناہ گزین کو قتل کے لئے کبھی تمہارے حوالہ نہین کرسکتا، یہ صاف جواب سنکر ابن زیاد بے تاب ہوگیا، اور اس زور سے ہانی کو بید مارا کہ ان کی ناک پھٹ گئی، اور ابرو کی ہڈی ٹوٹ گئی، اور انھین ایک گھر مین ڈلوا دیا،

---

[۱] اخبار الطوال ص ۲۴۸ تا ۲۵۱،

ادھر شہر مین یہ افواہ پھیل گئی کہ ہانی قتل کر دیئے گئے، یہ افواہ سنکر ہانی کے قبیلہ والے ہزارون کی تعداد مین قصر امارہ پر ٹوٹ پڑے اور انتقام انتقام کا نعرہ لگانے لگے، یہ نازک صورت دیکھکر ابن زیاد بہت گھبرایا، اور قاضی شریح سے کہا کہ آپ ہانی کو اپنی آنکھ سے دیکھکر ہانی کے قبیلہ والون کو اطمینان دلا دیجئے کہ وہ قتل نہین کئے گئے، چنانچہ قاضی صاحب ہانی کے معائنہ کیلئے گئے، ہانی اپنے قبیلہ والون کا شور و ہنگامہ سن رہے تھے، قاضی صاحب کو دیکھکر کہا یہ آوازین میرے قبیلہ والون کی معلوم ہوتی ہین، انھین آپ اتنا پیام پہنچا دیجئے، کہ اگر اس وقت تملوگون مین سے دس آدمی بھی آجائین تو مین چھوٹ سکتا ہون، لیکن قاضی شریح کے ساتھ جاسوس لگا ہوا تھا، اس لئے وہ یہ پیام نہ پہنچا سکے، اور بنی مذحج کو ہانی کے زندگی کا یقین دلا کر واپس کر دیا۔

اہل کوفہ کی غداری اور مسلم کی روپوشی

مسلم بن عقیل نے ہانی کے قتل کی افواہ سنی تو انھون نے "یا منصور امت" کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنے اٹھارہ ہزار آدمیون کیساتھ قصر امارہ پر حملہ کرکے ابن زیاد کو گھیر لیا، اس وقت ابن زیاد کے پاس صرف پچاس آدمی تھے، ۳۰ پولیس کے اور ۲۰ عمائد کوفہ ان کے علاوہ مدافعت کی کوئی قوت نہ تھی، اس لئے اس نے محل کا پھاٹک بند کرالیا، اور ان لوگون سے کہا تم لوگ نکل کر اپنے قبیلہ والون کو تہدید و تخویف طمع اور لالچ کے ذریعہ سے جس طرح بھی ہو سکے مسلم کے ساتھ سے علیحدہ کردو اور عمائد کوفہ کو حکم دیا کہ قصر کی چھت پر سے یہ اعلان کرین کہ اس وقت جو شخص امیر کی اطاعت کریگا اسکو انعام و اکرام ملے گا، اور جو بغاوت کریگا اسے نہایت سنگین سزا دیجائے گی، عمائد کوفہ کے اس اعلان پر مسلم کے بہت سے ساتھی منتشر ہوگئے، شہر کے لوگ آتے تھے اور اپنے اعزہ و اقربا کو ہٹا کر لیجاتے تھے، اس طرح چھٹتے چھٹتے مسلم کے ساتھ کل تیس آدمی رہ گئے، جب انھون نے کوفی حامیان حسینؓ کی یہ غداری دیکھی تو کندہ کے محلہ کی طرف چلے گئے، یہان باقی ماندہ تیسون آدمیون نے بھی ایک ایک کرکے ساتھ

چھوڑ دیا، اور مسلم تن تنہا رہ گئے، اس کس مپرسی کی حالت مین کوفہ کی گلیون کی خاک چھانتے
اور ٹھوکرین کھاتے ہوئے طوعہ نامی ایک عورت کے دروازہ پر پہنچے، اس عورت کا لڑکا بلال
شورش پسندون کے ساتھ نکل گیا تھا، وہ اس وقت اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی،
مسلم نے اس کے دروازہ پر پہنچکر پانی مانگا، اس نے پانی پلایا پانی پلانے کے بعد کہا اب جاؤ
اپنا راستہ لو، لیکن مسلم جاتے تو کہان جاتے، ایسے وقت مین ان کے لئے کوئی جاے پناہ باقی نہ رہ گئی
تھی، اس لئے عورت کا کہنا سنکر چپ رہے، اس نے پھر مکرر سہ کرر کہا، تیسری مرتبہ مسلم نے جواب
دیا، کہ مین اس شہر مین پردیسی ہون، میرا گھر اور میرے اقربا یہان نہین ہین، ایسے مین تم میرے
ساتھ کچھ سلوک کر سکتی ہو؟ عورت نے پوچھا کس قسم کا؟ مسلم نے کہا مین مسلم بن عقیل ہون، کوفہ
والون نے میرے ساتھ غداری کی ہے، بوڑھی عورت خدا ترس تھی، مسلم کی داستان مصیبت
سنکر انھین اپنے مکان مین چھپا دیا، اور ان کی خبر گیری کرتی رہی، اس کے بعد جب اس کا
لڑکا واپس آیا، اور اس نے مان کو مکان کے ایک خاص حصہ مین زیادہ آتے جاتے دیکھا تو سبب
پوچھا، بوڑھی مان نے پہلے چھپایا لیکن جب بیٹے نے زیادہ اصرار کیا تو راز داری کا وعدہ
لیکر بتا دیا،

مسلم کی گرفتاری، جب سے مسلم ہانی کے گھر سے نکلے تھے، اسی وقت سے ابن زیاد ان کی
تلاش مین مصروف تھا، لیکن پتہ نہ چلتا تھا، اس لئے اس نے ایک دن اہل شہر کو مسجد مین جمع
کر کے اعلان کیا کہ جاہل اور کمینہ مسلم بن عقیل نے جو فتنہ بپا کیا ہے، اسکو تم لوگون نے اپنی آنکھون
سے دیکھ لیا ہے، اس لئے جس شخص کے گھر سے وہ برآمد ہون گے وہ ماخوذ ہوگا، اور جو انھین گرفتار
کر کے لائیگا، اسے انعام دیا جائیگا، اس اعلان کے بعد حصین بن تمیم کو کوفہ مین عام تلاشی کا حکم
دیا، جس عورت کے گھر مین مسلم روپوش تھے، اس کے لڑکے کو علم ہو چکا تھا، ابن زیاد کے اعلان سے

وہ گھبرا گیا، اور دوسرے دن صبح کو اس نے عبدالرحمٰن بن محمد سے تذکرہ کیا کہ مسلم ہمارے گھر
مین روپوش ہین، عبدالرحمٰن نے قصر امارۃ مین جا کر اپنے باپ کو اطلاع دی اس نے ابن زیاد
سے کہہ دیا اس طرح مسلم کا پتہ چل گیا، ابن زیاد نے اسی وقت ۷۰ آدمیون کا ایک دستہ مسلم کی
گرفتاری کے لئے بھیجدیا مسلم نے اس دستہ کا شور سنا، تو وہ سمجھ گئے، لیکن مطلق خوفزدہ نہ ہوئے
اور تن تنہا ان ستر ون آدمیون کا نہایت شجاعت وبہادری کے ساتھ مقابلہ کر کے انھین
گھر سے باہر کر دیا، یہ لوگ پھر ریلا کر کے اندر گھسے مسلم نے پھر نکال باہر کیا کہ اتنے مین بکیر بن حمران
نے مسلم کے چہرہ پر ایسا وار کیا، کہ اوپر کا ہونٹ کٹ گیا، اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے لیکن اس
حالت مین بھی مسلم نے اس شخص کو نہایت سخت زخمی کر دیا، اس کے زخمی ہوتے ہی باقی ۶۹ آدمی
مکان کی چھت پر چڑھ گئے، اور اوپر سے مسلم کے اوپر آگ اور پتھر برسانے لگے، مسلم نے یہ بزدلی دیکھی
تو گلی مین نکل آئے، اور بڑا پرزور مقابلہ کیا، شامی دستہ کے امیر محمد بن اشعث نے کہا کہ تنہا کب تک
مقابلہ کروگے، جان دینے سے کیا فائدہ مین تمھین امان دیتا ہون سپر ڈال دو اور اپنے کو بیکار
ہلاک نہ کرو، مسلم نے اس کے جواب مین نہایت بہادرانہ رجز پڑھا، لیکن محمد بن اشعث نے
یقین دلایا کہ تمھارے ساتھ کوئی فریب نہ کیا جائیگا، مقابلہ سے باز آجاؤ، مسلم لڑتے لڑتے زخمون
سے چور ہو چکے تھے، مزید مقابلہ کی طاقت باقی نہ تھی، اس لئے مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر
بیٹھ گئے، محمد بن اشعث نے پھر امان کی تجدید کی، لیکن عمرو بن عبید اللہ سلمی نے اسے تسلیم نہ
کیا، اور مسلم کی سواری کے لئے اونٹ تک مہیا نہ کیا، چنانچہ انھین اس خستہ حالت مین خچر پر سوار
کیا گیا، سوار کرنے کے بعد تلوار چھین لی گئی، تلوار چھننے سے مسلم کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی
اور با دیدۂ پرنم کہا یہ پہلا دھوکا ہے، محمد بن اشعث نے پھر اطمینان دلایا لیکن مسلم بہت مایوس
تھے بولے اب امان کہان اسکی صرف آس ہی آس ہے، عمرو بن عبید اللہ نے اشکباری پر طعنہ دیا

کہ خلافت کے مدعی کو مصائب سے گھبرا کر رونا نہ چاہیئے، مسلم نے کہا "میں اپنے لئے نہیں روتا ہوں، بلکہ اپنے گھر والوں کے لئے روتا ہوں، جو تمھارے یہاں آرہے ہیں، حسینؓ کے لئے روتا ہوں، آل حسینؓ کے لئے روتا ہوں" پھر محمد بن اشعث سے کہا میرا بچانا تمھارے بس سے باہر ہے، البتہ اگر تم سے ہو سکے تو میرے بعد اتنا کام کرنا کہ حسینؓ کو میری حالت کی خبر کر دینا اور یہ پیام بھجوا دینا کہ وہ اپنے اہلبیت کو لیکر لوٹ جائیں، اور کوفہ والوں پر ہرگز ہرگز اعتماد کریں محمد بن اشعث نے کہا، خدا کی قسم جس طرح بھی ہو سکے گا یہ پیام ضرور پہنچاؤنگا، محمد بن اشعث نے یہ وعدہ پورا بھی کیا جس کا ذکر آیندہ آئیگا[۱]

مسلم کو امان دینے کے بعد محمد بن اشعث انھیں قصر امارت میں لایا، اور ابن زیاد سے کہا کہ میں مسلم کو امان دیچکا ہوں، لیکن ابن زیاد نے اسے تسلیم نہیں کیا، اور کہا تم کو امان دینے کا کیا اختیار تھا، میں نے تمھیں صرف گرفتار کرنے کے لئے بھیجا تھا، اس کی ڈانٹ سنکر محمد بن اشعث خاموش ہو گئے، مسلم بہت پیاسے تھے، قصر امارت کے پھاٹک پر ٹھنڈا پانی نظر پڑا اسے مانگا، مسلم بن عمرو باہلی نے جواب دیا دیکھتے ہو کتنا ٹھنڈا پانی ہے، لیکن اس میں سے تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا تم کو اس کے عوض آتش دوزخ کا کھولتا ہوا پانی پلایا جائیگا اس کے اس کہنے پر مسلم نے پوچھا تو کون ہے؟ ابن عمرو نے جواب دیا، میں وہ ہوں جس نے حق کو اس وقت پہچانا جب تم نے اسے چھوڑ دیا، اور امت مسلمہ اور امام وقت کا خیر خواہ رہا جب تم نے ان کے ساتھ گھاٹ کی اور اس کا مطیع و منقاد رہا، جب تم نے سرکشی کی میں مسلم بن عمرو ہوں، مسلم بن عقیل نے یہ جواب سنکر کہا تیری ماں تجھے روئے تو بھی کس قدر سنگدل قسی القلب ظالم اور درشت خو ہے، باہلہ کے بچے تو مجھ سے زیادہ کھولتے ہوئے پانی، اور

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۶ تا ۲۷،

دائمی دوزخ کا مستحق ہے،

ابن زیاد سے گفتگو اور عمر بن سعد سے وصیت

مسلم بن عمرو اور مسلم بن عقیل کی اس تلخ گفتگو کے بعد ایک نرم دل نے پانی کا پیالہ دیا، مگر زخموں کی کثرت سے مسلم کا ہر موے بدن خونِ ناحق سے ہتھان آلودہ تھا، اس لئے جیسے ہی گلاس منہ سے لگاتے تھے خون سے بھر جاتا تھا اور مسلم آسے پیالہ لیتے تیسری مرتبہ جب گلاس لبوں سے لگا، تو دو دانت جو مقابلہ میں اکھڑ گئے تھے، اور خفیف سے اٹکے ہوئے تھے، گلاس کی ٹھیس لگتے ہی اسی میں رہ گئے، مسلم نے گلاس لبوں سے ہٹا لیا اور کہا خدا کا شکر ہے پانی پینا قسمت میں ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی غرض اسی طرح تشنہ لب ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے، مسلم نے قاعدہ کے مطابق ابن زیاد کو سلام نہیں کیا، نگران نے ٹوکا امیر کو سلام نہیں کرتے؟ کہا اگر وہ قتل کرنا چاہتے ہیں، تو سلام نہیں کرونگا، اور اگر قتل کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو بہت سے سلام لیں گے، ابن زیاد بولا اپنی عمر کی قسم ضرور قتل کرونگا، مسلم نے کہا واقعی، ابن زیاد نے جواب دیا ہاں واقعی، مسلم نے کہا اگر قتل ہی کرنا ہو تو پھر اپنے کسی قبیلہ والے سے کچھ وصیت کرنے کی مہلت دو، ابن زیاد نے یہ درخواست قبول کر لی، اس وقت مسلم کے قریبی اعزہ میں عمر بن سعد پاس تھا، مسلم نے اس سے کہا میں تم سے ایک راز کی بات کہنی چاہتا ہوں، عمر بن سعد نے سننے سے انکار کیا، اس کے انکار پر ابن زیاد نے غیرت دلائی کہ اپنے ابن عم کو مایوس نہ کرنا چاہیے[۱] اس کے غیرت دلانے پر عمر بن سعد مسلم کے پاس گیا، انھوں نے وصیت کی کہ میں نے کوفہ میں سات سو درہم قرض لئے تھے، میرے بعد انھیں ادا کرنا، اور میری لاش لے کر دفن کر دینا، حسین رضی اللہ عنہ آ رہے ہونگے، ان کے پاس آدمی بھیجکر راستہ سے واپس کر دینا، ابن سعد نے ابن زیاد سے ان وصیتوں کے بارہ میں پوچھا، اس نے کہا جو وصیت مال سے متعلق ہے اس کے

[۱] یہ طبری کی روایت ہے، دینوری کا بیان ہے کہ عمر بن سعد نے یہ تمام وصیتیں نہایت خوشی سے سنیں اور ان کے پورا کرنے کا پختہ وعدہ کیا،

بارہ مین تم کو پورا اختیار ہے، جیسا چاہو کرو، حسینؓ کے بارہ مین میرا طرز عمل یہ ہے کہ اگر وہ یہان نہ آئین گے تو مین خوامخواہ ان کا تعاقب نہ کراؤنگا، اور اگر آگئے تو چھوڑ بھی نہین سکتا، البتہ لاش کے بارہ مین تمھاری سفارش نہین سنی جاسکتی، جس نے ہماری اتنی مخالفت کی ہو اس کی لاش ہرگز اس طرز عمل کی مستحق نہین ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ لاش کے متعلق بھی اس نے کہا کہ قتل کرنے کے بعد ہمین اس سے بحث نہین کہ اسکے ساتھ کیا کیا جائے[1]،

مسلمؒ اور ابن زیاد کا آخری مکالمہ اور شہادت

اس وصیت کے بعد مسلمؒ دوبارہ پھر ابن زیاد کے سامنے لائے گئے، ابن زیاد نے ان کے سامنے ان کے جرائم کی فہرست پیش کی، کہ لوگ آپس مین متحد و متفق تھے، تم ان مین تفرقہ اور اختلاف ڈلوانے اور آپس مین لڑانے کے لئے آئے، مسلمؒ نے جواب دیا، یہ خلاف واقعہ ہے، مین ہرگز اس مقصد کے لئے نہین آیا، بلکہ کوفہ والون کا خیال تھا کہ تمھارے باپ نے ان کے بزرگون اور نیک لوگون کو قتل کیا، ان کا خون بہایا، اور اسلامی جمہوریت کو چھوڑ کر قیصر و کسریٰ کا سا طرز عمل اختیار کیا، اس لئے ہم یہان قیام عدل اور کتاب اللہ کے احکام کی دعوت دینے کے لئے آئے، ابن زیاد یہ چوٹین سنکر غضبناک ہو گیا، بولا، فاسق تیرے منہ پر یہ دعویٰ زیب نہین دیتا، کیا جب تو مدینہ مین بادہ نوشی کرتا تھا اس وقت ہم یہان عدل و کتاب اللہ پر عمل کی دعوت نہین دیتے تھے؟ اس مکروہ الزام پر مسلمؒ نے کہا مین شراب پیتا تھا؟ خدا کی قسم وہ خوب جانتا ہے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے، اور بغیر علم کے اتہام لگاتا ہے، جیسا تو نے بیان کیا مین ویسا نہین ہون، مجھ سے زیادہ شراب نوشی کا وہ مستحق ہے جس کے ہاتھ مسلمانون کے خون سے آلودہ ہین، جو خدا کی حرام کی ہوئی جانون کو لیتا ہے، اور بغیر قصاص کے لوگون کو قتل کرتا ہے، حرام خون بہاتا ہی، محض ذاتی عداوت

---

[1] طبری ج ۷ ص ۲۶۵ و ۲۶۶،

غصہ اور سوءِ ظن پر لوگون کی جان لیتا ہے، اور پھران ستم آرائیون پر اس طرح لہو لعب مین مشغول ہے گویا اس نے کچھ کیا ہی نہین، یہ تقریر سنکر ابن زیاد نے جواب دیا، فاسق تیرے نفس نے تجھے ایسی چیز کی تمنا دلائی جس کا خدا نے تجھے اہل نہ سمجھا، اسی لئے تیری آرزو پوری نہ ہونے دی، مسلم رضؓ نے پوچھا پھر اسکا کون اہل تھا؟ ابن زیاد نے کہا، امیر المومنین یزید! یہ سنکر مسلم رضؓ نے کہا، ہر حال مین خدا کا شکر ہے، وہ ہمارے تمھارے درمیان جو فیصلہ چاہے، کردے، ابن زیاد نے کہا معلوم ہوتا ہے تم خلافت کو اپنا حق سمجھتے ہو؟ مسلم رضؓ نے کہا خیال ہی نہین بلکہ اسکا یقین ہے، ابن زیاد نے کہا اگر مین تم کو اس بری طرح قتل نہ کرون کہ تاریخ مین اس کی کوئی مثال نہ ملے، تو خدا مجھے قتل کرے، مسلمؓ نے کہا بیشک اسلام مین تم کو ایسی نئی مثالون کے قائم کرنے اور نئی بدعات کے جاری کرنیکا حق ہے، جو اس مین نہین ہین، تم کو خدا کی قسم تم برے طریقہ سے قتل کرنا، برے طریقہ سے مثلہ کرنا، اور خبث سیرت وغیرہ کسی ایک برائی کو بھی نہ چھوڑو، ان برائیون کا تم سے زیادہ کوئی مستحق نہین ہے، یہ دندان شکن حقیقتین سن کر ابن زیاد بالکل بے قابو ہوگیا، اور مسلمؓ، حسین رضؓ، علی علیہ السلام، اور عقیل رضؓ پر گالیون کی بوچھار کردی، گالیان برسانے کے بعد مسلمؓ کو پانی پلوا کر جلادون کو حکم دیا کہ انھین محل کی بالائی منزل پر لیجا کر قتل کردو، اور قتل کے بعد اس کا دھڑ نیچے پھینک دو، مسلم نے اس قتل بے گناہی کے خلاف پھر ایک مرتبہ احتجاج کیا، لیکن کون سننے والا تھا، آخر مین ابن زیاد نے یہ خدمت اس شخص کے سپرد کی جس کو مسلم نے زخمی کیا تھا، تاکہ وہ پورے انتقامی جذبہ کے ساتھ انھین قتل کرے، چنانچہ یہ شخص مسلمؓ کو مقتل کی طرف لے چلا، اس وقت مسلمؓ کی زبان پر تکبیر، استغفار اور ملائکہ اور رسل پر درود و سلام جاری تھا اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے تھے کہ "خدایا میرے اور ان لوگون کے درمیان تو ہی فیصلہ کر جنھون نے ہم کو دھوکا دیا، جھٹلایا، اور ذلیل کیا" جلاد نے مقام قتل پر لیجا کر گردن ماردی اور سر کے ساتھ دھڑ بھی نیچے پھینک دیا، اس دردناک طریقہ

حضرت حسینؓ کا ایک نہایت قوی بازو ٹوٹ گیا[۱]

حضرت حسینؓ کی سفر کوفہ کی تیاریاں اور خیر خواہوں کے مشورے

یاد ہوگا کہ مسلمؒ کو حضرت حسینؓ نے کوفہ کے حالات معلوم کرکے اطلاع دینے کے لئے بھیجا تھا، یہ بھی معلوم ہوگا کہ مسلمؒ جب کوفہ آئے تھے، تو تو یہاں کے باشندوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت حسینؓ کی خلافت اور انکی طرف سے جنگ کرنے پر بیعت کی تھی مسلم نے اپنی گرفتاری کے قبل ان ظاہری حالات کو دیکھکر حضرت حسینؓ کو لکھ بھیجا تھا کہ سارا شہر آپ کی تشریف آوری کا منتظر ہے، فوراً تشریف لائیے، حضرت حسینؓ نے یہ خط پاکر سفر کی تیاریاں شروع کر دین، اس وقت تک آپ کو کوفہ کے جدید انقلابات کی کوئی اطلاع نہ ہوئی تھی، تمام اہل مکہ و مدینہ کوفیوں کی غداری اور بے وفائی سے واقف تھے، حضرت علیؓ اور حسنؓ کے ساتھ ان لوگون نے جو کچھ کیا تھا وہ نگاہوں کے سامنے تھا، اس لئے کسی نے بھی حضرت حسینؓ کا کوفہ جانا پسند نہ کیا، چنانچہ جب آپکی تیاریوں کی خبر مشہور ہوئی تو بہوا خواہون نے روکنے کی تدبیرین شروع کین، اور غالباً سب سے پہلے عمرو بن عبد الرحمن نے آکر عرض کیا کہ "مین نے سنا ہے آپ عراق جا رہے ہین، مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے، آپ ایسے شہر مین جا رہے ہین جہان دوسرے کی حکومت ہے، اور وہان اس حکومت کے امراء و عمال موجود ہین، جن کے قبضہ مین بیت المال ہے، عوام دنیا اور روپیہ پیسہ کے غلام ہین، اس لئے مجھکو خوف ہے کہ جن لوگون نے آپ کی مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی آپ سے لڑین گے" حضرت حسینؓ نے عمرو بن عبد الرحمن کے ہمدردانہ مشورہ کا مخلصانہ شکریہ ادا کیا، ان کے بعد حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ آئے اور پوچھا ابن عم! لوگون مین یہ خبر گرم ہے کہ تم عراق جا رہے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟ حسینؓ نے جواب دیا، ہان انشاء اللہ دو ایک دن مین جاؤنگا، ابن عباسؓ نے

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۷۵ تا ۲۷۷،

کہا" مین تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہون کہ تم اس ارادہ سے باز آؤ، ہان اگر عراقیون نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنون کو وہان سے نکال دیا ہو تو بخوشی جاؤ لیکن اگر عراقیون نے تم کو ایسی حالت مین بلایا ہے کہ ان کا امیر موجود ہے، اس کی حکومت قائم ہے' اس کے عمال خراج وصول کرتے ہین تو یقین مانو کہ انھون نے تم کو محض جنگ کیلئے بلایا ہے، مجھکو خوف ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دیجائین گے، تم کو جھٹلائین گے، تمھاری مخالفت کرین گے، اور تمھین بے یار و مددگار چھوڑدین گے، اور جب تمھارے خلاف بلائے جائین گے تو تمھارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہونگے' حضرت حسینؓ نے فرمایا مین استخارہ کرونگا دیکھون کیا جواب ملتا ہے"

ابن عباس کے بعد ابن زبیر آئے' انھون نے یہ معلوم کر کے کہ عراقی پورے طور پر امداد کے لئے آمادہ ہین، پہلے کوفہ جانے کا مشورہ دیا، لیکن پھر اس خیال سے کہ اس سے حضرت حسینؓ کو کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو یہ صورت پیش کی کہ اگر آپ حجاز ہی مین رہکر حصول خلافت کی کوشش کیجیئے تو ہم سب بیعت کر کے آپ کے لئے کوشش کرین گے، اور آپ کے خیرخواہ رہینگے حضرت حسینؓ نے فرمایا مین نے اپنے والد بزرگوار سے یہ حدیث سنی ہے کہ" حرم کا ایک مینڈھا ہے جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائے گی، مین چاہتا ہون کہ مین وہ مینڈھا نہ بنون" اس کے بعد ابن زبیر نے حضرت حسینؓ سے بہت اصرار کیا کہ آپ حرم مین قیام کئے بیٹھے رہیئے، باقی تمام کام مین انجام دونگا، لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ اگر مین حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤن تو وہ مجھے حرم مین قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے، اور کسی طرح حرم مین قیام کرنے پر آمادہ نہ ہوئے، آپ کو ابن زبیر کی طرف سے بدگمانی تھی، اس لئے ان مشورون کو خیرخواہی پر محمول نہ فرمایا، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

اس کے دوسرے دن پھر ابن عباس آئے اور کہا ابن عم میرا دل نہیں مانتا صبر کی صورت بنانا چاہتا ہون، مگر حقیقتاً صبر نہیں کر سکتا، مجھے اس راستہ مین تمھاری ہلاکت کا خوف ہے، عراقیون کی قوم فریبی ہے، تم ہرگز ان کے قریب نہ جاؤ، مکہ ہی مین رہو، تم اہل حجاز کے سردار ہو، اگر انکا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ واقعی تمھین بلانا چاہتے ہین، تو ان کو لکھو کہ پہلے وہ اپنے دشمنون کو نکال دین، پھر تم جاؤ، لیکن اگر تم نہیں رکتے اور یہان سے جانے ہی پر اصرار ہے تو یمن چلے جاؤ، وہ ایک وسیع ملک ہے، وہان قلعے اور گھاٹیان ہین، وہان تمھارے باپ کے حامی ہین، اور بالکل الگ تھلگ مقام ہے، تم اسی گوشۂ عافیت مین بیٹھکر لوگون کو دعوتی خطوط لکھو، اور ہر طرف اپنے دعاۃ بھیجو، مجھ کو امید ہے کہ اس طرح نہایت امن و عافیت کے ساتھ تمھارا مقصد حاصل ہو جائیگا، یہ سب کچھ سنکر حضرت حسینؓ نے فرمایا مجھ کو یقین ہے، کہ آپ میرے شفیق ناصح ہین، لیکن اب تو مین ارادہ کر چکا ہون حضرت ابن عباسؓ جب بالکل مایوس ہو گئے تو کہا اچھا اگر جاتے ہی ہو تو عورتون اور بچون کو ساتھ نہ لیجاؤ، مجھ کو خطرہ ہے کہ تم بھی عثمانؓ کی طرح اپنے بچون اور عورتون کے سامنے نہ قتل کر دیئے جاؤ اور وہ غریب دیکھتے رہجائین، لیکن کارکنان قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس لئے ابن عباس کی ساری کوششین ناکام ثابت ہوئین، اور حضرت حسینؓ کسی بات پر رضامند نہ ہوئے،[۱] پھر ابو بکر بن حارث نے آکر عرض کیا کہ آپ کے والد ماجد صاحب اقتدار تھے، ان کی طرف مسلمانون کا عام رجحان تھا، ان کے احکام پر سر جھکاتے تھے، شام کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ ان کے ساتھ تھے، اس اثر و اقتدار کے باوجود جب وہ معاویہ کے مقابلہ مین نکلے، تو دنیا کی طمع مین لوگون نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ تنہا ساتھ ہی چھوڑنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۷۴ و ۲۷۵۔

ان کے سخت مخالف ہو گئے، اور خدا کی مرضی پوری ہو کر رہی، ان کے بعد عراقیون نے آپکے [illegible] کیساتھ جو کچھ کیا وہ بھی آپ کی نظرون کے سامنے ہے، ان تجربات کے بعد بھی آپ اپنے والد کے دشمنون کے پاس اس امید پر جاتے ہین کہ وہ آپ کا ساتھ دین گے، شامی آپ سے زیادہ مستعد اور مضبوط ہین، لوگون کے دلون مین انکا رعب ہے، یاد رکھئے کہ آپ کے پہنچتے ہی شامی لوگ فیون کو طمع دلا کر توڑ لین گے، اور یہ سگ دنیا فوراً ان سے مل جائین گے، اور جن لوگون کو آپ کی محبت کا دعویٰ ہے جنھون نے مدد کا وعدہ کیا ہے، وہی لوگ آپ کو چھوڑ کر آپ کے دشمن بنجائین گے، ابوبکر حارث کا یہ پرزور استدلال بھی حضرت حسینؑ کے عزم راسخ کو بدل نہ سکا آپ نے جواب دیا خدا کی مرضی پوری ہو کر رہیگی[1] اس کے بعد حضرت ابن عمر اور دوسرے خاص خاص ہوا خواہون نے روکنا چاہا لیکن قضاے الہٰی نہین ٹل سکتی تھی،

مکہ سے کاروان اہل بیت کی روانگی اور ہوا خواہون کی آخری کوشش

غرض ترویہ کے دن ذی الحجہ ۶۰ھ کو کاروان اہل بیت مکہ سے روانہ ہوا، عمرو بن سعید بن عاص حاکم مکہ کے سوارون نے روکنے کی کوشش کی لیکن حضرت حسینؑ زبردستی آگے بڑھتے چلے گئے، اور تنعیم پہنچکر مزید اونٹ کرایہ پر لئے اور بڑھتے ہوئے صفاح پہنچے، یہان فرزدق شاعر ملا، آپ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے اس نے کہا، آپ نے ایک باخبر شخص سے حال پوچھا، لوگون کے دل آپ کے ساتھ ہین، لیکن تلوارین بنی امیہ کے ساتھ ہین، قضا ء الہٰی آسمان سے اترتی ہے، خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے، آپ نے سنکر فرمایا تم نے سچ کہا، اللہ الامر یفعل ما یشاء وکل یوم ربنا فی شان، اگر خدا کا حکم ہمارے موافق ہوا تو اسکی

---

[1] مسعودی ج ۲ ص ۵۴، بر حاشیہ نفخ الطیب،

نعمتوں پر اس کے شکر گذار ہوں گے، شکر گذاری میں وہی مددگار ہے، اور اگر خدا کا فیصلہ ہمارے خلاف ہوا، تو بھی ہماری نیت حق اور تقویٰ ہے، فرزدق سے گفتگو کے بعد قافلہ آگے بڑھا[1]،

راستہ میں عبداللہ بن جعفر کا خط ملا، کہ میں خدا کا واسطہ دلاتا ہوں میرا خط ملتے ہی فوراً لوٹ آیئے، مجھے ڈر ہے کہ جہاں آپ جارہے ہیں، وہاں آپکی ہلاکت اور آپ کے اہل بیت کی بربادی ہے، اگر خدانخواستہ آپ ہلاک ہوگئے، تو دنیا تاریک ہوجائیگی، آپ ہدایت یافتوں کا علم اور مومنوں کا آسرا ہیں، آپ سفر میں جلدی نہ کیجئے، خط کے بعد ہی میں بھی پہنچتا ہوں، اس خط کے بعد عبداللہ نے عمرو بن سعید حاکم مکہ سے کہا کہ وہ اپنی جانب سے بھی ایک خط لکھکر حسینؓ کو واپس بلالے، عمرو بن سعید نے کہا تم مضمون لکھدو میں اس پر مہر کردونگا، چنانچہ عبداللہ نے عمرو کی جانب سے حسب ذیل خط لکھا،

"میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمکو اس راستہ سے پھیر دے، جدھر تم جارہے ہو، میں نے سنا ہے کہ تم عراق جاتے ہو، میں تم کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ افتراق اور انشقاق سے باز آؤ، اس میں تمھاری ہلاکت ہے، میں تمھارے پاس عبداللہ بن جعفر اور اپنے بھائی کو بھیجتا ہوں، تم ان کے ساتھ لوٹ آؤ، میں تم کو امان دیتا ہوں، اور تمھارے ساتھ صلہ رحمی اور بھلائی سے پیش آؤنگا، تمھاری مدد کرونگا، تم میرے جوار میں نہایت اطمینان اور راحت کے ساتھ رہوگے، اس تحریر پر خدا وکیل و شاہد ہے"

عمرو نے اس تحریر پر اپنی مہر کردی اور عبداللہ بن جعفر اور یحییٰ بن عمرو دونوں اسکو لیکر حضرت حسینؓ کے پاس گئے، حضرت حسینؓ نے اسے پڑھا، اور پڑھکر فرمایا کہ "میں نے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۴،

خواب میں رسول اللہ صلعم کی زیارت کی ہے، اس میں آپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے
۔۔۔ حکم کو پورا کرونگا، خواہ اس کا نتیجہ میرے موافق نکلے یا مخالف، عبداللہ اور
یحیی نے پوچھا کیا خواب تھا، فرمایا میں نے اسے نہ کسی سے بیان کیا ہے، اور نہ مرتے
دم تک بیان کرونگا، اس گفتگو کے بعد عمرو بن سعید کے خط کا جواب لکھا کہ "جو شخص اللہ
عزوجل کی طرف بلاتا ہے عمل صالح کرتا ہے، اور اپنے اسلام کا معترف ہے، وہ خدا اور
اس کے رسول سے اختلاف کیونکر کرسکتا ہے، تم نے مجھے امان بھلائی، اور صلہ رحمی کی
دعوت دی ہے، پس بہترین امان اللہ تعالی کی امان ہے، جو شخص دنیا میں خدا سے
نہیں ڈرتا، خدا قیامت کے دن اسکو امان نہ دیگا اسلئے میں دنیا میں خدا کا خوف
چاہتا ہوں تاکہ قیامت کے دن اس کی امان کا مستحق رہوں، اگر خط سے تمہاری نیت
واقعی میرے ساتھ صلہ رحمی اور نیکی کی ہے، تو خدا تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے
خیر دے، والسلام[1]"

ابن زیاد کے انتظامات اور حضرت حسینؓ کے قاصد قیس کا قتل، ادھر کاروان اہل بیت منزلیں طے کر رہا تھا، دوسری طرف اموی حکام ان سے نپٹنے کے لئے اپنے انتظامات
مکمل کررہے تھے، چنانچہ آپکی آمد کی خبر سنکر ابن زیاد نے قادسیہ سے لیکر خفان قطقطانہ
اور جبل لعلع تک سواروں کا تار باندھ دیا تاکہ اہل بیت کے قافلہ کی نقل وحرکت کی خبریں
دمبدم ملتی رہیں، اور اہل کوفہ اور حضرت حسینؓ میں خط وکتابت اور نامہ وپیام کا سلسلہ
قائم نہ رہ سکے حضرت حسینؓ نے مقام حاجز میں پہنچکر قیس بن مسہر صیداوی کو اپنی آمد
کی اطلاعی خط دیکر کوفہ روانہ کیا، لیکن راستہ میں پہلے ہی سے انتظامات مکمل ہوچکے تھے

[1] طبری ج ۷ ص ۲۷۹ تا ۲۸۱،

اس لئے قیس قادسیہ میں گرفتار کر لئے گئے، اور ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیئے گئے، ابن زیاد نے انھیں یہ گستاخانہ حکم دیا کہ قصر کی چھت پر چڑھ کر کذاب ابن کذاب حسینؓ ابن علیؓ کو گالیاں دو، قیس اس حکم پر قصر کے اوپر چڑھ گئے، لیکن ایک فدائی حسینؓ کی زبان اس کی دشنام سے کس طرح آلودہ ہو سکتی تھی، چنانچہ اس موقعہ پر بھی انھوں نے وہی فرض ادا کیا جس کے لئے وہ بھیجے گئے تھے، یعنی حضرت حسینؓ کی آمد کی اطلاع سنائی کہ "لوگو! حسینؓ فاطمہ بنت رسول اللہ کے لخت جگر اور مخلوق کے بہترین آدمی ہیں میں انکا ہرکارہ ہوں، وہ حاجز تک پہنچ چکے ہیں" یہ کہکر ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت بھیجی، اور حضرت علیؓ کے لئے استغفار کیا، ابن زیاد نے اس عدول حکمی اور اس اہانت پر حکم دیا کہ اسکو بلند مقام سے نیچے گرا کر مار ڈالا جائے، اس حکم کی اسی وقت تعمیل ہوئی، اور مسلم کے بعد حضرت حسینؓ کا یہ دوسرا فدائی ان کی راہ میں نثار ہو گیا، [1]

حسینؓ اور عبداللہ بن مطیع کی ملاقات بطن رملہ سے آگے بڑھکر عربوں کے ایک چشمہ پر حضرت حسینؓ اور عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی، جو عراق سے لوٹ رہے تھے، عبداللہ بن مطیع نے پوچھا فدیت بابی و امی یا رسول اللہ آپ خدا اور اپنے جد امجد کے حرم کے باہر کیوں نکلے فرمایا کوفہ والوں نے بلایا ہو کہ معالم حق کو زندہ کیا جائے اور بدعتوں کو مٹایا جائے، عبداللہ نے عرض کیا، آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ ہرگز کوفہ کا قصد نہ کیجئے، آپ وہاں یقیناً شہید کر دیئے جائینگے فرمایا جو کچھ خدا نے لکھدیا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے، [2]

ایک جانباز کا ایثار عبداللہ بن مطیع سے ملاقات کے بعد حضرت حسینؓ نے مقام زرود میں

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۴، [2] اخبار الطوال ص ۲۵۸ و ۲۵۹،

منزل کی، قریب ہی ایک خیمہ نظر آیا، پوچھا کس کا خیمہ ہے، معلوم ہوا، زہیر بن قین کا، وہ حج سے لوٹ کر کوفہ جارہے ہیں، حضرت حسینؓ نے ان کو بلا بھیجا، مگر انھوں نے ملنے سے انکار کیا، ان کے انکار پر ان کی بیوی نے کہا، سبحان اللہ ابن رسول اللہ بلاتے ہیں، اور تم نہیں جاتے! بیوی کے اس کہنے پر وہ چلے گئے، اور حضرت حسینؓ سے ملاقات کی، ملاقات سے پہلے وہ حالت تھی کہ ملنے میں بھی تکلف تھا لیکن ملتے ہی دفعۃً خیالات بدل گئے، چہرہ پر ایک نور سا آگیا اسی وقت اپنا خیمہ اکھڑوا کے حضرت حسینؓ کے خیمہ کے قریب نصب کرایا، اور بیوی کو طلاق دیکر کہا تم اپنے بھائی کے ساتھ گھر لوٹ جاؤ، میں نے جان دینے کی ٹھان لی ہے اور اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے کہ تم میں سے جو لوگ شہادت کے طلبگار ہوں، وہ میرے ساتھ چلیں اور جو لوگ نہ چاہتے ہوں وہ آگے بڑھ جائیں، لیکن اس صدائے حق کا کسی نے جواب نہ دیا اور سبھوں نے کوفہ کا راستہ لیا، اور زہیر حضرت حسین کے ساتھ زرود سے آگے بڑھے[۵]،

مسلم کے قتل کی خبر ملنا، ابھی تک حضرت حسینؓ مسلم بن عقیل کے قتل سے بالکل بے خبر تھے مقام ثعلبیہ میں ایک اسدی سے جو کوفہ سے آرہا تھا مسلم اور ہانی کے قتل کا حال معلوم ہوا، یہ وحشت اثر خبر سنکر آپ نے انا للہ انا الیہ راجعون پڑھا، اس اطلاع کے بعد ہوا خواہوں نے ایک مرتبہ پھر سمجھایا، اور قسمیں دلا دلا کر اصرار کیا، کہ آپ یہیں سے لوٹ چلئے، کوفہ میں آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے، یہ سب آپ کے دشمن ہو جائیں گے، لیکن مسلم کے بھائی بضد ہوئے کہ خدا کی قسم جب تک ہم اپنے بھائی کا بدلہ نہ لے لیں گے یا قتل نہ ہو جائیں گے، اسوقت تک نہیں لوٹ سکتے، حضرت حسینؓ نے فرمایا، جب یہ لوگ نہ ہوں گے تو پھر ہماری زندگی کس کام کی، غرض

[۵] اخبار الطوال ص ۲۵۹،

غرض یہان سے بھی قافلہ آگے بڑھا،

حضرت حسینؓ کے پاس عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی خبر اور مسلم کے پیامات کا پہنچنا،

حضرت حسینؓ جن جن چشموں سے گذرتے تھے لوگ جوق در جوق ساتھ ہوتے جاتے تھے، زبالہ پہنچکر عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی خبر ملی، عبد اللہ کو آپ نے راستہ سے مسلم کے پاس خط دیکر بھیجا تھا لیکن راستہ مین حصین بن نمیر کے سوار دن نے گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس بھجوا دیا، اس نے زہیر بن قین کی طرح انھین بھی حضرت حسینؓ پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا، لیکن اس فدائی نے بھی وہی نمونہ پیش کیا، جو اس کے پیشرو پیش کر چکے تھے انھون نے کہا لوگو فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کے لڑکے حسینؓ آرہے ہین، تم لوگ ابن مرجانہ (ابن زیاد) کے مقابلہ مین ان کی مدد کرو، ابن زیاد نے انھین بھی قصر امارت کی بلندی سے گروا دیا، جسم کی ساری ہڈیان چور چور ہو گئین اور روح شاخ طوبی پر پہنچ گئی[1]،

یاد ہوگا کہ مسلم بن عقیل نے محمد بن اشعث اور عمر بن سعد سے وصیت کی تھی کہ وہ ان کے بعد حضرت حسینؓ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کی اطلاع دیکر انھین یہان آنے سے روک دین، ان دونون نے یہ وصیت پوری کی، اور حضرت حسینؓ کے پاس آدمی بھیجے لیکن عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی خبر ملنے کے بعد ان دونون کے قاصد پہنچے جب تیر کمان سے نکل چکا تھا[2]،

حضرت حسینؓ کی پہلی تقریر اور ہجوم کا منتشر ہونا،

حضرت حسینؓ کو یکے بادیگرے اس قسم کی دل شکن خبرین ملین تو آپ نے اپنے ساتھیون کو جمع کرکے تقریر کی کہ "مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی دردناک خبرین موصول ہو چکی ہین، ہمارے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۶ [2] اخبار الطوال ص ۲۴۰،

شیعون نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اس لئے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے، وہ خوشی سے
[illegible] ہے، ہماری جانب سے اس پر کوئی الزام نہیں، یہ تقریر سنکر عوام کا ہجوم چھٹنے لگا
اور صرف وہی جان نثار باقی رہ گئے جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے[1]

زبالہ سے بڑھکر بطن عقبہ میں قافلہ اترا، یہاں ایک شخص ملا، اس نے نہایت لجاجت
کے ساتھ استدعا کی کہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں، آپ لوٹ جائیے، خدا کی قسم آپ
نیزوں کی انی اور تلواروں کی دھار کے مقابلہ میں جارہے ہیں، جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے
اگر انھوں نے آپ کے لئے راستہ صاف کردیا ہوتا، اور ان کے جنگ میں کام آنے کی
توقع ہوتی، تو یقیناً آپ جاسکتے تھے لیکن موجودہ حالات میں کسی طرح جانا مناسب نہیں،
فرمایا جو تم کہتے ہو میں بھی جانتا ہوں، لیکن خدا کے حکم کے خلاف نہیں کیا جاسکتا[2]

محرم ۶۱ھ کے خونی سال کا آغاز اور حر کی آمد

بطن عقبہ کے بعد قافلہ شراف میں اترا یہاں سواریوں کو پانی وغیرہ پلاکر ذی حشم کی طرف مڑکر پہاڑ کے دامن میں خیمہ زن
ہوا اب محرم ۶۱ھ کا خون آشام سال شروع ہوچکا تھا، ذی حشم میں حر بن یزید تمیمی جو حکومت
شام کی جانب سے حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کو گھیر کر کوفہ لانے کے لئے بھیجا گیا تھا،
ایک ہزار سواروں کے ساتھ پہنچا، اور حضرت حسینؓ کے قافلہ کے سامنے قیام کیا، ظہر کے
وقت حضرت حسینؓ نے اذان کا حکم دیا، اور اقامت کے وقت نکل کر حر کے دستہ کے سامنے
حمد وثنا کے بعد حسب ذیل تقریر کی" لوگو! میں خدا اور تم لوگوں سے معذرت خواہ ہوں، میں
تمھارے پاس خود سے نہیں آیا، بلکہ میرے پاس اس مضمون کے تمھارے خطوط اور تمھارے
قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے، شاید خدا آپ کی ذریعہ ہمیں سیدھے راستہ پر

[1] طبری ج ۷، ص ۲۹۴، [2] ایضاً ص ۲۹۵،

لگادے، اب مین آگیا ہون، اگر تم لوگ عہد و میثاق کرکے مجھے پورا اطمینان دلادو تو مین تمھارے شہر چلون، اور اگر تم لوگ ایسا نہین کرتے اور ہمارا آنا تمھین ناگوار ہے تو جہان سے آیا ہون وہین لوٹ جاؤن"، یہ تقریر سنکر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہین دیا، آپ نے اقامت کا حکم دیا، اور حر سے پوچھا میرے ساتھ نماز پڑھوگے یا علٰحدہ؟ حر نے کہا نہین آپ کے ساتھ ہی پڑھونگا، حر کی یہ اقتدا فی الصلوۃ ان کے لئے پہلی فال نیک تھی، چنانچہ اُس نے امام کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد حضرت حسینؓ اپنے خیمہ مین چلے آئے اور حر اپنے فرودگاہ پر لوٹ گیا،

اس کے بعد عصر کے وقت حضرت حسینؓ نے قافلہ کو کوچ کا حکم دیا، اور کوچ سے پہلے نماز با جماعت ادا کی نماز کے بعد حسب ذیل تقریر کی، "لوگو! اگر تم لوگ خدا سے ڈرو اور حق والے کا حق پہچانو، تو یہ خدا کی رضامندی کا موجب ہوگا، ہم اہل بیت خلافت کے ان دعویدارون کے مقابلہ مین جنھین اس کا کوئی استحقاق نہین اور جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہین، خلافت کے حقیقی مستحق ہین، اگر اب تم کو ہمارا آنا ناگوار ہے اور تم ہمارا حق نہین پہچانتے اور تمھاری رائے اس رائے سے مختلف تھی جو تمھارے خطوط اور تمھارے قاصدون سے معلوم ہوئی تھی تو مین لوٹ جاؤن[1]"،

حضرت حسینؓ اور حر مین تند گفتگو، اس تقریر پر حر نے پوچھا قاصد اور خطوط کیسے؟ حر کے اس استعجاب پر حضرت حسینؓ نے کوفیون کے خطوط سے بھرے ہوئے دو تھیلے منگاکر ان کے سامنے انڈلوا دئیے ان خطوط کو دیکھکر حر نے کہا ہم لوگون کا اس جماعت سے کوئی تعلق نہین جنھون نے یہ خطوط لکھے، ہمین یہ حکم ملا ہے کہ آپ سے جس جگہ ملاقات ہو جائے، اس جگہ سے آپکا ساتھ نہ چھوڑین اور آپکو ساتھ لیجاکر ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچا دین، حضرت حسینؓ نے فرمایا تمھاری موت

[1] طبری ج ۷، ص ۲۹۷ و ۲۹۸،

اس سے زیادہ قریب ہے، یہ کہکر کاروان اہل بیت کو لوٹانا چاہا لیکن حُر نے مزاحمت کی حضرت نے فرمایا تیری ماں تجھے روئے تو کیا چاہتا ہے، حُر نے کہا آپ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا عرب یہ کلمہ زبان سے نکالتا تو میں بھی برابر کا جواب دے لیتا لیکن خدا کی قسم آپ کی ماں کا نام میں عزت ہی کے ساتھ لونگا، امام نے فرمایا آخر چاہتے کیا ہو؟ حُر نے کہا صرف اس قدر کہ آپ میرے ساتھ ابن زیاد کے پاس چلے چلئے، فرمایا میں تمہارا کہنا نہیں مان سکتا، حُر نے کہا تو پھر میں آپکو چھوڑ بھی نہیں سکتا، اس ردو قدح میں دونوں کے درمیان تلخ و تند گفتگو ہوگئی، حُر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ہے، صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ جہاں ملیں آپکو لیجاکر کوفہ پہنچا دوں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسا راستہ اختیار کیجئے، جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ واپس کرے، اس درمیان میں میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں، اور آپ یزید کو لکھئے، شاید خدا عافیت کی کوئی صورت پیدا کردے، اور میں آپکے معاملہ میں آزمائش سے بچ جاؤں، حُر کے اس مشورہ پر حضرت حسینؓ عذیب اور قادسیہ کے بائیں جانب ہٹ کے چلنے لگے، حُر بھی ساتھ ساتھ چلا،[1]

خطبہ، آگے بڑھکر مقام بیضہ میں آپ نے پھر ایک پر جوش خطبہ دیا کہ لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے سنت رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا، اور اس کو قولاً اور عملاً غیرت نہ آئی، تو خدا کو حق ہے کہ اس کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کرے، لوگو خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الٰہی کو بے کار

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰،

کر دیا ہے، مال غنیمت مین اپنا حصہ زیادہ لیتے ہین، خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال کر دیا ہے، اور حلال کی ہوئی چیزون کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھکو غیرت آنے کا سب سے زیادہ حق ہے، میرے پاس تمھارے خطوط آئے، تمھارے قاصد آئے کہ تم نے بیعت کر لی ہے اور تم مجھے بے یار ومددگار نہ چھوڑوگے پس اگر تم اپنی بیعت پوری کروگے تو راہ راست کو پہنچوگے، مین علیؓ اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلعم کا بیٹا حسینؓ ہون، میری جان تمھاری جانون کے برابر اور میرے اہل تمھارے اہل کے برابر ہین، میری شخصیت تم لوگون کے لئے نمونہ ہے، اور اگر تم ایسا نہ کروگے اور اپنا عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالوگے تو میری عمر کی قسم یہ بھی تمھاری ذات سے بعید اور تعجب انگیز فعل نہوگا تم اس سے پہلے میرے باپ میرے بھائی میرے ابن عم مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو، وہ فریب خوردہ ہے، جو تمھارے فریب مین آگیا تم نے اپنے فعل سے اپنا حصہ ضائع کر دیا، جو شخص عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا اپنی ذات سے عہد توڑتا ہے، عنقریب خدا مجھ کو تمھاری امداد سے بے نیاز کر دیگا، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[1]،

یہ تقریر سنکر حر نے کہا، کہ مین آپ کو خدا کو یاد دلاتا ہون اور شہادت دیتا ہون کہ اگر آپ نے جنگ کی تو قتل کر دیئے جائینگے، حضرت حسینؓ نے فرمایا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو، کیا تمھاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دوگے مین نہین سمجھتا تمھارے اس کہنے پر تم کو اس کے سوا اور کیا جواب دون جو اوسی کے چچازاد بھائی نے اوسی کو اوس وقت دیا تھا جب اوسی نے انھین قتل ہونے سے ڈرا کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ دینے سے روکا تھا کہ اگر تم رسول اللہ کی امداد کے لئے نکلوگے تو قتل کر دیئے جاوگے اس پر

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰ و ۴۱،

انھون نے یہ جواب دیا،

ی وما بالموت عار علی الفتی　　　اذا ما نوی خیرا وجاهد مسلما

مین عنقریب روانہ ہوتا ہون اور موت جوانمرد کے لیئے عار نہین ہی، جبکہ اسکی نیت نیک ہو، اور مسلمان کی طرح جہاد کرے،

حر نے یہ جواب سنا تو الگ ہٹ کے چلنے لگا،

قیس بن مسہر کے قتل کی خبر ملنا،

عذیب الہجانات پہنچکر حضرت حسینؓ کے چار انصار ملے، جو طرماح بن عدی کی رہنمائی مین کوفہ کی خبرین لیئے ہوئے آرہے تھے، حر نے کہا یہ لوگ کوفہ کے باشندے ہین، اسلیے مین انھین روک لونگا، یا لوٹا دونگا، حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ میرے انصار ہین اور ان لوگون کے برابر ہین جو میرے ساتھ آئے ہین، اس لئے اپنی ذات کیطرح ان کی حفاظت بھی کرونگا، اور اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے، تو جنگ کرونگا، یہ عزم سنکر حر رک گیا، اور حضرت حسینؓ نے کوفیون سے پوچھا کہ اہل کوفہ کا کیا حال ہے، مجمع بن عدی نے کہا اشراف کوفہ کو بڑی بڑی رشوتین دی گئی ہین، ان کی تھیلیان دینارون سے بھر دی گئی ہین، اس لئے وہ سب آپ کے خلاف متحد اور مشتعل ہو رہے ہین، البتہ عوام کے دل آپ کی طرف مائل ہین، لیکن کل ان کی تلوارین آپ پر کھنچی ہونگی، یہ حال سنکر آپنے قاصد قیس بن مسہر کا حال پوچھا، معلوم ہوا قتل کر دیئے گئے، قیس کے قتل کی خبر سن کر آپ کی آنکھون مین بے اختیار آنسو بھر آئے، اور رخسار مبارک پر آنسوؤن کی لڑیان بہنے لگین اور زبان پر یہ آیہ جاری ہو گئی ا۔

فمنهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلا،

مسلمانون مین سے بعض وہ ہین جنھون نے اپنی منت پوری کی یعنی شہید ہوگئے اور بعض ان مین سے ایسے ہین جو شہادت کے منتظر ہین اور انھون نے کوئی

پھر قیس کے لئے دعا فرمائی، کہ خدایا ہم کو اور ان لوگوں کو جنت عطا فرما، اور اپنے رحمت کے مستقر میں ہمارے اور ان کے لئے اپنے ذخیرۂ ثواب کا بہترین حصہ جمع کر[1]

طرماح بن عدی کا اپنے وطن چلنے کی دعوت دینا

حضرت حسینؓ کا یہ تاثر دیکھ کر طرماح بن عدی نے کہا، آپ کیساتھ کوئی بڑی جماعت بھی نہیں ہے، اتنے آدمیوں کے لئے تو یہی لوگ کافی ہیں، جو آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں، (حر کا دستہ) میں نے کوفہ سے روانگی کے پیشتر وہاں انسانوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھا کہ اس سے پہلے ایک میدان میں کبھی نہ دیکھا تھا، اور یہ انبوہِ عظیم آپ کے مقابلہ میں بھیجنے کے لئے جمع کیا گیا تھا، اس لئے میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتا ہوں کہ اگر آپ کے امکان میں ہو تو اب آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے، اگر آپ ایسے مقام پر جانا چاہتے ہیں، جہاں کے لوگ اس وقت تک آپ کی پوری حفاظت کرتے رہیں جب تک آپ کی کوئی صحیح رائے قائم نہ ہو جائے، اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں، اس کے متعلق کوئی آخری فیصلہ نہ کر لیں، تو ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام کیجئے، خدا کی قسم یہ پہاڑ ایسا ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہم نے سلاطین غسان و حمیر، نعمان بن منذر اور تمام ابیض و احمر کو روکا ہے، خدا کی قسم جو ہمارے یہاں آیا کبھی ذلیل نہیں ہوا، چلئے میں آپ کو ساتھ لے چل کر وہاں ٹھہراتا ہوں وہاں سے آپ باجی و سلمہ قبائل طے کو بلا بھیجئے، وہ دس دن کے اندر اندر سواروں اور پیادوں کا ہجوم کر دیں گے، پھر جب تک آپ کا دل چاہے قیام کیجئے، اگر وہاں کوئی ہنگامی حادثہ پیش آگیا، تو بیس ہزار طائی بہادروں سے آپکی مدد کریں گے، جو آپ کے سامنے اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں گے، اور کوئی شخص آپ کے قریب نہ پہنچنے پائے گا، حضرت حسینؓ نے ان کی دعوت کے جواب میں انکا شکریہ

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۱،

ادا کیا کہ خدا تم کو اور تمھاری قوم کو جزائے خیر دے ہم مین اور ان لوگون مین عہد ہو چکا ہے اس [illegible] وسے اب ہم نہین لوٹ سکتے ہم کو یہ بھی نہین معلوم کہ ہمارے اور ان کے معاملات کیا صورت اختیار کرین گے، یہ جواب سنکر طرماح دوبارہ امداد کے لئے آنے کا وعدہ کر کے بال بچون سے ملنے کے لئے گھر چلے گئے، اور حسب وعدہ واپس بھی ہوئے، مگر حضرت حسینؑ کی شہادت اس قدر جلد ہوگئی کہ طرماح کو آتے ہوئے راستہ مین اسکی خبر ملی[1]

قصر بنی مقاتل کی منزل اور خواب | عذیب الہجانات سے بڑھکر قصر بنی مقاتل مین قافلہ اترا، یہان ایک خیمہ نصب تھا، حضرت حسینؓ نے پوچھا کس کا خیمہ ہے معلوم ہوا عبید اللہ بن حر جعفی کا فرمایا انھین بلا لاؤ، آدمی نے جاکر ان سے کہا انھون نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھکر جواب دیا مین صرف اسی لئے کوفہ سے چلا آیا تھا، کہ اپنی موجودگی مین وہان حسینؓ کا آنا پسند نہ کرتا تھا، اسلئے اب مین ان کا سامنا کرنا نہین چاہتا، آدمی نے آکر حضرت حسینؓ کو یہ جواب سنا دیا، جواب سنکر حضرت حسینؓ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، اور اپنی مدد کے لئے کہا، لیکن عبید اللہ نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو پہلے آدمی کو دیچکے تھے، حضرت حسینؓ نے فرمایا، اگر تم میری مدد نہین کرتے تو کم از کم خدا کا خوف کر کے مجھسے لڑنے والے زمرہ مین شامل نہ ہو، عبید اللہ نے کہا، انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا، اس کے بعد حضرت حسینؓ اپنی فرودگاہ پر لوٹ آئے، تھوڑی رات گئے آنکھ لگ گئی تھی کہ پھر آپ انا للہ وانا الیہ راجعون اور الحمد للہ رب العالمین پڑھتے ہوئے ہوشیار ہوگئے، آپ کے صاحبزادہ زین العابدین نے پوچھا ابا آپ نے الحمد للہ و انا للہ کیون پڑھا فرمایا میری آنکھ لگ گئی تھی مین نے خواب مین ایک سوار دیکھا، وہ کہہ رہا تھا، کہ قوم جارہی ہے اور موت اس کی طرف بڑھ رہی ہے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۱ و ۴۲،

یہ خواب ہماری موت کی خبر ہے، شیر دل صاحبزادے نے جواب دیا "خدا آپکو برے وقت سے بچائے، کیا ہم حق پر نہیں ہیں" فرمایا خدا کی قسم حق پر ہیں، عرض کیا جب حق کی خاطر موت ہے تو کوئی پرواہ نہیں ہے، فرمایا خدا میری جانب سے تم کو اس کی جزائے خیر دے، اس خواب کی صبح کو یہاں سے کوچ کا حکم دیا،

حُر کے نام ابن زیاد کا فرمان آنا اور عقر میں کاروانِ اہلبیت کا قیام

قصر بنی مقاتل سے چل کر قافلہ نینوا میں اترا، حُر ساتھ ساتھ تھا، یہاں اس کو ابن زیاد کا فرمان ملا کہ میرے خط کے دیکھتے ہی حسینؓ کو گھیر کر ایسے چٹیل میدان میں لاکر اتارو جہاں کوئی قلعہ اور پانی کا چشمہ وغیرہ نہ ہو، حر نے یہ فرمان حضرت حسینؓ کو سنا دیا، اور انھیں اسی قسم کے میدان کی طرف لیجانا چاہا، حسینی لشکر والوں نے کہا ہم کو چھوڑ دو ہم اپنی مرضی سے نینوی، غاضریہ یا شفیقہ میں خیمہ زن ہونگے، حر نے کہا ہم ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے ساتھ جاسوس لگا ہوا ہے، اس پر زہیر بن قین نے کہا یا ابن رسول اللہ آیندہ جو وقت آئیگا وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، ابھی لڑنا آسان ہے، اس دستہ کے بعد جو فوجیں آئینگی ان کا مقابلہ ہم نہ کر سکیں گے، لیکن خیر خواہ امت نے جواب دیا کہ "میں اپنی طرف سے لڑائی کی ابتدا نہ کرونگا"، زہیر نے کہا اچھا کم از کم اتنا کیجئے کہ سامنے والے قریہ میں منزل کیجئے وہاں فرات کا ساحل ہے، گاؤں بھی مضبوط و مستحکم ہے، اگر یہ لوگ وہاں جانے میں مزاحم ہونگے تو ہم ان کا مقابلہ کرلیں گے، کیونکہ ان سے لڑنا بعد کے آنے والوں کے مقابلہ میں آسان ہے، حضرت حسینؓ نے گاؤں کا نام پوچھا معلوم ہوا "عقر" ذبح کرنا، فرمایا، خدایا میں تجھ سے عقر سے پناہ مانگتا ہوں غرض پنجشنبہ ۲ محرم ۶۱ھ کو نینوی کے میدان کرب و بلا میں قافلہ خیمہ زن ہوا[1]،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۲ و ۴۴،

عمر بن سعد کے سامنے رے کی حکومت کا پیش کیا جانا اور حسینؓ کے شہید کرنے کی خدمت سپرد [illegible] اور ضمیر کی کشمکش

ادھر اہل بیت نبوی کا غریب الوطن قافلہ نینوی کے میدان میں پڑا تھا، دوسری طرف کوفہ میں ان چند نفوس کے لئے قیامت کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اسی زمانہ میں دیلمیون نے دستبی پر حملہ کرکے قبضہ کر لیا تھا، اس لئے عمر بن سعد رے کا حاکم بنا کر دیالمہ کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تھا اور وہ فوجیں لیکر حمام اعین تک پہنچ چکا تھا، کہ اسی دوران میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت پیش آئی جو بلا جھجھک انکا مقابلہ کر سکے، ابن زیاد نے اس کام کے لئے ابن سعد کو بلا بھیجا اور کہا حسینؓ کا مقابلہ سب سے مقدم ہے، پہلے ان سے نپٹ لو اس کے بعد اپنے عہدہ پر واپس جانا، عمر بن سعد نے کہا خدا امیر پر رحم کرے، مجھکو اس خدمت سے معاف رکھا جائے، ابن زیاد نے کہا اگر تم کو اس میں عذر ہو تو رے کی حکومت نہ ملے گی، اس دھمکی پر ابن سعد نے اس مسئلہ پر غور کرنے کی مہلت مانگی ابن زیاد نے مہلت دی اور ابن سعد نے اپنے ہوا خواہوں سے اس بارہ میں مشورہ لینا شروع کیا، ظاہر ہے کہ اس اثم عظیم کی تائید کون کر سکتا تھا چنانچہ سب نے اس کی مخالفت کی، انکے بھانجے حمزہ بن مغیرہ کو معلوم ہوا، تو انھوں نے آکر کہا، ماموں میں آپ کو قسم دلاتا ہوں کہ آپ حسینؓ کے مقابلہ میں جا کر خدا کا گناہ اپنے سر نہ لیجئے، اور قطع رحم نہ کیجئے، خدا کی قسم اگر آپ کی دنیا آپکا مال آپ کی حکومت سب ہاتھوں سے نکل جائے تو وہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ آپ خدا سے ملئے اور آپ کے ہاتھ حسینؓ کے خون بے گناہی سے آلودہ ہوں، ابن سعد نے کہا انشاء اللہ تمھارے مشورہ پر عمل کرونگا،

عمار بن عبد اللہ بن یسار اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے تھے کہ ابن سعد کو حسینؓ کے مقابلہ کے لئے جانے کا حکم ملنے کے بعد میں انکے پاس گیا، تو انھوں نے مجھ سے

تذکرہ کیا کہ امیر نے مجھے حسینؓ کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا تھا، مگر میں نے انکار کر دیا، عبد اللہ نے کہا خدا تم کو نیک ہدایت دے تم کبھی بھی ایسا نہ کرنا، اور یہ کہکر عبد اللہ چلے آئے اس کے بعد انھیں معلوم ہوا کہ ابن سعد جانے کی تیاریاں کر رہا ہے تو یہ دوبارہ گئے، مگر اس مرتبہ ان کو دیکھکر ابن سعد نے منہ پھیر لیا، عبد اللہ اس کا عندیہ سمجھ کر واپس چلے آئے، اس فیصلہ کے بعد ابن سعد ابن زیاد کے پاس گیا، اور کہا کہ آپ نے یہ خدمت میرے سپرد کی ہے، اور حکومت کا فرمان بھی لکھ چکے ہیں، اس لئے اس کا نفاذ کر دیجئے اور حسین کے مقابلہ میں میرے ساتھ فلاں فلاں اشراف کوفہ کو بھیجئے، ابن زیاد نے کہا تم کو مجھے اشراف کوفہ کے نام بتانے کی ضرورت نہیں، میں اپنے ارادہ میں تمہارے احکام کا پابند نہیں ہو سکتا، کہ تمھاری رائے سے فوج کا انتخاب کر دن، اگر تم کو جانا ہے تو میری فوج کے ساتھ جاؤ ورنہ حکومت کا فرمان واپس کر دو، جب ابن سعد نے دیکھا کہ ابن زیاد اس کا یہ کہنا بھی نہیں مانتا تو چار و ناچار اسی فوج کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گیا،[1]

عمر بن سعد کی آمد، غرض تیسری محرم ۶۱ھ کو چار ہزار فوج کے ساتھ ابن سعد نینوی پہنچا اور عزرہ بن قیس احمسی کو حضرت حسینؓ کے پاس ان کے آنے کا سبب پوچھنے کے لئے بھیجنا چاہا کہ وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ لیکن عزرہ ان لوگوں میں تھا جنھوں نے حضرت حسینؓ کو بلاوے کے خطوط لکھے تھے، اس لئے اب اس کو اس سوال کرنے کے لئے جاتے ہوئے غیرت معلوم ہوئی، اس لئے انکار کر دیا، اس کے انکار پر دوسرے لوگوں کے سامنے یہ خدمت پیش کی گئی لیکن مشکل یہ تھی کہ جس کا نام لیا جاتا تھا وہ حضرت حسینؓ کے بلانے والوں میں نکلتا تھا، اس لئے کوئی آمادہ نہ ہوتا تھا، آخر میں ایک جری

[1] طبری ج ۷ ص ۳۰۸ و ۳۰۹،

شخص کثیر بن عبداللہ شعبی نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں جاؤنگا، اور اگر ان کے ساتھ کچھ اور مقصد [illegible] پورا کرنے کو تیار ہوں، ابن سعد نے کہا میں اور کچھ نہیں چاہتا، ان سے جاکر صرف اتنا پوچھو کہ وہ کس لئے آئے ہیں؟ چنانچہ کثیر یہ پیام لیکر گیا، ابو ثمامہ صائدی نے حضرت حسینؓ کو اطلاع دی کہ ابو عبداللہ آپ کے پاس روئے زمین کا شریر ترین اور خونریز ترین شخص آرہا ہے پھر کثیر بن عبداللہ سے کہا کہ تلوار علیحدہ رکھکر حسینؓ سے ملاقات کرو، کثیر نے جوابدیا، خدا کی قسم یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا، میں قاصد ہوں، پیام لایا ہوں، اگر تم سننا چاہوگے تو پیام پہنچا دونگا، ورنہ واپس چلا جاؤنگا، ابو ثمامہ نے کہا اچھا اگر تلوار نہیں رکھتے تو میں تمھاری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہونگا، تم حسینؓ سے گفتگو کر لینا، کثیر نے کہا یہ بھی نہیں ہوسکتا، تم قبضہ بھی نہیں چھو سکتے، ابو ثمامہ نے کہا اچھا تو مجھے پیام بتا دو میں جاکر حسینؓ کو پہنچا دونگا، کثیر اس پر بھی آمادہ نہ ہوا اور بلا پیام پہنچائے ہوئے لوٹ گیا، اس کی واپسی کے بعد ابن سعد نے قرہ بن سعد حنظلی کو بھیجا، یہ سنجیدہ اور سلجھے ہوئے آدمی تھے، انھوں نے جاکر سلام کے بعد ابن سعد کا پیام پہنچایا، حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ تمھارے شہر والوں نے مجھے خطوط لکھکر بلایا ہے، اب اگر تم لوگ میرا آنا ناپسند کرتے ہو تو میں لوٹ جاؤں، قرہ نے جاکر ابن سعد کو یہ جواب سنا دیا، جواب سنکر اس نے اطمینان کی سانس لی، اور کہا امید ہے کہ اب خدا مجھکو حسینؓ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچا لیگا، اور اپنا سوال اور حسینؓ کا جواب ابن زیاد کو لکھکر بھیجدیا، لیکن کاتب ازل اس کا نامۂ اعمال سیاہ کر چکا تھا، اس لئے ابن سعد کی اس مصالحانہ تحریر کے بعد بھی اس نے صلح و مسالمت کی روش اختیار نہ کی، اور ابن سعد کو جواب لکھا کہ تمھارا خط ملا تم نے جو کچھ لکھا میں سمجھا، تم حسینؓ اور ان کے کل ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو جب وہ بیعت کر لینگے

اس وقت پھر دیکھا جائیگا، ابن سعد کو یہ تحریر ملی، تو بولا معلوم ہوتا ہے، ابن زیاد امن و عافیت نہیں چاہتا،[۱]

پانی کی بندش اور اسکے لئے کشمکش

اس کے بعد ہی دوسرا حکم پہنچا کہ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں پر پانی بند کر دو، جس طرح تقی زکی اور مظلوم امیر المومنین عثمانؓ کے ساتھ کیا گیا تھا،[۱] اس حکم پر ابن سعد نے پانسو سواروں کا ایک دستہ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین کر دیا، اس دستہ نے ساتویں محرم سے پانی روکدیا، عبداللہ بن ابی حصین شامی نے امام حسینؓ سے مخاطب ہوکر کہا، حسینؓ پانی دیکھتے ہو کیسا آسمان کے جگر جیسا جھلک رہا ہے لیکن خدا کی قسم تم کو ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا، تم اسی طرح پیاسے مروگے آپ نے فرمایا خدایا اس کو پیاسا مار اور اس کی مغفرت کبھی نہ فرما،[۲] جب حسینی لشکر پر پیاس کا غلبہ ہوا، تو حضرت حسینؓ نے اپنے سوتیلے بھائی عباس بن علیؓ کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کیساتھ پانی لینے کو بھیجا یہ چشمے پر پہنچے تو عمرو بن حجاج مزاحم ہوا، لیکن عباسؓ نے مقابلہ کرکے ہٹا دیا، اور سپاہیوں نے ریلا کرکے مشکیں بھر لیں، اور عباسؓ نے انھیں چشمہ پر کھڑے کھڑے لشکر میں بھجوا دیا،[۳]

حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کی خفیہ گفتگو،

اس کے بعد حضرت حسینؓ نے ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ میں رات کو کسی وقت اپنے اور تمھارے لشکر کے درمیان تم سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کی اس خواہش پر ابن سعد بیس۲۰ آدمیوں کو لیکر موعودہ مقام پر ملنے کے لئے آیا، حضرت حسینؓ کے ساتھ بھی بیس۲۰ آدمی آئے تھے، لیکن آپ نے انھیں علیحدہ کر دیا، آپ کی تقلید میں ابن سعد نے بھی اپنے آدمی ہٹا دیئے، اور دونوں میں رات کی تنہائی میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی یہ گفتگو کیا تھی؟ اسکا صحیح علم کسی کو نہیں، لوگوں

[۱] طبری ج ۷ ص ۳۱۰ و ۳۱۱، [۲] ایضاً ص ۳۱۲، [۳] اخبار الطوال ص ۲۶۲،

نے مختلف قیاسات لگائے ہیں، بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں اپنی اپنی فوجیں یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس چلے چلیں، ابن سعد نے کہا میرا گھر گرا دیا جائیگا، فرمایا میں بنوا دونگا، ابن سعد نے کہا جائداد ضبط کر لیجائے گی، فرمایا میں اس سے بہتر جائداد دونگا، لیکن ابن سعد کسی قیمت پر ساتھ جانے کیلئے آمادہ نہ ہوا، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ مجھے جہاں سے آیا ہوں واپس جانے دو یا یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے دو پھر اس کے بعد وہ خود کوئی فیصلہ کریگا، یا کسی سرحدی مقام پر بھیجدو[1]،

پہلی روایت تو خیر قابل قیاس ہے، اسلئے صحیح سمجھی جا سکتی ہے لیکن دوسری روایت روایۃً اور درایۃً دونوں حیثیتوں سے کمزور اور ناقابل اعتبار ہے، اسکی روایتی حیثیت یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی مجالد بن سعید محدثین کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، حافظ ذہبی اور ابن حجر دونوں نے اس پر جرح کی ہے[2]، اس کے علاوہ عقبہ بن سمعان کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر حضرت حسینؓ کے ساتھ رہا، اور شہادت تک ان سے جدا نہ ہوا، اگر آپ نے مدینہ میں، مکہ میں، راستہ میں، عراق میں، لشکر گاہ میں، غرض شہادت تک کہیں بھی کسی گفتگو میں کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں فرمایا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے یا کسی سرحدی مقام پر نکل جانے کے لئے آمادہ تھے، آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، خدا کی زمین بہت وسیع ہے، کہیں چلا جاؤنگا، جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کرلیں[3]،

درایتی حیثیت یہ ہے کہ ابن زیاد کا تو یہی حکم تھا کہ اگر حسینؓ بیعت کرلیں تو پھر آپ سے

---

[1] طبری ص ۳۱۲ و ۳۱۴، [2] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۸ و تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹، [3] طبری ج ۷ ص ۳۱۴،

کوئی تعرض نہ کیا جائے، اور ابن سعد بھی دل سے یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگ کی نوبت
نہ آنے پائے چنانچہ اس نے اسے ٹالنے کی پوری کوشش کی تھی اور ابن زیاد کو لکھا تھا کہ
حسینؓ واپس جانے پر آمادہ ہین لیکن ابن زیاد نے جواب دیا تھا کہ اب وہ بغیر بیعت کے
نہین جا سکتے، بیعت کے بعد پھر دیکھا جائیگا، یہ جواب پاکر ابن سعد نے کہا تھا یہ امن و عافیت
نہین چاہتا، اسلئے حضرت حسینؓ کے بیعت پر آمادہ ہو جانے کے بعد ابن سعد کا اس کو منظور
نہ کرنا کوئی معنی نہین رکھتا،

ابن زیاد کا تہدیدی فرمان | ابن سعد گو دنیا وی جاہ و حشم کی طمع مین حضرت حسینؓ سے لڑنے پر
آمادہ ہو گیا تھا، پھر بھی متعدد وجوہ سے اس کا دل اب تک برابر ملامت کر رہا تھا، اولاً وہ
ایک حیثیت سے حضرت حسینؓ کا ہم خاندان تھا، کیونکہ چھٹی پشت عبد مناف پر دونون
کا نسب مل جاتا ہے، اس نسبی تعلق کے علاوہ آپ کا قریبی عزیز بھی تھا، اور حضرت حسینؓ
کی ذات وہ تھی کہ قرابت نبوی کی وجہ سے اعزہ کیا غیر متعلق اور بیگانہ اشخاص بھی مشکل سے
آپ کے ساتھ کسی بدسلوکی کی جرأت کر سکتے تھے، پھر ابن سعد تو بہر حال عزیز تھا، اس لئے
نینوی آنے کے بعد بھی وہ برابر جنگ ٹالتا رہا، کہ شاید اس طرح اس گناہ عظیم سے بچنے کی
کوئی صورت نکل آئے، ابن زیاد نے اس کی اس ڈھیل کو محسوس کیا تو آخری اور نہایت
سخت فرمان بھیجا، کہ "مین نے تم کو اس لئے نہین بھیجا ہے کہ تم ڈھیل دیتے رہو، دن بڑھاتے
چلے جاؤ، اور حسینؓ کے سفارشی بن کر ان کی بقا اور ان کی سلامتی کی تمنا کرو، تم حسینؓ
اور ان کے ساتھیون سے میرا حکم ماننے کو کہو اگر مان جائین تو سب کو ہمارے پاس بھیجدو،
اور اگر نہ مانین تو فوراً حملہ کردو کہ وہ سرکش اور جھگڑنے والے ہین، اور اگر یہ کام تم سے
نہ ہو سکے تو فوج ذی الجوشن کے حوالہ کر کے تم الگ ہو جاؤ، ہم نے جو حکم دیا ہے اسے

وہ پورا کریں گے[1]

ابن زیاد نے یہ فرمان شمر ذی الجوشن اور عبد اللہ بن ابی المحل کے ذریعہ سے ابن سعد کے پاس بھجوایا تھا، عبد اللہ کی پھوپھی ام بنین حضرت علیؓ کو بیاہی تھیں، اور عباس، عبد اللہ، جعفر اور عثمان انھیں کے بطن سے تھے، اس لئے عبد اللہ نے شمر سے کہا کہ ہمارے ابن اخت حسینؓ کے ساتھ ہیں، اگر امیر کی رائے ہو تو ان کے پاس امان نامہ بھیجدیا جائے، شمر اس پر راضی ہو گیا، اور اسی وقت کاتب سے لکھوا دیا، عبد اللہ نے اسے اپنے غلام کزمان کے ہاتھ عباس وغیرہ کے پاس بھجوادیا، غلام نے انھیں لیجا کر دیا، کہ تمھارے ماموں نے یہ امان نامہ دیا ہے اس پر غیور اور باحمیت بھانجوں نے جواب دیا کہ ماموں سے جا کر سلام کہنا اور کہنا امان نامہ پہنچا، لیکن ہمیں امان کی ضرورت نہیں، خدا کی امان ابن سمیہ (ابن زیاد) کی امان سے بہتر ہے،[2]

ابن سعد کا آخری فیصلہ، شمر نے ابن زیاد کا یہ فرمان لا کر ابن سعد کو دیا، تو وہ پڑھکر بہت برہم ہوا، اور کہا، تمھارا برا ہو، اور جو چیز تم میرے پاس لائے ہو، خدا اس کا برا کرے، خدا کی قسم معلوم ہوتا ہے کہ میں نے ابن زیاد کو جو کچھ لکھا تھا، اس کے قبول کرنے سے تم ہی نے اس کو روک کر ہمارا کام بگاڑا ہے، ہم کو امید تھی کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئیگی، حسینؓ کے پہلو میں ایک خوددار دل ہے، اس لئے وہ کبھی اس کے سامنے نہ جھکیں گے، شمر ابن سعد کی یہ باتیں سنکر بولا، بتاؤ اب تم کیا کرتے ہو؟ امیر کے حکم کی تعمیل کر کے ان کے دشمنوں کو قتل کروگے یا نہیں؟ اگر قتل نہیں کرتے تو فوج میرے حوالہ کردو، گو ابن سعد کے ضمیر اور نفس میں اب بھی کشمکش جاری تھی، لیکن اسے حق و باطل کے امتیاز کی قوت سلب ہو گئی

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۱۶، [2] ایضاً،

تھی، وہ حسینؓ کے خون پر آمادہ ہو سکتا تھا لیکن رے کی حکومت نہیں چھوڑ سکتا تھا، اس لئے جواب دیا کہ میں خود اس کام کو کرونگا، تم پیدل کی نگرانی کرو[1]،

ابن زیاد کے اس آخری حکم کے بعد ابن سعد نے ۹ محرم ۶۱ھ کو جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، آغاز جنگ سے پہلے شمر نے حسینی فوج کے پاس جاکر ایک مرتبہ پھر عباسؓ اور ان کے بھائیوں کو سمجھایا کہ بنی اخت میں تم کو امان دیتا ہوں، لیکن اس مرتبہ غیرت مند نوجوانوں نے پہلے سے بھی زیادہ سخت جواب دیا کہ "تجھ پر اور تیری امان پر خدا کی لعنت ہو اگر تو ہمارا ماموں ہوتا تو ہم کو امان دیتا اور ابن رسول اللہ صلعم کو نہ دیتا[2]،

ایک شب کی اجازت | اسی تاریخ کو عصر کے وقت ابن سعد کچھ لوگوں کو ساتھ لئے ہوئے حضرت حسینؓ کے فرودگاہ پر آپ سے ملنے آیا، آپ نے ملاقات کے لئے نکلنے کا عزم کیا، لیکن عباسؓ نے روکا کہ آپ تکلیف نہ کیجئے میں جاتا ہوں، حضرت حسینؓ نے فرمایا، اچھا تم ہی جاؤ، مگر پوچھ لینا کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ چنانچہ عباسؓ جاکر ان سے ملے اور آنے کا مقصد پوچھا، فوجیوں نے جواب دیا کہ امیر فلاں فلاں مقصد سے آئے ہیں، غالباً اس سے آغاز جنگ کی طرف اشارہ تھا کیونکہ عباسؓ نے انھیں جواب دیا کہ اچھا ابھی جلدی نہ کرو، میں امام کو تمھارے آنے کا مقصد بتا دوں چنانچہ انھوں نے حضرت حسینؓ کو اس کی خبر کی آپ نے فرمایا، "اچھا آج رات بھر کی اور مہلت لے لو تاکہ اس آخری رات کو اچھی طرح نمازیں پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں، اور توبہ استغفار کر لیں، خدا خوب جانتا ہے کہ مجھ کو نماز اس کی کتاب کی تلاوت اور دعا و استغفار سے کتنا دلی تعلق ہے، عباسؓ نے جاکر ابن سعد کے دستہ سے کہا کہ "آج تم لوگ لوٹ جاؤ رات کو ہم اس معاملہ پر غور کریں گے، اور جو کچھ فیصلہ ہوگا صبح کو جواب دیں گے"

[1] طبری ج ۷، ص ۲۱۷، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۷،

ابن سعد نے شمر سے پوچھا تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا آپ امیر ہین آپ جانین شمر کے پر اور لوگون سے رائے لی، سب نے مہلت دینے کی رائے دی، اور ابن سعد اس دن لوٹ گیا، ان لوگون کی واپسی کے بعد امام نے اپنے ساتھیون کو جمع کرکے حسب ذیل خطبہ دیا،

خطبہ | مین خدا کا بہترین ثنا خوان ہون، اور مصیبت اور راحت ہر حال مین اس کا شکر گذار ہون، خدایا مین تیری حمد کرتا ہون کہ تونے ہم لوگون کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہمین گوش شنوا، دیدۂ بینا اور دل آشنا دیا، ہم کو قرآن سکھایا، اور دین مین فہم عطا کی، اب ہمین اپنے شکر گذار بندون مین شامل فرما، اما بعد مجھے کسی کے ساتھی اپنے ساتھیون سے زیادہ وفادار اور اچھے اور اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکوکار اور صلہ رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھرانا نہین معلوم ہوتا، خدا تم لوگون کو ہماری جانب سے جزائے خیر دے، مین ان دشمنون کی وجہ سے آج کا دن کل ہی کا دن سمجھ رہا ہون، اس لئے مین تم لوگون کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہون، میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی، رات ہوچکی ہی، ایک ایک اونٹ لے لو اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہل بیت کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ لیلے خدا تم سب کو جزائے خیر دے، تم لوگ اپنے اپنے شہرون اور دیہاتون مین چلے جاؤ، یہان تک کہ خدا یہ مصیبت آسان کردے، یہ اس لئے کہ رہا ہون کہ لوگ مجھی کو ڈھونڈھین گے میرے بعد کسی کی تلاش نہ ہوگی"

جان نثارون کی تقریرین | اس تقریر پر تمام اعزہ نے یک زبان ہوکر جواب دیا "کیا ہم صرف اس لئے چلے جائین کہ آپ کے بعد زندہ رہین؟ خدا ہم کو یہ دن نہ دکھائے" اس جواب کے حضرت حسینؓ نے بنو عقیل سے فرمایا، کہ مسلم کا قتل تمھارے لئے بہت ہوچکا ہی، اس لئے تم کو اجازت دیتا ہون کہ تم لوگ لوٹ جاؤ، لیکن باحمیت بھائیون نے جواب دیا کہ ہم لوگون

کو کیا جواب دین گے؟ کیا یہ کہین گے کہ اپنے سردار اپنے آقا اور ابن عم کو چھوڑ آئے انکے لئے ایک تیر بھی نہ چلایا، ایک نیزہ بھی نہ مارا تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا، اب معلوم نہیں کہ انکا کیا حشر ہوا؟ خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا نہین کر سکتے، ہم لوگ جان مال اور اہل وعیال سب آپ کے اوپر سے فدا کر دین گے، آپ کے ساتھ لڑین گے جو انجام آپ کا ہوگا وہی ہمارا بھی ہوگا، آپ کے بعد جینا بے کار ہے،

بنو عقیل کے بعد مسلم بن عوسجہ اسدی نے اٹھ کر کہا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائین؟ اور خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کا عذر نہ کرین، ؟ خدا کی قسم مین اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑونگا جب تک دشمنون کے سینون مین نیزہ نہ توڑ لون، اور تلوار نہ چلا لون، خدا کی قسم اگر میرے پاس اسلحہ بھی نہ ہوتے تو دشمنون سے پتھر مار مار کر لڑتا، اور آپ پر سے فدا ہو جاتا،[1]

مسلم بن عوسجہ کے بعد سعد بن عبد اللہ حنفی نے اٹھ کر تقریر کی، کہ خدا کی قسم ہم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہین چھوڑ سکتے، جب تک خدا کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم نے رسول اللہ کے بعد بھی آپ کا فرمان ملحوظ رکھا، اگر مجھکو یہ بھی یقین ہوتا کہ مین ستر مرتبہ قتل کیا جاؤنگا اور ہر مرتبہ زندہ کر کے آگ مین جلا کر میری خاک اڑا دیجائیگی تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا تا آنکہ اپنے کو موت کے حوالہ کر دیتا، نہ کہ ایسی صورت مین جبکہ یہ معلوم ہے کہ مرنا ایک ہی مرتبہ ہے، اور اس موت مین ابدی عزت ہے،

سعد بن عبد اللہ حنفی کے بعد زہیر بن قین اٹھ کر بولے، خدا کی قسم مجھے تمنا ہے کہ مین قتل ہوتا پھر زندہ ہوتا پھر قتل کیا جاتا، اسی طرح ہزار مرتبہ زندہ ہو ہو کر قتل کیا جاتا

---

[1] یہ خطبہ اور جوابات ابن اثیر ج ۴ ص ۴۸ و ۴۹ سے ماخوذ ہین۔

اور خدا اس قتل سے آپ کی ذات اور آپ کے اہل بیت کے نوجوانوں کو بچا لیتا، غرض اس طرح ہر جان نثار نے اپنی اپنی عقیدت اور جان نثاری کا اظہار کیا[1]

شبِ عاشورہ۔ جمعرات کا دن گذرنے کے بعد عاشورہ کی وہ بھیانک اور تاریک رات نمودار ہوئی جس کی صبح کو میدانِ کربلا میں قیامت بپا ہونے والی تھی، درمیان میں صرف ایک ہی رات باقی تھی جس میں حضرت حسینؓ کو ایک طرف حجلۂ عبادت میں جمالِ حقیقت کے ساتھ راز و نیاز کرنا تھا، اور دوسری طرف اس کی راہ میں جان دینے کے لئے تیاریاں کرنی تھیں، اس لئے آپ نے منتشر خیموں کو ایک جگہ ترتیب سے نصب کرا کے ان کی پشت پر خندق کھدوا کے آگ جلوا دی کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکیں اور ہتھیاروں کی صفائی کرائی جس وقت آپ کی تلوار صاف کی جا رہی تھی، اس وقت آپ نے چند عبرتناک اشعار پڑھے، آپ کی جان نثار بہن حضرت زینبؓ کو ان انتظامات سے ہونے والے واقعات کا کچھ اندازہ ہو گیا تھا خصوصاً بھائی کی تلوار کی درستی دیکھ کر اور زبان سے بار بار عبرت آمیز اشعار سنکر انھیں یقین ہو گیا کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے، ایسے موقعہ پر اور ایسے حالات میں اگر مرد ہوتا تو کلیجہ پانی ہو جاتا، زینب تو عورت تھیں اور پھر بھائی کی فدائی، ناز و نعمت سے پلی ہوئی، آنے والی مصیبت کے تخیل اور اکلوتے بھائی کی جان خطرہ میں دیکھکر بے اختیار ہو گئیں، حضرت حسینؓ کے پاس بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں، اور چیخ چیخ کر رونے اور بین کرنے لگیں کاش آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی، ہائے میری ماں فاطمہؓ، میرے باپ علیؓ اور میرے بھائی حسنؓ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا، بھیا ان گذرے ہوؤں کے جانشین اور ہم لوگوں کے محافظ اور ہمارا سہارا تمھیں ہو" بہن کو اس طرح

[1] طبری ج ۷، ص ۲۲۲ و ۲۲۳،

آپے سے باہر دیکھ کر اسد اللہ کے شیر دل بیٹے نے غضب آلود نظریں ڈالیں، اور کہا بہن حلم و وقار کو شیطان کے حوالہ نہ کرو، لیکن یہ وقت وقار و سکینہ کا نہ تھا، زینبؓ نے کہا میں آپ پر سے قربان میں آپ کے بدلہ میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں" بہن کی یہ دلدوز اور محبت بھری باتیں سنکر بھائی کا دل بھی موم ہو گیا، اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، فرمایا "زینبؓ ذرا چین سے رہنے دو، یہ جواب سنکر زینبؓ نے منہ پیٹ لیا، اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگیں، "کہ آپ کا اپنے کو مجھ سے الگ الگ رکھنا میرے دل کے ٹکڑے اڑائے دیتا ہے" یہ کہا اور چیخ مار کر بیہوش ہو گئیں، حضرت حسینؓ نے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے، جب ہوش آیا تو صبر کی تلقین کی کہ "زینبؓ خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو، ایک ایک نہ دن سارے روے زمین کے باشندے مرجائیں گے آسمان والوں میں بھی کوئی باقی نہ رہے گا، آسمان و زمین کی تمام چیزیں فانی ہیں صرف ایک خدا کی ذات باقی رہے گی، میری ماں میرے باپ اور میرے بھائی سب مجھ سے بہتر تھے، اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلعم کی ذات نمونہ ہے، تم اسی نمونہ سے صبر و تسلی حاصل کرو، میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں، کہ اگر میں مر جاؤں تو اسوۂ رسول کے خلاف نہ کرنا، میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا، اور بین نہ کرنا" بہن کو صبر و شکر اور ضبط و تحمل کی تلقین کر کے خیمہ سے باہر تشریف لائے، اور حفاظت کے ضروری انتظامات کر کے صبح صادق تک سب لوگ نماز دعا، استغفار اور تضرع و زاری میں مصروف رہے[1]

قیامت صغریٰ ○ الغرض شب عاشورہ ختم ہوئی اور عاشورہ کا خونیں آفتاب اپنی پوری

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰،

خون آشامیون کے ساتھ طلوع ہوا، اور وہ صبح قیامت آگئی جس کی الم‌ناکی پر جن وانس
... قدسی و ملائک تک نوحہ کنان ہین، اور باختلاف روایت جمعہ یا سنیچر کے دن
بعد نماز فجر حسینی فوج لڑنے کے لئے تیار ہوگئی، یہ کوئی لشکر جرار نہ تھا بلکہ بہتر جان نثاران
کی ایک مختصر جماعت تھی، جس کی ترتیب یہ تھی کہ میمنہ پر زہیر بن قین تھے، اور میسرہ پر
حبیب بن مطہر، عباسؓ "علمدار" کے ہاتھون مین حسینی علم تھا، ادھر یہ مٹھی بھر جان نثار
تھے، دوسری طرف چار ہزار شامی تھے، حضرت حسینؓ رن مین جانے کے لئے رہوار
پر سوار ہوئے، قرآن سامنے رکھا، اور دونون ہاتھ اٹھاکر بارگاہ ایزدی مین
عرض کیا[1]،

بارگاہ ایزدی مین دعا، خدایا تو ہر مصیبت مین میرا بھروسہ اور ہر تکلیف مین میرا آسرا ہے،
مجھ پر جو وقت آئے ان مین تو ہی میرا پشت و پناہ تھا، بہت غم و اندوہ ایسے ہین جنمین دل کمزور پڑ جاتا
ہے، کامیابی کی تدبیرین کم ہوجاتی ہین اور رہائی کی صورتین گھٹ جاتی ہین،
دوست اس مین ساتھ چھوڑ دیتے ہین اور دشمن شماتت کرتے ہین لیکن مین نے اس
قسم کے تمام نازک اوقات مین سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا، تجھی سے اسکی
شکایت کی، تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے، اور ان کے مقابلہ مین میرا
سہارا بنا، تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور خواہش
کا منتہی ہے،

حضرت حسینؓ دعا کرکے فارغ ہوئے تھے کہ شمر اس آگ کے شعلون دیکھکر جو خیمون
کی پشت پر اس کی حفاظت کے لئے جلائی گئی تھی، بولا حسینؓ قیامت سے پہلے دنیا

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰،

ہی مین آگ مل گئی، آپ نے جواب دیا تو اس مین جلنے کا زیادہ ہین ڈالین، اور کہا بہن کی یا ابن رسول اللہ شمر زد مین ہے ارشاد ہو تو تیر چلا کر اسکا خاتمہ کر دون" فرمایا مین اپنی جانب سے ابتدا کرنا نہین چاہتا، اور شامی فوج کے قریب جا کر باواز بلند اتمام حجت فرمایا،

اتمام حجت، لوگو! جلدی نہ کرو، پہلے میرا کہنا سن لو، اور مجھ پر سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کر لینے دو، اور میرے آنے کا عذر بھی سن لو، پھر اس کے بعد تمھین اختیار ہے، اگر میرا عذر قبول کر لوگے میرا کہنا سچ مانوگے، اور انصاف سے کام لوگے تو خوش بخت ہوگے اور تمھارے لئے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی، اور اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا تو،۔

فاجمعوا امرکم وشرکاؤکم	پس تم اور تمھارے شریک سب مل کر
ثم لا یکن امرکم علیکم	اپنی ایک بات ٹھہرالو تاکہ تمھاری وہ بات
غمۃ ثم اقضوا الیّ ولا	تم مین سے کسی کے اوپر مخفی نہ رہے، تم میرے
تنظرون، ان ولیّ اللہ	ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کر ڈالو، اور مجھے مہلت
الذی نزل الکتاب وھو	نہ دو، میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی
یتولی الصالحین ،	اور وہی صالحین کا ولی ہوتا ہے،

آپ کی بہنون اور صاحبزادیون نے یہ تقریر سنی تو خیمہ امامت مین ماتم بپا ہو گیا ان کے رونے کی آواز سنکر آپنے عباسؓ اور علیؓ کو بھیجا کہ جا کر انھین خاموش کرو، "میری عمر کی قسم ابھی ان کو بہت رونا ہے،" بہنون اور لڑکیون کو خاموش کرنے کے بعد ایکمرتبہ پھر آخری اتمام حجت کے لئے کوفیون کے سامنے تقریر فرمائی کہ

"لوگو! میرے نسب پر غور کرو میں کون ہون؟ پھر اپنے گریبانون میں منہ ڈال کر ملامت کرو، خیال کرو کہ میرا قتل اور میری آبروریزی تمھارے لئے زیبا ہے، کیا میں تمھارے نبی کی بیٹی کا لڑکا اور اس کے وصی، ابن عم، خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے، اس کے رسول اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہین ہون؟ کیا سید الشہدا حمزہ میرے باپ کے اور جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہ تھے؟ کیا تم کو نہین معلوم کہ رسول اللہ صلعم نے میرے اور میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ "یہ دونون نوجوانان جنت کے سردار ہین"، اگر مین سچ کہتا ہون اور یقیناً سچ کہتا ہون، کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہے کہ جھوٹے پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے، اس وقت سے مین عمداً جھوٹ نہین بولا، اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم مین اس کے جاننے والے موجود ہین، ان سے اسکی تصدیق کرلو، جابر بن عبد اللہ انصاری، ابو سعید خدری، سہل بن سعد الساعدی، زید بن ارقم، انس بن مالک ابھی زندہ ہین ان سے پوچھو یہ تمھین بتائین گے کہ انھون نے میرے اور میرے بھائی کے بارہ مین رسول اللہ صلعم سے کیا سنا ہے، مجھے بتاؤ کیا اس فرمان مین میری خون ریزی کے لئے کوئی روک نہین"،

اس تقریر کے دوران مین شمر ذی الجوشن نے حضرت حسین کے ایمان پر چوٹ کی حبیب بن مظہر نے اس کا دندان شکن جواب دیکر کہا کہ امام جو کچھ فرماتے ہین اس کو تو نہین سمجھ سکتا کیونکہ خدا نے تیرے قلب پر مہر لگا دی ہے، ذی الجوشن اور حبیب کے اعتراض و جواب کے بعد امام پھر تقریر کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے فرمایا،

"خیر اگر تم کو اس مین کچھ شک ہے، تو اسے جانے دو، لیکن کیا اس مین بھی شبہہ ہے کہ مین تمھارے نبی کی لڑکی کا بیٹا ہون، خدا کی قسم آج مشرق سے لیکر مغرب تک

روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے، میں خاص تمھارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا ہون، مجھے بتاؤ تم لوگ میرے خون کے کیون در پے ہو، کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی کا مال ضائع کیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے؟ ان فقرات اور سوالات کو سنکر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا، اس کے بعد آپ نے نام لے لیکر سوالات شروع کئے، اے شبث بن ربعی! اے حجار بن ابجر! اے قیس بن اشعث! اے یزید بن حارث! کیا تم نے مجھکو نہین لکھا تھا پھل پک چکے ہیں، کھجورین سرسبز ہیں، دریا جوش میں ہیں، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ، ان لوگون نے جواب دیا ہم نے نہیں لکھا تھا، فرمایا سبحان اللہ خدا کی قسم تم نے لکھا تھا، لوگو اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے تو مجھے چھوڑ دو تاکہ میں کسی پرامن خطہ کی طرف چلا جاؤن۔ اس پر قیس بن اشعث بولا تم اپنے بنی عم کا کہنا کیون نہیں مان لیتے، ان کی رائے تمھارے مخالف نہ ہوگی، اور ان کی جانب سے کوئی ناپسندیدہ سلوک نہ ہوگا"

حضرت حسینؓ نے فرمایا، کیون نہیں، آخر تم بھی تو اپنے بھائی کے بھائی ہو، تم کیا یہ چاہتے ہو؟ کہ بنو ہاشم مسلم بن عقیل کے خون کے علاوہ تم سے اور دوسرے خون کے بدلہ کا بھی مطالبہ کریں، خدا کی قسم میں ذلیل کی طرح اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دونگا، اور غلام کی طرح اقرار نہیں کرونگا[1]،

والی عذت بربی و ربکم ان ترجمون اعوذ بربی وربکم من کل متکبر لا یومن بیوم الحساب،	اور میں اپنے اور تمھارے رب سے پناہ مانگتا ہون کہ تم مجھکو سنگسار کرو، میں اپنے اور تمھارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا پناہ مانگتا ہون

[1] طبری ج ۷ ص ۳۲۹ و ۳۳۰،

زہیر بن قین کی تقریر

اس تقریر کے بعد آپ سواری بٹھا کر اتر پڑے، اور شامی آپ کی طرف [illegible] کا ریلا دیکھ کر زہیر بن قین نے شامیون کے سامنے بڑی پرجوش تقریر کی،

"اے اہل کوفہ خدا کے عذاب سے ڈرو، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے ابھی تک ہم آپس میں بھائی بھائی اور ایک مذہب اور ایک ملت کے ماننے والے ہین، جب تک ہمارے درمیان تلوار نہ اٹھ جائے اسوقت تک ہم کو تمھین نصیحت کرنے کا حق ہے، جب آپس میں تلوارین اٹھ جائین گی تو ہمارا تمھارا رشتہ ٹوٹ جائیگا، اور ہماری تمھاری جماعت الگ الگ ہو جائے گی، خدا نے ہم کو اور تم کو نبی صلعم کی ذریت کے بارہ مین آزمائش مین مبتلا کیا ہے، تاکہ وہ دیکھے کہ ہم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہین، مین تم کو ان کی امداد اور عبید اللہ بن زیاد کا ساتھ چھوڑنے کی دعوت دیتا ہون، اس لئے کہ تم کو ان دونون سے سوائے برائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا، وہ تمھاری آنکھون مین گرم سلائیان پھیرین گے تمھارے ہاتھ پاؤن کاٹین گے، تمھارا مثلہ کرین گے، تم کو کھجور کی شاخون پر لٹکائین گے، حجر بن عدی اور ہانی بن عروہ وغیرہ کی طرح تمھارے ممتاز لوگون کو قتل کرین گے،،

زہیر بن قین کی یہ تقریر سنکر کوفیون نے انھین گالیان دین، اور ابن زیاد کی تعریف کرکے بولے خدا کی قسم ہم بغیر حسینؑ اور ان کے ساتھیون کا قتل کئے یا انھین گرفتار کرکے امیر ابن زیاد کے پاس پہنچائے ہوئے نہین ٹل سکتے، زہیر بن قین نے پھر انھین سمجھایا کہ، خدا کے بندو فاطمہؓ کا فرزند ابن سمیہ کے مقابلہ مین امداد و اعانت کا زیادہ مستحق ہے، اگر تم ان کی مدد نہین کرتے تو خدارا انھین قتل تو نہ کرو، ان کا معاملہ ان کے اور ان کے ابن عم یزید پر چھوڑ دو، خدا کی قسم وہ حسینؑ کو قتل نہ کرنے کی صورت مین تم سے زیادہ رضامند ہوگا،، اس پر شمر ذی الجوشن نے زہیر بن قین کو ایک تیر مارا اور کہا، خاموش ہو

خدا تمھارا منہ بند کرے، اپنی بک بک سے پریشان کر ڈالا، اس پر زہیر نے کہا ابن بوال
تجھ سے کون خطاب کرتا ہے؟ تو تو جانور ہے، خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تو کتاب اللہ کی
ان دو آیتوں کو بھی نہیں جانتا وابشر بالخزی یوم القیمۃ والعذاب
الالیم شمر بولا "خدا تجھ کو اور تیرے ساتھی کو ایک ساتھ قتل کرے"، زہیر نے جواب دیا
تو مجھے موت سے ڈراتا ہے، خدا کی قسم حسینؓ کے ساتھ جان دینا مجھکو تیرے ساتھ دائمی زندگی
سے زیادہ پسند ہے، پھر بآواز بلند کوفیوں سے خطاب کیا کہ "لوگو تم اس سنگدل ظالم کے
فریب میں نہ آؤ خدا کی قسم جو لوگ محمد صلعم کی اولاد اور ان کے اہل بیت کا خون بہائیں گے
وہ قیامت کے دن آپ کی شفاعت سے محروم رہینگے"

حر کی آمد کوفیوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکے تھے اور دلوں پر مہر لگ چکی تھی، اسلئے حضرت
حسینؓ اور آپ کے دوسرے ساتھیوں کی ساری افہام و تفہیم بالکل رائگان گئی، کسی پر
کوئی اثر نہ ہوا، اور امام نے زہیر بن قین کو واپس بلا لیا، ان کی واپسی کے بعد کوئی
وقت منتظر باقی نہ رہا، اور عمر بن سعد حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا، اس کی پیشقدمی کے ساتھ
ہی اس گروہ اشقیا میں سے دفعۃً ایک متلاشی حق نکل آیا، یہ حر تھے، عین اسوقت جب کہ طبل
جنگ پر چوب پڑنے کو تھی حر کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کا پردہ ہٹ گیا اور حق کا جلوہ نظر
آنے لگا، چنانچہ وہ کوفی فوج کا ساتھ چھوڑ کر حضرت حسینؓ کی فوج میں چلے آئے اور عرض کیا
کہ میری جانب سے جو کچھ گستاخیاں اور بے عنوانیاں ہو چکیں وہ ہو چکیں اب اپنی جان
غمگساری کے لئے حاضر کرتا ہوں، امید ہے کہ ابھی در توبہ باز ہوگا حضرت حسینؓ نے فرمایا
تمھاری توبہ قبول ہوگی، تم کو بشارت ہو، کہ تم دنیا اور آخرت دونوں میں "حر" آزاد ہو[۱]

---

[۱] طبری ج ۷، ص ۳۲۹ تا ۳۳۰ و ابن اثیر ج ۴ ص ۵۳ و ۵۴،

حر کی تقریر | حسینی فوج میں شامل ہونے کے بعد حر نے کوفیوں سے کہا "لوگو! حسین نے جو تین شرطین تمھارے سامنے پیش کی ہیں، ان میں سے کوئی صورت کیوں نہیں منظور کر لیتے تاکہ خدا تم کو ان کے ساتھ لڑنے سے بچا لے" ابن سعد بولا میں دل سے یہ چاہتا ہوں، لیکن افسوس اس کی کوئی سبیل نہیں نکلتی، حر نے پھر کہا اے اہل کوفہ پہلے تم نے حسینؓ کو بلایا، جب وہ آگئے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور یہ خیال کرتے رہے کہ ان کی حمایت میں لڑوگے، پھر ان کے مخالف ہوگئے، اور اب ان کے قتل کے درپے ہو، انھیں ہر طرف سے گھیر لیا ہے، اور خدا کی وسیع زمین میں کسی طرف ان کو جانے نہیں دیتے کہ وہ اور ان کے اہل بیت کسی پر امن مقام پر چلے جائیں، اس وقت ان کی حالت بالکل قیدی کی ہو رہی ہے، کہ وہ اپنی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان سے بچا سکتا ہے، تم نے ان پر فرات کا پانی بند کر دیا ہے، جس پانی کو یہودی نصرانی مجوسی سب پیتے ہیں، اور دیہات کے سور اور کتے تک اس میں لوٹتے ہیں، اس کے لئے حسینؓ اور ان کے اہل و عیال تشنہ لب تڑپتے ہیں، تم نے محمد صلعم کے بعد ان کی اولاد کا کیا خوب لحاظ کیا؟ اگر تم توبہ کر کے اپنی روش نہیں چھوڑوگے تو خدا تمھیں قیامت کے دن پیاسا تڑپائے گا"

جنگ کا آغاز | حر کی اس تقریر پر ابن سعد علم لیکر بڑھا، اور پہلا تیر چلا کر اعلان جنگ کر دیا، اس اعلان پر دونوں طرف سے آدمی نکل نکل کے داد شجاعت دینے لگے، شامیوں کی فوج سے یسار اور سالم دو شخص نکلے، ادھر سے تنہا عبد اللہ بن عمیر ان کے جواب میں آئے اور ایک ہی وار میں یسار کو ڈھیر کر دیا، پاس ہی سالم تھا، اس نے جھپٹ کر عبد اللہ پر وار کیا، عبد اللہ نے ہاتھوں پر روکا، انگلیاں اڑ گئیں، لیکن انھیں کٹی انگلیوں سے سالم کو مار گرایا، عبد اللہ کی بیوی بھی ساتھ تھیں، انھوں نے شوہر کو لڑتے دیکھا تو خود بھی

ہاتھ مین خیمہ کی ایک چوب لیکر یہ کہتی ہوئی آگے بڑھین کہ میرے ماں باپ تم پر سے فدا ہون
آل محمد صلعم کی طرف سے لڑتے رہو، عبداللہ نے انھین عورتون کے خیمون مین لوٹانا چاہا
لیکن انھون نے انکار کیا اور کہا کہ مین تمھارا ساتھ نہ چھوڑونگی تمھارے ساتھ جان دونگی
حضرت حسینؓ نے ان کی ضد دیکھی تو آواز دی کہ خدا تم کو اہل بیت کی جانب سے جزائے خیر
دے، تم لوٹ جاؤ، عورتون پر جہاد فرض نہین ہے، آپ کے ارشاد پر وہ لوٹ گئین،

اس کے بعد عمرو بن حجاج شامی لشکر کے میمنہ کو لے کر حضرت حسینؓ کی طرف بڑھا، جب
آپ کے قریب پہنچا تو فدائیان حسینؓ پاؤن ٹیک کر سینہ سپر ہو گئے، اور نیزون کے وار سے
شامی سوارون کے گھوڑون کے منہ پھیر دیئے، پھر شامی جماعت سے ابن حوزہ نامی ایک
شخص نکل کر بآواز بلند پکارا حسین ہین؟ کسی نے اس کا جواب نہ دیا، دوسری مرتبہ پھر
اس نے سوال کیا، تیسری مرتبہ سوال کرنے پر لوگون نے کہا ہین، تمھارا کیا مقصد ہے؟
اس نے کہا حسینؓ تم کو دوزخ کی بشارت ہو، حضرت حسینؓ نے جواب مین فرمایا "تو جھوٹا
ہے، مین دوزخ مین نہین بلکہ رب رحیم شفیع اور مطاع کے حضور مین جاؤنگا،، تیرا نام
کیا ہے، جواب دیا ابن حوزہ فرمایا خدایا اس کو آگ مین داخل کر، اتفاق سے اسی دوران
مین ابن حوزہ کا گھوڑا بدک کر ایک نہر مین پھاند پڑا، اور ابن حوزہ کا پاؤن رکاب مین
اٹک گیا، اسی حالت مین پھر دوسری مرتبہ بدک کر بھاگا اور ابن حوزہ پیٹھ سے گر کر لٹک
گیا، گھوڑا سرپٹ بھاگا اور ابن حوزہ پتھرون کی ٹھوکرون سے چور چور ہو کر مر گیا، اس کے
بعد شامی فوج سے یزید بن معقل نکلا، اور حسینی لشکر سے بریر بن حضیر ان کے مقابل ہوئے
زبانی مباحثہ کے بعد دونون نے تلوارین نکال لین، یزید بن معقل نے بریر پر وار کیا بریر
نے وار خالی دیا، اور جواب مین ایسی کاری تلوار ماری کہ یزید کی خود کاٹتی ہوئی دماغ

تک پہنچ گئی، اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا، یزید کو تڑپتا دیکھکر شامی فوج کے ایک سپاہی رضی بن منقذ نے بریر پر حملہ کیا، دونون مین کشتی ہونے لگی، بریر اسکو چت کرکے سینہ پر بیٹھ گئے رضی کو چت دیکھکر کعب بن جابر ازدی شامی نے بریر پر نیزہ سے حملہ کیا نیزہ ان کی پیٹھ مین پیوست ہوگیا، بریر زخمی ہوکر رضی کے سینہ سے اتر پڑے، ان کے اترتے ہی کعب نے تلوار سے زخمی کرکے گرا دیا، اس طرح رضی کی جان بچ گئی، بریر کے بعد عمرو بن قرظہ انصاری بڑھے اور حضرت حسینؓ کے سامنے داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے، عمرو بن قرظہ کا بھائی ابن سعد کے ساتھ تھا، عمرو کو خاک و خون مین غلطان دیکھ کر پکارا، کذاب ابن کذاب حسینؓ تو نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور دھوکہ دیکر قتل کرا دیا، آپ نے جواب دیا، خدا نے تیرے بھائی کو نہین بلکہ تجھکو گمراہ کیا، تیرے بھائی کو اس نے ہدایت دی" یہ جواب سنکر وہ بولا اگر مین تم کو قتل نہ کردون تو خدا مجھے قتل کرے، یہ کہتے ہی حضرت حسینؓ کی طرف جھپٹا، مگر نافع بن ہلال مرادی نے روک کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ چارون شانے چت گرا، مگر اس کے ساتھیون نے بڑھکر بچا لیا، ان کے بعد حر بن یزید نکلے اور حضرت حسینؓ کے سامنے بڑی شجاعت و بہادری سے لڑے، یزید بن سفیان ان کے مقابلہ مین آیا حر نے ایک ہی وار مین اسکا کام تمام کر دیا، حر کے بعد نافع بن ہلال بڑھے، شامیون مین مزاحم بن حریث ان کے مقابل آیا نافع نے اسے بھی اس کے ساتھیون کے پاس پہنچا دیا،

عام جنگ اور مسلم بن عوسجہ کی شہادت

ابھی تک لڑائی کا انداز یہ تھا کہ ایک ایک شخص ایک ایک کے مقابل مین نکلتا تھا، مگر شامی لشکر سے جو نکلا وہ بچ کر نہ گیا، اسلئے عمرو بن حجاج پکارا لوگو! جن لوگون سے تم لڑ رہے ہو یہ سب اپنی جان پر کھیلے ہوے ہین، اسلئے آیندہ کوئی شخص تنہا انکے مقابلہ مین نہ جائے، ان کی تعداد تو اتنی کم ہے کہ اگر تم لوگ ان کو

صرف پتھروں سے مارو تو بھی ان کا کام تمام ہو جائیگا، کوفہ والو طاعت اور جماعت کی پوری پابندی کرو، اس شخص (حسینؓ) کے قتل میں کسی شک و شبہہ اور تذبذب کو راہ نہ دو، جو دین سے بھاگا ہے، اور جس نے امام کی مخالفت کی ہو، عمر بن سعد کو بھی عمرو بن حجاج کی یہ رائے پسند آئی کہ فرداً فرداً مقابلہ روک دیا جائے، چنانچہ اس نے مبارزت سے روکدیا، اور عام جنگ کا آغاز ہو گیا، عمر بن حجاج میمنہ کو لیکر حضرت حسینؓ پر حملہ آور ہوا، تھوڑی دیر تک آپس میں کشمکش جاری رہی، اس معرکہ میں مشہور جان نثار مسلم بن عوسجہ اسدی شہید ہوئے، غبار چھٹا تو لاشہ نظر پڑا، حضرت حسینؓ قریب تشریف لے گئے، کچھ کچھ جان باقی تھی فرمایا مسلم تم پر خدا رحم کرے فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا، حضرت حسینؓ کے بعد حبیب مظہر نے آکر جنت کی بشارت دی، اور کہا اگر مجھکو یہ یقین نہ ہوتا کہ میں عنقریب تمھارے پاس پہنچونگا تو تم سے وصیت کرنے کی درخواست کرتا، اور اسے پوری کرتا، مسلم میں بقدر رمق جان باقی تھی، حضرت حسینؓ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ صرف ان کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے لئے جان دیدینا، یہ وصیت کرکے محبوب آقا کے سامنے جان دیدی[۱] کہ

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے ۔۔۔ کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

مسلم کی موت پر شامی فوج میں بڑی خوشی ہوئی،

دوسرا حملہ اور تیروں کی بارش اس کے بعد دوسرے ریلے میں شمر شامی میسرہ کو لیکر حسینی میسرہ پر حملہ آور ہوا، اس حملہ کے بعد ہی شامی چاروں طرف سے حسینی فوج پر ٹوٹ پڑے، بڑا زبردست مقابلہ ہوا، حسینی فوج کے مشہور بہادر عبد اللہ الکلبی کئی آدمیوں کو قتل کرکے خود شہید ہوئے، اس معرکہ میں حسینی فوج میں کل ۳۲ آدمی تھے، لیکن اس پامردی سے لڑتے تھے کہ جدھر

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۸،

رخ کرتے تھے، شامیون کی صفین الٹ دیتے تھے، اوران کی سوارون کی صفین درہم
ہوجاتی تھین، شامی سوار دستہ کے کماندار عزرہ بن قیس نے اپنے سوارون کی
یہ بے ترتیبی دیکھی، تو ابن سعد کے پاس کہلا بھیجا کہ مٹھی بھر آدمیون نے ہمارے سوار دستہ
کا یہ حال کر دیا ہے، اسلئے فوراً کچھ پیدل اور کچھ تیر انداز بھیجو، ابن سعد نے اسکی درخواست پر
پانسو سوارون کا دستہ بھیجدیا، اس دستہ نے جاتے ہی حسینی لشکر پر تیرون کی بارش شروع
کردی، اور تھوڑی دیر مین ان کے تمام گھوڑے زخمی ہوکر بیکار ہوگئے، پھر بھی ان کے استقلال
مین کمی نہ آئی، سب سوار گھوڑون سے اتر پڑے اور دوپہر تک اس بہادری اور بے جگری
سے لڑتے رہے کہ شامیون کے دانت کھٹے کر دیئے،

اہل بیت کے خیمون کا جلایا جانا

جنگ جسقدر طول کھینچتی جاتی تھی، اسی قدر شامی اسے جلد ختم کرنے
کیلئے آگے بڑھنا چاہتے تھے، لیکن حضرت حسینؓ نے اپنے خیمون کی ترتیب
کچھ اس طرح رکھی تھی، کہ شامی ایک ہی رخ سے حملہ کر سکتے تھے، اس لئے عمر بن سعد نے
حکم دیا کہ خیمے اکھاڑ دیئے جائین تاکہ ہر طرف سے حسینی فوج پر حملہ کیا جا سکے، چنانچہ شامی خیمے
اکھاڑنے کے لئے آگے بڑھے لیکن اس مین بھی یہ دشواری پیش آگئی کہ جب وہ حسینی خیمون
مین گھسنے کا قصد کرتے تھے تو آڑ مین پڑجاتے تھے، اس لئے حسینی سپاہی انھین مار لیتے تھے
ابن سعد نے اس صورت مین بھی ناکامی دیکھی، تو خیمون مین آگ لگوا دی، حضرت حسینؓ نے
دیکھا تو فرمایا یہ بھی اچھا ہوا میدان صاف ہو جائیگا تو یہ لوگ پشت سے حملہ آور نہ ہوسکین گے
حضرت حسینؓ کا یہ خیال بالکل صحیح نکلا، خیمون کے جل جانے سے پشت سے حملہ کا خطرہ جاتا
رہا، شمر اہلبیت کے خیمہ مین نیزہ مار کر بولا کہ اس کو مع آدمیون کے جلا دونگا، عورتون
نے سنا تو چلاتی ہوئی خیمون سے باہر نکل آئین، حضرت حسینؓ نے دیکھا تو شمر کو ڈانٹا

کہ "تو میرے اہل بیت کو آگ میں جلانا چاہتا ہے، خدا تجھکو آتش دوزخ میں جلائے" کچھ اس ڈانٹ کے اثر اور کچھ لوگوں کے غیرت دلانے سے شمر اپنے ارادہ سے باز آکر لوٹ گیا اس کے جاتے ہی زہیر بن قین نے کوفیوں کو اہل بیت کے خیموں سے ہٹا دیا[1]،

جاں بازوں کی شہادت | پچھلے معرکوں میں شمع امامت کے بہت سے پروانے فدا ہو چکے تھے، اب امام کے ساتھ صرف چند جاں نثار باقی رہ گئے تھے، ان کے مقابلہ میں کوفیوں کا ٹڈی دل تھا، اس لئے ان کے قتل ہونے سے ان میں کوئی کمی نظر نہ آتی تھی، لیکن حسینی فوج میں سے ایک آدمی بھی شہید ہو جاتا تھا تو اس میں نمایاں کمی محسوس ہوتی تھی، یہ صورت حال دیکھ کر عمرو بن عبداللہ صاعدی نے امام سے عرض کیا کہ "میری جان آپ پر فدا ہو، اب شامی بہت قریب ہوتے جاتے ہیں، اور کوئی دم میں پہنچا چاہتے ہیں اس لئے چاہتا ہوں کہ پہلے میں جان دے لوں اس کے بعد پھر آپ کو کوئی گزند پہنچے، ابھی میں نے نماز نہیں پڑھی ہے نماز پڑھکر خدا سے ملنا چاہتا ہوں" ان کی اس درخواست پر حضرت حسینؓ نے فرمایا، ان لوگوں سے کہو کہ تھوڑی دیر کے لئے جنگ ملتوی کر دیں، تاکہ ہم لوگ ظہر کی نماز ادا کر لیں، آپ کی زبان سے یہ فرمائش سنکر حصین بن نمیر شامی بولا "تمہاری نماز قبول نہ ہوگی" حبیب بن مظہر نے جواب دیا کہ گدھے! آل رسول کی نماز قبول نہ ہوگی، اور تیری قبول ہوگی" یہ جواب سنکر حصین کو طیش آگیا، اور حبیب پر حملہ کر دیا، حبیب نے اس کے گھوڑے کے منہ پر ایسا ہاتھ مارا، کہ وہ دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا ہو گیا، اور حصین اس کے پیٹھ سے نیچے آگیا، لیکن اس کے ساتھیوں نے بڑھکر بچا لیا، اس کے بعد حبیب اور کوفیوں میں مقابلہ ہونے لگا، کچھ دیر تک حبیب نہایت کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، لیکن تن تنہا کب تک انبوہ کثیر کے مقابل میں ٹھہر سکتے تھے، بالآخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ان کی شہادت

[1] طبری ج ۷، ص ۳۴۹ و ۳۵۰،

سے حضرت حسینؓ کا ایک قوی بازو ٹوٹ گیا، اسلئے آپ بہت شکستہ خاطر ہوئے، مگر کلمۂ صبر کے سوا زبان مبارک سے کچھ نہ نکلا، حر نے آقا کو پرملال دیکھا تو رجز پڑھتے ہوئے بڑھے، اور مشہور جان نثار زہیر بن قین کے ساتھ مل کر بڑی بہادری اور شجاعت سے لڑے، لیکن یہ بھی کب تک لڑتے آخر بین کوفی پیادوں نے ہر طرف سے حر پر ہجوم کر دیا، اور یہ پروانہ بھی شمع امامت پر سے فدا ہو گیا[1]

جان نثاروں کی آخری جماعت کی فداکاری

اب ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا، لیکن کوفی نماز پڑھنے کے لئے بھی دم نہ لینے دیتے تھے، اس لئے امام نے صلوٰۃ خوف پڑھی، اور نماز کے بعد پھر پورے زور کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی اور اس گھمسان کا رن پڑا، کہ کربلا کی زمین تھرا گئی، کوفیوں کا ہجوم بڑھتے بڑھتے حضرت حسینؓ کے پاس پہنچ گیا، تیروں کی بارش پر ٹڈی دل کا گمان ہوتا تھا، مشہور جان باز حنفی امام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے، اور جتنے تیر آئے سب مردانہ وار اپنے سینہ پر روکے لیکن ایک انسان کب تک مسلسل تیرباری کا ہدف بن سکتا تھا، بالآخر یہ بھی امام کی راہ میں سینہ چھلنی کر کے فدا ہو گئے، ان کے بعد زہیر بن قین کی باری آئی، یہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے پیشروؤں سے جا ملے، ان کے بعد نافع بن ہلال بجلی جنھوں نے ۱۲ کوفیوں کو قتل کیا تھا، گرفتار کر کے شہید کئے گئے، اب حسینی لشکر کا بڑا حصہ آقائے نامدار پر سے فدا ہو چکا تھا، صرف چند جان نثار باقی رہ گئے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ شامی فوجوں کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی طاقت باقی نہیں ہے تو یہ طے کر لیا کہ قبل اس کے کہ امام ہمام پر کوئی نازک وقت آئے سب کے سب آپ پر سے فدا ہو جائیں، چنانچہ تمام فدائی اہل بیت ایک ایک کر کے پروانہ وار بڑھنے لگے

[1] طبری ج ۷، ص ۳۴۴ تا ۳۵۰،

اس جماعت میں سب سے اول عبد اللہ اور عبد الرحمن بڑھے، ان کے بعد دو نوجوان سیف بن حارث اور مالک بن عبد نکلے، میدان میں نکلتے وقت دونوں کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں، امام نے انھیں روتا دیکھکر پوچھا روتے کیوں ہو؟ عرض کی اپنی جان کے لئے نہیں روتے، رونا اس پر ہے کہ آپکو چاروں طرف سے اعدا کے نرغہ میں محصور دیکھتے ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے، فرمایا خدا تم دونوں کو متقیوں کی جیسی جزا دے، ان دونوں کے بعد حنظلہ بن اسعد شامی نکلے اور کوفیوں کو سمجھایا کہ وہ حسین کے خون بے گناہی کا وبال اپنے سر نہ لیں، لیکن اب اس قسم کی افہام وتفہیم کا وقت ختم ہو چکا تھا، حضرت حسین نے فرمایا کہ اب انھیں سمجھانا بے کار ہے، آپ کے اس ارشاد پر حنظلہ آپ اور آپ کے اہل بیت پر صلوۃ وسلام بھیجکر رخصت ہوئے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے، ان کے بعد سیف اور مالک دونوں نوجوانوں نے جانیں فدا کیں، انکے بعد عابس بن ابی شبیب اور شوذب بڑھے، شوذب شہید ہوئے، لیکن عابس بہت مشہور بہادر تھے، ان کے مقابلہ میں کسی شامی کو آنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، اس لئے ہر طرف سے ان پر سنگباری شروع کر دی، عابس نے ان کی یہ بزدلی دیکھی تو اپنی زرہ اور خود اتار کر پھینک دی اور حملہ کر کے بے محابا دشمن کی صفوں میں گھستے ہوئے چلے گئے اور انھیں درہم برہم کر دیا، عابس گو لاکھ بہادر وشجاع تھے لیکن وہ بھی تن تنہا ہزاروں کا کس طرح مقابلہ کر سکتے تھے، شامیوں نے انھی بھی گھیر کر شہید کر دیا، اسی طریقہ سے عمرو بن خالد، جبار بن حارث، سعد، مجمع بن عبید اللہ سب جان نثار ایک ایک کر کے فدا ہو گئے، اور تنہا سوید بن ابی المطاع باقی رہ گئے۔[1]

علی اکبر کی شہادت جب سارے فدائیان اہل بیت ایک ایک کر کے جام شہادت پی چکے

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۱ و ۷۲ و ۶۹

اور اپنے گھر والون کے علاوہ اور کوئی جان نثار باقی نہ رہا، تو اہلِ بیت کرام کی باری آئی، اور [illegible] اول ریاضِ امامت کے گل تر خاندانِ نبوی کے تابندہ اختر علیؓ اکبر میدان مین آئے اور تلوار چمکاتے اور یہ رجز،

انا علی بن حسین بن علی ورب البیت اولی با لنبی

مین حسینؓ ابن علیؓ کا بیٹا علی ہون، خانہ کعبہ کے رب کی قسم ہم نبی کے قرب کے زیادہ حقدار ہین

تا للہ لایحکم فینا ابن الدعی

خدا کی قسم نامعلوم باپ کا بیٹا ہم پر حکومت نہین کریگا۔

پڑھتے ہوئے بڑھے آپ رجز پڑھ پڑھ کر حملہ کرتے تھے، اور بجلی کی طرح کوند کر نکل جاتے تھے، مرۃ بن منقذ تمیمی آپ کی یہ برق رفتاری دیکھکر بولا، اگر علیؓ اکبر میری طرف سے گذرین تو حسینؓ کو بے لڑکے کا بنا دون، اسد اللہ الغالب کے پوتے مین یہ تاب کہان تھی کہ وہ حریف کی زبان سے یہ چھیڑ کا کلمہ سنتا اور اس کی طرف نہ جھپٹتا، چنانچہ اس مرتبہ آپ سیدھے مرۃ بن منقذ کی طرف بڑھے، لیکن ابھی کم سن تھے جنگ وجدال کا تجربہ نہ تھا، سیدھے مرہ کی طرف رخ کر دیا، مرہ ایک جہاندیدہ اور آزمودہ کار تھا، جیسے علیؓ اکبر اس کے پاس پہنچے اس نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ جسم اطہر مین پیوست ہو گیا، نیزہ لگتے ہی شامی ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور اس گلبدن کے جسم کو جس نے پھولون کی سیج پر پرورش پائی تھی ٹکڑے اڑا دیئے، درحقیقت یہ علیؓ اکبر کے ٹکڑے نہ تھے بلکہ حسینؓ کا دل وجگر تھا جس کے ٹکڑے اڑ گئے، ان کی جان نثار پھوپھی جنھون نے بڑے ناز ونعمت سے انھین پالا تھا خیمہ کے روزن سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھین، چاہیتے بھتیجے کو خاک وخون مین تڑپتا دیکھکر بے تاب ہو گئین، یارائے ضبط باقی نہ رہا، اور یا ابن اخاہ کہتی ہوئی خیمہ سے باہر نکل آئین اور بھتیجے کی لاش کے

ٹکڑون پر گر پڑین ستم رسیدہ بھائی حسینؑ نے دکھیاری بہن کا یہ حال دیکھا تو ہاتھ پکڑکے خیمہ کے
اندر کیا، کہ ابھی وہ زندہ تھے اور مخدرات عصمت مآب پر غیر محرمون کی نظر پڑنے کا وقت
نہین آیا تھا، بہن کو خیمے مین پہنچانے کے بعد علی اکبرؑ کی لاش اور اپنے قلب و جگر کے ٹکڑون
کو بھائیون کی مدد سے اٹھوا کر لائے اور خیمہ کے سامنے لٹایا۔[1]

یہ بھی عجیب بے کسی کا عالم تھا، تمام اعزا و اقربہ شہید ہو چکے ہین، ایک طرف جان نثارون
کی تڑپتی ہوئی لاشین ہین، دوسری طرف جوان مرگ بیٹے علی اکبرؑ کا پاش پاش بدن ہے
تیسری طرف زینب خستہ حال پر غش طاری ہے، اس بے کسی کے عالم مین کبھی علی اکبرؑ کی
لاش کو دیکھتے ہین، اور کبھی آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہین، کہ آج تیرے ایک وفادار بندہ
نے تیری راہ مین سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنت ابراہیمی پوری کی ہے، تو اسے قبول
فرما، درحقیقت اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہین جنھین ایسے دلدوز واقعات پیش آ چکے
ہون کہ جوانمرگ بیٹے کی ٹکڑے ٹکڑے لاش سامنے ہو، اور تجہیز و تکفین کی بھی فرصت
نہین، اس خستہ حال باپ کے دل پر کیا قیامت گذر گئی ہوگی، لیکن اس وقت بھی
زبان پر صبر و شکر کے علاوہ حرف شکایت نہین آتا کہ

من ازین درد گرانمایہ چہ لذت یابم ۔۔۔ کہ بہ اندازہ آن صبر و ثباتم دادند

خاندان بنی ہاشم کے نونہالون کی شہادت

حضرت علی اکبر کی شہادت کے بعد مسلم بن عقیل کے صاحبزادے
عبداللہ میدان مین آئے ان کے نکلتے ہی عمرو بن صبیح صیداوی
نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ یہ تیر تیر قضا بن گیا، ان کے بعد جعفر طیار کے پوتے عدی نکلے
انھون نے بھی عمرو بن نہشل کے ہاتھون جام شہادت پیا، پھر عقیل کے صاحبزادے

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۵۷،

عبد الرحمٰن میدان مین آئے ان کو عبد اللہ بن عروہ نے تیر کا نشانہ بنایا، بھائی کو نیم بسمل دیکھ کر عبد اللہ بن عقیل بے تحاشا نکل پڑے لیکن لقیط بن ناشر نے ایک ہی تیر مین انکا بھی کام تمام کر دیا، ان کے بعد حضرت حسنؓ کے صاحبزادے قاسم میدان مین آئے، یہ بھی عمر بن سعد بن مقبل کے ہاتھون شہید ہوئے، قاسم کے بعد ان کے دوسرے بھائی ابوبکر نے عبد اللہ بن عقبہ کے ہاتھون جام شہادت پیا، امام کے سوتیلے بھائی حضرت عباسؓ نے جب دیکھا کہ جو نکلتا ہی، وہ سیدھا حوض کوثر پہ پہنچتا ہی، اور عنقریب برادر بزرگ تن تنہا ہونے والے ہین، تو بھائیون سے کہا کہ آقا کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ، اور ان پر اپنی جانین فدا کر دو، اس آواز پر تینون بھائی، عبد اللہؓ، جعفرؓ اور عثمانؓ حضرت حسینؓ کیسامنے دیوار آہن بن کر جم گئے اور تیرون کی بارش کو اپنے سینون پر روکنے لگے، تیرون کے زخم سے بدن خون کا فوارہ ہو رہا تھا، لیکن ان کی جبین شجاعت پر شکن تک نہ آئی تھی آخرین ہانی بن ثویب نے عبد اللہ اور جعفر کو شہید کر کے اس دیوار آہن کو بھی توڑ دیا، اور تیسرے بھائی عثمان کو یزید اصبحی نے تیر کا نشانہ بنایا، تینون بھائیون کے بعد اب صرف تنہا عباسؓ باقی رہ گئے تھے، یہ بڑھکر حضرت حسینؓ کے سامنے آگئے، اور چارون طرف سے آپ کو بچانے لگے، اور اسی ناموس اکبر کی حفاظت مین جان دی[1]، عباسؓ کے بعد اہل بیت مین خود امام ہمام اور عابد بیمار کے علاوہ کوئی باقی نہ رہگیا۔

| فاعتبروا یا اولی الابصار | اللہ اللہ یہ بھی نیرنگی دہر اور انقلاب زمانہ کا کیسا عجیب اور کیسا عبرتناک |

منظر ہے، کہ جس کے نانا کے گھر کی پاسبانی ملائکہ کرتے تھے، آج اس کا نواسہ بے برگ و نوا بے یار و مددگار کربلا کے دشت غربت مین کھڑا ہے اور روے زمین پر خدا کے علاوہ اس کا کوئی حامی و مددگار نہین، غزوۂ بدر مین جس کے نانا کی حفاظت کیلئے آسمان سے فرشتے اترے تھے، آج

---

[1] اخبار الطوال ص ٢٦٠،

اس کے نواسہ کو ایک انسان بھی محافظ نہیں ملتا، ایک وہ وقت تھا تو ہاتھ پکڑ کے خیمے کے
دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تھے، دشمنان اسلام کی ساری
پاش پاش ہو چکی تھیں، رحمت عالم کے دامن عفو و کرم کے علاوہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ
باقی نہ رہ گئی تھی، اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ابو سفیان جنھوں نے آنحضرت صلعم
اور مسلمانوں کے ساتھ بغض و عداوت اور دشمنی و کینہ توزی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا،
بے بس و لاچار دربار رسالت میں حاضر کئے گئے تھے، ایک طرف ان کے جرائم کی طویل فہرست
تھی، دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی شان رحمت و کرم تاریخ کو معلوم ہے کہ سرکار رسالت
سے اس سنگین اور اشتہاری مجرم کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تھا قتل کی دفعہ عائد نہیں کی گئی
جلاوطنی کی سزا تجویز نہیں ہوئی، قید خانہ کی چار دیواری میں بند نہیں کیا گیا، بلکہ من
دخل دار ابی سفیان فھو امن جو شخص ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے، اس کا جان و
مال محفوظ ہے، کے اعلان کرم سے نہ صرف تنہا ابو سفیان کی جان بخشی فرمائی گئی، بلکہ انکے
گھر کو جس میں بارہا مسلمانوں کے خلاف سازشیں ہو چکی تھیں آنحضرت صلعم کے قتل کے
مشورے ہو چکے تھے، دار الامن بنا کر وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کی عملی تفسیر فرمائی گئی
ایک طرف یہ رحمت، یہ عفو و کرم اور یہ درگذر تھا، دوسری طرف ٹھیک باون برس کے
بعد زمانہ کا رخ بدلتا ہے، اور ایک دوسرا منظر پیش کرتا ہے، ایک طرف انھیں ابو سفیان کے پوتے
(عبید اللہ بن زیاد) کی طاغوتی طاقتیں ہیں، اور دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی ستم رسیدہ
اولاد ہے، نبوت کا سارا کنبہ ابو سفیان کی ذریات کے ہاتھوں تہ تیغ ہو چکا ہے، کربلا کا
میدان اہل بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے جگر گوشۂ رسول کی آنکھوں کے سامنے گھر
بھر کی لاشیں تڑپ رہی ہیں، اعزہ کے قتل پر آنکھیں خون بار ہیں، بھائیوں کی شہادت

بدر سینہ وقفِ ماتم ہے، جوان مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت پر دل فگار ہے، لیکن اس حالت میں بھی وحوش و طیور تک کے لئے امان ہے لیکن جگر گوشۂ رسولؐ کے لئے امان نہیں اور آج وہی تلواریں جو فتح مکہ میں مفتوحانہ ٹوٹ چکی تھیں، دشت کربلا میں نوجوانان اہل بیت کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئیں اور حسینؓ کے خون کی پیاس میں زبان چاٹتی ہیں، لیکن پیکرِ صبر و قرار حسینؓ اس حالت میں بھی راضی برضا ہیں، اور اس بے کسی میں بھی جادۂ مستقیم سے پاؤں نہیں ڈگمگاتے،

سنا ہو گا کہ جب رسول اللہ صلعم نے شروع شروع میں اسلام کی دعوت شروع کی تو کفارِ مکہ آپ کے چچا ابوطالب کے پاس جو آپ کے کفیل تھے آئے، اور کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لئے یا تم بیچ سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، اس پر ابوطالب نے آنحضرت صلعم کو سمجھایا کہ جانِ عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں آنحضرت صلعم کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے، ابوطالب تھے، آنحضرت صلعم نے ان کے پائے ثبات میں لغزش دیکھی، تو آبدیدہ ہو کر فرمایا،" خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے ہاتھ میں ماہتاب لا کر رکھدیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا، یا خدا اس کام کو پورا کریگا، یا میں خود اس پر سے نثار ہو جاؤنگا،[1]

اس جواب کے بعد آنحضرت صلعم پھر بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف ہو گئے، اور قریش نے اس کے جواب میں آپ کو سخت سے سخت اذیتیں پہنچانا شروع کیں لیکن اس راہ کے کانٹے آپ کے لئے پھول تھے، اس لئے یہ تکلیفیں بھی آپ کو دعوتِ اسلام سے

[1] ابن ہشام ج اول ص ۱۳۹

نہ روک سکین قریش نے اپنی محدود نظر کے مطابق قیاس کیا تھا کہ محمدؐ کو نام و نمود اور جاہ و حشم کی خواہش ہے، چنانچہ ان کا ایک نمایندہ عتبہ بن ربیعہ ان کی طرف سے آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہا محمدؐ کیا چاہتے ہو، کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے مین شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ تمھارے لئے مہیا کرسکتے ہین، اور اس پر بھی راضی ہین کہ مکہ تمھارے زیر فرمان ہوجائے لیکن تم ان باتون سے باز آجاؤ، لیکن ان سب ترغیبات کے جواب مین آپ نے یہ آیہ تلاوت فرمائی[1]۔

قل ائنکم لتکفرون بالذی	اے محمدؐ ان لوگون سے کہدو کہ تم لوگ
خلق الارض فی	خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن مین
یومین وتجعلون لہ اندادا	زمین پیدا کی اور اس کا مقابل ٹھہراتے
ذالک رب العلمین (حم سجدہ)	ہو، یہ خدا سارے جہان کا پروردگار ہے

آج بارہ سو برس کے بعد حضرت حسینؓ پھر اسی اسوۂ نبویؐ کو زندہ کرتے ہین اور امت مسلمہ کو حق و صداقت، عزم و استقلال اور ایثار و قربانی کا سبق دیتے ہین، اور نا انصاف، حدود اللہ اور سنت رسول کو پامال کرنے والی، خلق خدا کو اپنی ظالمانہ حکومت کا نشانہ بنانے والی اور محرمات الٰہی کو روا کرنے والی حکومت کے خلاف آواز بلند کرتے ہین، اور بہ بانگ دہل اعلان فرماتے ہین کہ "لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الٰہی کو حلال کرنے والے، خدا کے عہد کو توڑنے والے، سنت رسول صلعم کی مخالفت کرنے والے، خدا کے بندون پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس کو بدلنے کی کوشش نہ کی، تو خدا کو حق ہے کہ اس شخص کو اس ظالم بادشاہ کی جگہ

[1] بعض روایتون مین اور کی آیات ہین اور بعض مین حم کی ابتدائی آیات ہین،

دوزخ مین داخل کردے، آگاہ ہو جاؤ ان لوگون نے شیطان کی حکومت قبول کی ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہے، ملک مین فساد پھیلایا ہے، حدود اللہ کو بے کار کر دیا ہے، مال غنیمت مین اپنا حصہ زیادہ لیتے ہین، خدا کی حرام کی ہوئی چیزون کو حلال کر دیا ہے، اور حلال کی ہوئی چیزون کو حرام کر دیا ہے، اس لئے مجھے اس کے بدلنے کا حق ہے[1]،

آج بھی حق و صداقت کی اس آواز کو خاموش کرنے کے لئے ترغیب دلائی جاتی ہے کہ حسینؑ تم اپنے بنی عم (یزید) کی اطاعت قبول کر لو، جو کچھ تم چاہتے ہو اس کو وہ پورا کرینگے اور ان کی جانب سے تمھارے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہ ہوگا، لیکن حضرت حسینؑ جواب دیتے ہین کہ خدا کی قسم مین ذلیل آدمی کی طرح ان کے ہاتھ مین ہاتھ دیکر غلام کی طرح اقرار نہ کرونگا یہ جواب دیکر یہ آیت تلاوت فرماتے ہین[2]۔

انی عذت بربی و ربکم	مین نے اپنے اور تمھارے رب سے پناہ
ان ترجمون اعوذ بربی	مانگی ہے کہ تم مجھے سنگسار کرو مین اپنے
و ربکم من کل متکبر لا یؤمن	اور تمھارے رب سے ہر مغرور و متکبر سے
بیوم الحساب ،	جو یوم آخرت پر ایمان نہین رکھتا پناہ مانگتا ہون ،

کہ آنحضرت صلعم کے ارشاد ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ و اھل بیتی کا یہی مقصد تھا،

آفتاب امامت کی شہادت

ناظرین کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمام نوجوانان اہل بیت شہید ہو چکے ہین، اور اب اس خانوادۂ نبوت مین سوائے عابد بیمار اور امام خستہ تن کے کوئی باقی نہین ہے،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰، [2] طبری ج ۷ ص ۳۳۰،

لیکن سنگدل شامی اس نوبت کے بعد بھی امام ہمام کو چھوڑنے والے نہ تھے، چنانچہ بالآخر وہ قیامت خیز ساعت بھی آگئی کہ فلک امامت کا آفتاب عالمتاب میدان جنگ کے افق پر غروب ہوا، یعنی حضرت حسینؑ شامی فوج کیطرف بڑھے ابن زیاد کے حکم کے مطابق ساتوین محرم سے حسینی لشکر پر پانی بند کردیا گیا تھا اور فرات پر سخت پہرا تھا جب تک عباس علمدار زندہ تھے جان پر کھیل کر پانی لے آتے تھے، لیکن ان کے بعد ساقی کوثر کے نواسہ کو کوئی پانی دینے والا بھی باقی نہ تھا اہل بیت کے خیمون مین جو پانی تھا وہ ختم ہوچکا تھا، اور امام کے لب خشک تھے حلق سوکھ رہی تھی، اعزہ کے قتل سے دل فگار ہورہا تھا، جی چھوٹ چکا تھا، اس لئے کوفیون کے لئے آپ کا کام تمام کردینا آسان تھا، لیکن وہ لاکھ سنگدل اور جفا پیشہ سہی، پھر بھی مسلمان تھے، اس لئے جگر گوشۂ رسول کے خون کا بار عظیم اپنے سر نہ لینا چاہتے تھے، ہمت کرکے بڑھتے تھے، لیکن جرأت نہ پڑتی تھی، ضمیر ملامت کرتا تھا، اور پلٹ جاتے تھے[1] حضرت حسینؑ کی پیاس لحظہ بہ لحظہ زیادہ بڑھتی جاتی تھی، آخر مین آپ نے رہوار کو فرات کی طرف موڑا کہ ذرا حلق کو تر کرکے تالو کے کانٹون کو دور کرین، لیکن کوفیون نے نہ جانے دیا، یہ وہی تشنہ لب ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلعم چند آدمیون کے ساتھ کہین تشریف لئے جاتے تھے، کہ حسنینؓ کے رونے کی آواز کانون مین آئی، جلدی سے گھر گئے، اور پوچھا میرے بیٹے کیون رو رہے ہین، فاطمہؓ نے کہا پیاسے ہین، اتفاق سے اس وقت پانی نہ تھا، لوگون سے پوچھا لیکن کسی کے پاس نہ نکلا تو آپ نے یکے بادیگرے دونون کو اپنی زبان مبارک چُسا کر انکی تشنگی فرو کی،[2]

یہ اسی رحمت عالم کا تشنہ لب نواسہ ہے، کہ جب مکہ مین خشک سالی ہوتی تھی،

---

[1] طبری ج ۶، ص ۳۴۶ و ۳۴۷ [2] مستدرک حاکم فضائل حسن،

فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں، سبزہ سوکھ جاتا تھا، اور خلق اللہ بھوکون مرنے لگتی تھی تو رسول اللہ [illegible] نام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان آتے تھے اور کہتے تھے محمد صلعم، تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو، تمھاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جارہی ہے، خدا سے پانی کی دعا کرو، آنحضرت صلعم اپنے اس سب سے بڑے دشمن کی درخواست پر پانی کے لئے دعا فرماتے تھے، دفعۃً ابر اٹھتا تھا، اور سات دن تک مسلسل اس شدت کی بارش ہوتی تھی، کہ جل تھل ہو جاتا تھا[۱]،

ٹھیک باون برس کے بعد اسی رحمۃ عالم اور دوست و دشمن کے سیراب کرنے والے کا نواسہ ایک قطرہ پانی کے لئے ترستا ہے، اور انھیں ابوسفیان کی ذریات کے حکم سے پانی کی ایک بوند اس کی خشک حلق تک نہیں پہنچنے پاتی ہے آہ صاحب انا اعطینٰک الکوثر کا نواسہ اور یون تشنہ کام ہو، ع

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو!

آخر جب پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی تو پھر ایک مرتبہ نرغۂ اعدا سے فرات کی طرف بڑھے اور ساحل تک پہنچ گئے، پانی لیکر پینا چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے ایسا تیر مارا کہ دہن مبارک سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، آپ نے چلو میں خون لیکر آسمان کی طرف اچھالا کہ اے بے نیاز یہ لالہ گون منظر تو بھی دیکھ لے کہ

بجرم عشق توام میکشند غوغائیست تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

چلو سے خون کی نذر پیش کرکے فرمایا کہ خدایا جو کچھ تیرے نبی کے نواسہ کے ساتھ کیا جارہا ہے اس کا شکوہ تجھی سے کرتا ہون کہ مبادا ع

---

[۱] بخاری ج اول ابواب الاستسقا ص ۱۳۶،

خونِ من ریزی و گویند سزاوار نبود،

جس قدر امام نڈھال ہوتے جاتے تھے شامیون کی جسارت زیادہ بڑھتی جاتی
چنانچہ جب انھون نے دیکھا کہ امام مین تاب مقاومت باقی نہین ہے تو اہل بیت کے خیمون
کی طرف بڑھے، اور حضرت حسینؓ کو ادھر جانے سے روک دیا، آپ نے فرمایا کیا تمھارا
کوئی دین و ایمان نہین ہے؟ تمھارے دلون سے قیامت کا خوف بالکل ہی جاتا رہا؟ ان
سرکشون اور جاہلون کو میرے اہل بیت کی طرف جانے سے روکو، لیکن امام مظلوم کی
فریاد کوئی نہ سنتا تھا بلکہ آپ کی فریاد پر ان کی شقاوت اور بڑھتی جاتی تھی، اور شمر لوگون کو
برابر ابھار رہا تھا، اس کے ابھارنے پر یہ شوریدہ بخت ہر طرف سے ٹوٹنے لگے، لیکن شمشیر حسینی
ان بادلون کو ہوا کی طرح اڑا دیتی تھی، مگر ایک خستہ دل خستہ جگر اور زخمون سے چور ہی
مین سکت ہی کیا باقی تھی، یہ بھی حسین ہی کا دل تھا کہ اب تک دشمنون کے بے پناہ
ریلے کو روکے ہوئے تھے لیکن تابکے بالآخر وہ وقت آگیا کہ ماہ خلافت کو شامیون نے
نرغہ کے تاریک بادلون مین گھیر لیا، امام کو محصور دیکھکر اہل بیت کے خیمے سے ایک بچہ
دوڑتا ہوا نکل آیا اور بحر بن کعب جو حضرت حسینؓ کی طرف بڑھ رہا تھا، معصومانہ انداز سے
کہا خبیث عورت کے بچے میرے چچا کو قتل کریگا! ہاشمی بچہ کی اس ڈانٹ پر اس بزدل نے
بچہ پر تلوار کا وار کیا، بچہ نے ہاتھ پر روکا، نازک نازک ہاتھ دیو ہیکل کا وار کس طرح روکتے
ہاتھ جھول گیا حضرت حسینؓ نے بچہ کو نیم بسمل دیکھکر سینہ سے چمٹا لیا اور کہا بیٹا صبر کرو
عنقریب خدا تم کو تمھارے اجداد سے ملا دیگا، رسول اللہؐ، علیؓ، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسنؓ کے پاس
پہنچ جاؤگے[1]، بچہ کو تسلی دیکر ابن اسد اللہ الغالب پھر حملہ آور ہوئے، اور جدھر رخ کردیا

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۶،

دشمنوں کی صفیں درہم برہم کر دیں[1]،

میدانِ کربلا میں قیامت بپا تھی، ہر طرف تلواروں کی چمک سے بجلی تڑپ رہی تھی کہ دفعۃً مالک بن نسیر کندی نے دوشِ نبوی کے شہسوار پر ایسا وار کیا کہ تلوار کلاہِ مبارک کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر تک پہنچ گئی، خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، اور سارا بدن خون کے چھینٹوں سے لالۂ احمر ہو گیا، پیراہن مبارک کی رنگینی پکار اٹھی، ؎

حُلّہ ہا سوختہ اند اہلِ بہشت از غیرت   تا شہیدانِ تو گلگون کفنے ساختہ اند

لیکن اس وقت بھی امام ہمام کے صبر و سکون میں فرق نہ آیا، دوسری ٹوپی منگا کر زخمی فرقِ مبارک پر رکھی اور اس پر سے عمامہ باندھا، اور شیر خوار بچے کو بلا کر گود میں لیا کہ اس کے بعد پدری شفقت کا سایہ سر سے اٹھنے والا تھا، کسی سنگدل نے ایسا تیر مارا کہ بچہ گود میں تڑپ کے رہ گیا[2]،

جان نثار بہن یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر خیمہ سے نکل آئیں اور چلاتی ہوئی دوڑیں کہ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑتا، ابن سعد حضرت حسینؓ کے پاس کھڑا ہوا تھا، اس سے کہنے لگیں عمر! کیا قیامت ہے، ابو عبد اللہ قتل کئے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو! گو ابن سعد کی آنکھوں میں جاہ و حشمت کی طمع نے پردے ڈال دیئے تھے، پھر بھی عزیز تھا، خون میں محبت تھی، زینبؓ کی فریاد سنکر بے اختیار رو دیا، اور اتنا رویا کہ رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑی رواں ہو گئی، اور فرطِ خجالت سے زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا[3]،

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۴۶ [2] اخبار الطوال ص ۲۷۹، یہ اخبار الطوال کا بیان ہے یعقوبی کا بیان ہے کہ میدان کربلا میں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، اذان کے لئے امام کے پاس لایا گیا، کسی نے امام پر تیر چلایا اتفاق سے وہ آپ کے بجائے بچہ کے حلق میں آکر لگا اور اس معصوم نے دنیا میں آنکھ کھولتے ہی بند کر لی، یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۰ [3] طبری ج ۷، ص ۳۶۵

امام ہمام لڑتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے "آج تم لوگ میرے قتل کے لئے جمع ہوئے ہو، خدا کی قسم میرے بعد کسی ایسے شخص کو قتل نہ کروگے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضی کا موجب ہوگا، خدا تم کو ذلیل کرکے مجھے اعزاز بخشے گا، اور تم سے اس طرح بدلہ لے گا، کہ تمھیں خبر تک نہ ہوگی، خدا کی قسم اگر تم نے مجھے قتل کردیا، تو خدا تم پر سخت عذاب نازل فرمائیگا، اور تم میں باہم خون ریزی کرائیگا، اور جب تک تم پر دونا عذاب نہ کرلے گا اس وقت تک راضی نہ ہوگا،،[1]

حضرت حسینؓ کی حالت لحہ بہ لحہ غیر ہوتی جاتی تھی، زخموں سے سارا بدن چور ہوچکا تھا لیکن کسی کو شہید کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، اور سب اس جبل معصیت کو ایک دوسرے پر ٹال رہے تھے، شمر یہ تذبذب دیکھکر پکارا "تمھارا برا ہو، تمھاری مائین لڑکون کو روئین، دیکھتے کیا ہو؟ بڑھکر حسینؓ کو قتل کردو" اس للکار پر شامی چارون طرف سے امام ہمام پر ٹوٹ پڑے ایک شخص نے تیر مارا، تیر گردن مین آکر بیٹھ گیا، امام نے اسکو ہاتھون سے نکال کے الگ کیا[2]، ابھی آپ نے تیر نکالا تھا کہ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائین ہاتھ پر تلوار ماری، پھر گردن پر وار کیا، ان پیہم زخمون نے امام کو بالکل نڈھال کردیا، اعضا جواب دے گئے، اور کھڑے ہونے کی طاقت باقی نہ رہی، آپ اٹھتے تھے اور سکت نہ پاکر گر پڑتے تھے، عین اسی حالت مین سنان بن انس نے کھینچ کر ایسا کاری نیزہ مارا کہ فلک امامت زمین بوس ہوگیا، سنگدل اور شقی ازلی خولی بن یزید سر کاٹنے کے لئے بڑھا لیکن ہاتھ کانپ گئے، تھرا کر پیچھے ہٹ گیا اور سنان بن انس نے اس سر کو جو بوسہ گاہ سرور کائنات تھا جسم اطہر سے جدا کرلیا[3]، اور ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ مطابق ستمبر سنہ ۶۸۰ء مین خانوادۂ نبوی کا آفتاب ہدایت ہمیشہ کیلئے روپوش ہوگیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۷، [2] اخبار الطوال ص ۲۶۹، [3] طبری و اخبار الطوال حوالۂ مذکورہ

اس شقاوت وسنگدلی پر زمین کانپ اٹھی، عرشِ الٰہی تھرا گیا، ہوا خاموش ہو گئی، پانی کی روانی رک گئی، آسمان خون رویا، زمین سے خون کے چشمے پھوٹے، شجر و حجر سے نالۂ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں جن وانس نے سینہ کوبی کی، ملائکۂ آسمانی مین صفِ ماتم بچھی، کہ آج ریاضِ نبویؐ کا گلِ سرسبد مرجھا گیا، علیؑ کا چمن اجڑ گیا اور فاطمہؑ کا گھر بے چراغ ہو گیا،

چون خون ز حلقِ تشنۂ او بر زمین رسید ۔۔۔ جوش از زمین بہ ذروۂ عرشِ برین رسید

نخلِ بلندِ او چو خسان بر زمین زدند ۔۔۔ طوفان بآسمان زِ غبارِ زمین رسید

باد آن غبار چون بمزارِ نبیؐ رساند ۔۔۔ گرد از مدینہ بر فلکِ ہفتمین رسید

کرد این خیال وہم غلط کار کان غبار ۔۔۔ تا دامنِ جلالِ جہان آفرین رسید

ہست از ملال گرچہ بری ذاتِ ذوالجلال

او در دلست و ہیچ دلے نیست بے ملال

ستم بالائے ستم، امامِ ہمام کو شہید کرنیکے بعد بھی سنگدل اور خونی شامیوں کا جذبۂ عناد فرو نہ ہوا، ابھی اس سے بھی بڑھکر قیامت باقی تھی، چنانچہ شہادت کے بعد وحشی شامیوں نے اس جسدِ اطہر کو جسے رسولؐ نے اپنے جسدِ مبارک کا ٹکڑا فرمایا تھا، گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر کے ریزہ ریزہ کر ڈالا، اس بہیمانہ شقاوت کے بعد لیٹرے پردہ نشینانِ عفاف کے خیموں کی طرف بڑھے، اور اہلبیتؑ کا کل سامان لوٹ لیا، ابھی خانوادۂ نبوی مین ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ (عابد بیمار) باقی تھا، جس وقت شمر ان کے خیمے کی طرف آیا، اسوقت زین العابدین بیمار تھے، سپاہی بولے اس کو کیوں چھوڑتے ہو؟ ایک شخص حمید بن مسلم کے دل مین خدا نے رحم ڈال دیا، اس نے کہا سبحان اللہ ابھی وہ کم سن ہین، کمسنوں کو بھی قتل کرو گے[1]، ابھی یہ سپاہیوں کو سمجھا رہا تھا

[1] یہ صحیح نہین کہ زین العابدین کمسن بچہ تھے، بروایت صحیح اسوقت انکی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال تھی لیکن اسوقت بیمار تھے اسلئے جنگ مین شریک نہ ہو سکے، ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۴،

کہ عمر بن سعد آگیا، اس نے کہا خبردار کوئی شخص اہل بیت کے خیموں میں نہ جائے، اور نہ اس بیمار کو ہاتھ لگائے، جس نے جو کچھ لوٹا ہو سب واپس کردے، عمر بن سعد کے اس کہنے پر سپاہیوں نے ہاتھ روک لیا، حضرت عابد پر اس برتاؤ کا بڑا اثر پڑا، آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا، لیکن لوٹا ہوا مال کسی نے واپس نہ کیا[1]

شہدائے بنو ہاشم کی تعداد ان کی تجہیز اور تکفین، حضرت حسینؓ کے ساتھ بہتر آدمی شہید ہوئے، ان میں بتیس آدمی خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے :-

حسینؓ بن علی، عباسؓ بن علی، جعفرؓ بن علی، عبداللہؓ بن علی، عثمانؓ بن علی، محمدؓ بن علیؓ، ابوبکرؓ بن علیؓ، علی بن حسینؓ بن علی (علی اکبرؓ) عبداللہؓ بن حسینؓ، ابوبکرؓ بن حسنؓ، عبداللہؓ بن حسنؓ، قاسمؓ بن حسنؓ، عونؓ بن عبداللہؓ بن جعفر طیار، محمد عبداللہؓ بن جعفرؓ، جعفر بن عقیلؓ بن ابی طالبؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عقیل، عبداللہؓ بن عقیل، مسلمؓ بن عقیلؓ، عبداللہؓ بن مسلم بن عقیلؓ، محمدؓ بن ابوسعیدؓ بن عقیل،

امام کی شہادت کے بعد اہل بیت نبوی میں زین العابدینؓ، حسن بن حسنؓ، عمرو بن حسنؓ اور کچھ شیر خوار بچے باقی رہ گئے تھے، زین العابدین بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے، اور بچے شیر خواری کی وجہ سے بچ گئے،

تجہیز و تکفین، شہادت کے دوسرے یا تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے شہداء کی لاشیں دفن کیں، حضرت حسینؓ کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا، سر مبارک ابن زیاد کے ملاحظہ کے لئے کوفہ بھیجدیا گیا تھا، ابن زیاد کے سامنے جب سر پیش ہوا تو چھڑی سے لب اور دندان مبارک کو چھیڑنے لگا حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے، ان سے یہ نظارہ

[1] طبری ج ۷، ص ۳۶۲؛

نہ دیکھا گیا، فرمایا چھڑی ہٹا لو، خدائے واحد کی قسم میں نے رسول اللہ صلعم کے لب مبارک
کو ان لبوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے، یہ کہکر بے اختیار رو دیئے، ابن زیاد بولا خدا
تیری آنکھوں کو ہمیشہ رلائے، اگر تو بڈھا پھوس نہ ہوتا، اور تیرے حواس جاتے نہ رہے ہوتے
تو تیری گردن اڑا دیتا، ابن زیاد کے یہ گستاخانہ کلمات سنکر آپ نے فرمایا کہ "قوم عرب آج
سے تم نے غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیا، تم نے ابن مرجانہ کے کہنے سے حسینؓ ابن
فاطمہؓ کو قتل کر دیا، ابن مرجانہ نے تمھارے بھلے آدمیوں کو قتل کیا، اور بڑوں کو غلام بنایا
اور تم نے یہ ذلت گوارا کر لی، اس لئے ذلیلوں سے دور رہنا بہتر ہے"، یہ کہکر اس کے پاس
سے چلے گئے[۱]

اہل بیت کا سفر کوفہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شامی حضرت حسینؓ کے پسماندگان کو
(پسماندگان میں رہی کون گیا تھا، عابد بیمار کے علاوہ کچھ شیر خوار بچے تھے، کچھ بچیاں، کچھ لڑکیاں
اور عورتیں رہ گئی تھیں،) کربلا سے کوفہ لے چلے، اس وقت تک شہدا کی لاشیں اسی طرح
بے گور و کفن پڑی ہوئی تھیں، اہل بیت کا یہ ستم رسیدہ، اور لٹا ہوا قافلہ اسی راستہ سے
گذرا، بے گور و کفن لاشوں پر عورتوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم بپا ہو گیا، حضرت حسینؓ کی
بہن اور صاحبزادیوں نے سر پیٹ لئے، زینب رو رو کر کہتی تھیں کہ

اے محمدؐ گر قیامت سر برون آری زخاک   سر برون آر و قیامت در میان خلق بین

اے دادا جان محمدؐ جس پر ملائکہ آسمانی درود و سلام بھیجتے ہیں، آیئے دیکھئے، حسینؓ کا لاشہ چٹیل میدان میں
اعضا بریدہ خاک و خون میں آلودہ پڑا ہے، آپ کی لڑکیاں قید ہیں، آپکی ذریت مقتول بچھی ہوئی ہے، ہوا ان پر خاک
اڑا رہی ہے، یہ دلدوز بین سنکر دوست و دشمن سب رو دیئے،

---

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۶۹-۷۰،

اسی طریقہ سے یہ قافلہ کوفہ لیجا کر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت زینب ننگے پاؤں، نہایت خراب لباس اور خستہ حالت مین تھین، لونڈیان ساتھ تھین، ابن زیاد نے اس زبون حالت مین دیکھ کر پوچھا یہ کون ہین؟ زینبؓ نے کوئی جواب نہ دیا، اس کے مکرر سہ کرر سوال پر ایک لونڈی نے کہا کہ زینب بنت فاطمہؓ ہین یہ سنکر اس سنگدل نے کہا خدا کا شکر ہے جس نے تم کو رسوا کیا تھین قتل کیا، اور تمھاری جد تون کو جھٹلایا، زینب نے جواب دیا، "تیرا خیال غلط ہے، خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو محمدؐ سے نوازا، اور ہم کو پاک کیا، ہم نہین بلکہ فاسق (ابن زیاد) رسوا ہوتے ہین اور جھٹلائے جاتے ہین" ابن زیاد بولا "تم نے دیکھا خدا نے تمھارے اہل بیت کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟" زینبؓ نے جواب دیا "ان کی قسمت مین شہادت مقدر ہو چکی تھی اس لئے وہ مقتل مین آئے اور عنقریب وہ اور تم خدا کے روبرو جمع ہو گے اس وقت وہ اس کے سامنے اسکا انصاف طلب کرین گے" یہ دندان شکن جوابات سنکر ابن زیاد غصہ سے بےتاب ہو کر بولا "خدا نے تمھارے اہل بیت کے سرکش اور نا فرمان آدمی سے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا" شہید بھائی پر یہ چوٹ سنکر زینبؓ ضبط نہ کر سکین اور رو کر کہنے لگین "میری عمر کی قسم تم نے ہمارے ادھیڑون کو قتل کیا، ہمارے گھر والون کو نکالا، ہماری شاخون کو کاٹا، اور ہماری جڑ کو اکھاڑا، اگر اسی سے تمھاری تسکین ہوتی تو ہو گئی" ابن زیاد زینبؓ کے یہ بےباکانہ جوابات سنکر بولا یہ جرات اور یہ شجاعت، میری عمر کی قسم تمھارے باپ بھی شجاع تھے، زینبؓ بولین عورتون کو شجاعت سے کیا تعلق،

اس کے بعد زین العابدینؓ پر اس کی نظر پڑی، پوچھا تمھارا کیا نام ہے؟ جواب دیا علی بن حسینؓ، نام سنکر کہنے لگا کیا خدا نے علی بن حسینؓ کو قتل نہین کیا؟ زین العابدینؓ خاموش رہے، ابن زیاد نے کہا بولتے کیون نہین؟ فرمایا کہ میرے دوسرے بھائی کا

نام بھی علی تھا، وہ قتل ہوئے، ابن زیاد نے کہا ان کو خدا نے قتل کیا، زین العابدین پھر چپ ہو گئے، ابن زیاد نے پھر پوچھا چپ کیوں ہو، انھوں نے جواب میں یہ آیت تلاوت کی :۔

اللہ یتوفی الانفس حین	اللہ ہی نفسوں کو موت دیتا ہے جب انکی
موتھا وما کان لنفس ان	موت کا وقت آتا ہو کسی نفس میں یہ مجال
تموت الا باذن اللہ ۔	نہیں کہ بغیر اذن خداوندی کے مرجائے،

ان کا جواب سنکر کہا تم بھی انھیں میں ہو، اور ان کے بلوغ کی تصدیق کرا کے قتل کا حکم دیا، یہ حکم سنکر زین العابدین نے کہا ان عورتوں کو کس کے سپرد کروگے، جان نثار پھوپھی زینب یہ سفاکانہ حکم سنکر تڑپ گئیں، اور ابن زیاد سے کہا ابھی تک تم ہمارے خون سے سیر نہیں ہوئے، کیا ہمارا کوئی بھی آسرا باقی نہ رکھو گے، یہ کہکر زین العابدین سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے مصر ہوئیں کہ تمکو خدا کی قسم اگر ان کو قتل کرنا چاہتے ہو، تو ان کے ساتھ مجھکو بھی قتل کر دو، لیکن زین العابدین پر مطلق کوئی ہراس طاری نہ ہوا، انھوں نے نہایت سکون اور اطمینان سے کہا، اگر تم مجھے قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو عزیزداری کا پاس کرکے اتنا کرو کہ کسی متقی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو، جو ان کو اچھی طرح پہنچا دے، زین العابدین کی یہ درخواست سنکر ابن زیاد انکا منہ تکنے لگا، اور اس شقی کے دل میں بھی رحم آگیا، حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کیساتھ رہنے کیلئے چھوڑ دو۔[۱]

سفر شام ابن زیاد نے اہل بیت کے حالات اور شہداء کے سروں کا معائنہ کرنے کے بعد انھیں شام روانہ کر دیا، اور خدا خدا کرکے اہل بیت کرام کی دربدری کی مصیبت ختم ہوئی، اہل بیت کے ساتھ جو کچھ اہانت آمیز برتاؤ ہوا وہ ابن زیاد کی ذاتی خباثت نفس کا نتیجہ تھا، یزید کا دامن بڑی حد تک اس سے بری ہے، اس میں شک نہیں کہ شہادت کا واقعہ ہائلہ اور اس کے بعد اہل بیت

[۱] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۰، ۷۱،

کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئیں وہ یزید ہی کی خیر خواہی اور اسی کے عہد میں ہوئیں، اور اس نے اس کا شرعی قصاص بھی نہیں لیا، اس حیثیت سے یقیناً وہ مجرم اور بہت بڑا مجرم ہے لیکن درحقیقت ان واقعات کو اس کے حکم سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب واقعات بغیر اس کے حکم کے اور اسکی لاعلمی میں ہوئے اسلئے انکی ذمہ داری زیادہ تر ابن زیاد کے سر ہے، یزید کو تا عمر اس کا قلق رہا، جیسا کہ آئندہ واقعات سے معلوم ہوگا،

حضرت حسینؓ کی خبر شہادت پر یزید کا تاثر اور اس کی برہمی،

چنانچہ سب سے اول جب زحر بن قیس نے یزید کے دربار میں حضرت حسینؓ اور آپ کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر پہنچائی، اور نہایت خیر خواہی میں اس کو پوری تفصیل سے مرنے سے لیکر بیان کرنے لگا، تو یزید انھیں سنکر آبدیدہ ہو گیا، اور بولا اگر تم لوگ حسینؓ کو قتل نہ کرتے تو میں تم سے زیادہ خوش ہوتا، ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت ہو، اگر میں ہوتا تو خدا کی قسم حسینؓ کو معاف کر دیتا، خدا حسینؓ پر اپنی رحمت نازل کرے، زحر نے انعام واکرام کی طمع میں بڑی لفاظی اور حاشیہ آرائی کے ساتھ شہادت کا واقعہ بیان کیا تھا لیکن یزید نے اسے کچھ بھی نہ دیا[1]

علامہ ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری جنکو اہل بیت نبوی کے ساتھ خاص عقیدت ہے اوپر کا واقعہ اپنی تاریخ اخبار الطوال میں اس طرح لکھتے ہیں کہ

جب یزید نے حسینؓ کی شہادت کے واقعات سنے تو آبدیدہ ہو گیا اور کہا تملوگوں کا برا ہو، اگر تم لوگ حسینؓ کو چھوڑ دیتے تو میں زیادہ خوش ہوتا، ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، خدا کی قسم اگر میں حسینؓ کے پاس موجود ہوتا، تو ان کو معاف کر دیتا، خدا ابو عبد اللہ پر رحمت نازل فرمائے،[2]

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۷۵، [2] اخبار الطوال ص ۲۷۲،

شامیون اہل بیت کو تنبیہ اور حضرت حسینؓ کے سر سے خطاب

جب محفز بن ثعلبہ اہل بیت کا ستم رسیدہ قافلہ لیکر یزید کے پھاٹک پر پہنچا تو چلایا کہ محفز بن ثعلبہ امیر المومنین کی خدمت میں لئیموں اور فاجروں کا سر لایا ہے، یزید نے یہ صدا سنکر کہا کہ ام محفز نے جو بچہ جنا ہے وہ سب سے زیادہ شریر اور لئیم ہے

اسکے بعد جب حضرت حسینؓ اور دوسرے مقتولوں کے سر اس کے سامنے پیش کئے گئے تو اس نے حضرت حسینؓ کے سر پر ایک نگاہ ڈالی، اور ایک شعر پڑھکر کہا خدا کی قسم حسینؓ اگر میں تمہارے ساتھ ہوتا، تو تم کو قتل نہ کرتا، اس کے بعد یحییٰ بن حکم نے ایک قطعہ پڑھا، جس میں ابن سمیہ کی تعریف اور اہل بیت پر کچھ طعن تھا، یزید نے سنکر اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور ڈانٹ کر خاموش کیا[1]

شہدا کے سروں کے ملاحظہ کے بعد اہل بیت کے قافلہ کو طلب کیا، اور امرائے شام کے روبرو زین العابدین سے کہا علی! تمھارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو، زین العابدین نے اسپر یہ آیہ تلاوت کی:-

ما أصاب من مصيبة في الأرض	جتنی مصیبتیں روے زمین پر اور خود تم پر
ولا في أنفسكم إلا في كتاب	نازل ہوتی ہیں، وہ سب ہم نے ان کے
من قبل أن نبرأها، (حدید-۳)	پیدا کرنے سے پہلے کتاب میں لکھ رکھی ہیں،

یہ جواب سنکر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا کہ تم اس کا جواب دو، لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا تو یزید نے خود بتایا کہ تم کہو،-

ما أصابكم من مصيبة فبما	تمکو جو مصیبت پہنچتی ہو وہ تمھارے ہی اعمال کا نتیجہ ہو
كسبت أيديكم ويعفوا عن كثير	اور بہت سی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہو،

[1] طبری ج ۷، ص ۳۷۶،

اہل بیت نبوی کا معائنہ اور ان سے ہمدردانہ برتاؤ

اس سوال و جواب کے بعد عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا، اس وقت یہ سب نہایت ابتر حالت میں تھے، یزید نے انھیں اس حالت میں دیکھکر کہا، خدا ابن مرجانہ کا برا کرے، اگر اس کے اور تمھارے درمیان قرابت ہوتی تو تمھارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا، اور نہ اس طرح سے تم کو بھیجتا، فاطمہ بنت علیؓ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے، تو ہماری حالت دیکھکر اس پر رقت طاری ہو گئی، اور ہمارے لئے کوئی حکم دیا، اور بڑی نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کیا[1]

علامہ ابن اثیر اسی مجلس کا واقعہ لکھتے ہیں کہ

اہل بیت کے فضائل کا اعتراف، یزید نے امام حسینؓ کے سر سے مخاطب ہو کر کہا کہ حسینؓ اگر میں تمھارے ساتھ ہوتا تو کبھی تم کو قتل نہ کرتا، پھر حاضرین سے مخاطب ہوا کہ تم لوگ جانتے ہو انکا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لئے ہوا کہ یہ کہتے تھے کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے، ان کی ماں فاطمہؓ میری ماں سے، ان کے دادا رسول اللہ صلعم میرے دادا سے بہتر تھے، اور وہ مجھ سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے، ان کے اس قول کا جواب کہ ان کے باپ علیؓ میرے باپ سے بہتر تھے، یہ ہے کہ ان کے باپ اور میرے باپ نے خدا سے محاکمہ چاہا اور لوگوں کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دیا، ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں تو میری عمر کی قسم مجھے اعتراف ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں، اور ان کا یہ کہنا کہ انکے دادا رسول اللہ صلعم میرے دادا سے بہتر تھے، تو میں اپنی عمر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کوئی وہ مسلمان جو خدا اور یوم قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ ہم میں سے کسی کو رسول اللہ صلعم کا مثیل نہیں ٹھہرا سکتا، مگر افسوس انھوں نے قل اللھم

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۷۷،

ما لک الملک کا خدائی فرمان نہین پڑھا تھا[1]،

یزید کے گھر مین حسینؓ کا ماتم اور زین العابدینؓ کے ساتھ برتاؤ

اہل بیت سے گفتگو کے بعد ان سب کو خاص حرم سرا مین ٹھہرانے کا حکم دیا، یزید خود حضرت حسینؓ کا رشتہ دار تھا، اس کی عورتین بھی عزیزہ تھین، اس لئے ستم رسیدہ قافلہ کے زنانخانہ مین داخل ہوتے ہی یزید کے گھر مین کہرام مچ گیا، اور ساری عورتون نے نوحہ کیا، تین دن تک کامل یزید کے گھر مین ماتم بپا رہا، اس دوران مین یزید برابر زین العابدین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بلا کر کھلاتا تھا[2]،

نقصان مال کی تلافی اور سکینہ کی منت پذیری

یاد ہوگا کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد شامی وحشیون نے اہل بیت نبوی کا کل ساز و سامان لوٹ لیا تھا اور ابن سعد کے حکم کے باوجود کسی نے واپس نہ کیا تھا، یزید نے اس کی پوری تلافی کی اور تمام عورتون سے پوچھ پوچھ کر جن جن کا جس قدر مال و متاع گیا تھا، اس کا دونا مال دلوایا، سکینہ بنت حسینؓ اس کے اس تلافی مافات سے بہت متاثر ہوئین، چنانچہ وہ کہتی تھین کہ مین نے منکرین خدا مین یزید سے بہتر کسی کو نہین پایا[3]،

اگر میری اولاد بھی کام آجاتی تو حسینؓ بچاتا اور ہر قسم کی امداد کا وعدہ

چند دن قیام کرنے کے بعد جب اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انھین عزت و احترام کیساتھ مدینہ بھجوانا چاہا اور سبکو بلا کر زین العابدینؓ سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو، اگر مین ہوتا تو حسینؓ جو کچھ کہتے مین مان لیتا، اور ان کی جان بچانے کی پوری کوشش کرتا، خواہ اس مین میری اولاد ہی کیون نہ کام آجاتی، لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہو چکی، بہرحال جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً مجھے لکھنا[4]،

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۳۷، [2] طبری ج ۷ ص ۳۷۸، [3] ایضاً ص ۳۸۱، [4] ایضاً ص ۳۷۹،

شام سے اہل بیت کی مدینہ روانگی اور اس کے لئے انتظامات

ان سب سے مل کر نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ اہل بیت کی ضروریات کا کل سامان مہیا کیا جائے اور چند دیانتدار اور نیک شامیوں کے ساتھ انھیں رخصت کیا جائے اور حفاظت کے لئے مدینہ تک سواروں کا دستہ ساتھ جائے[1] اس حکم پر فوراً تمام ضروری سامان مہیا کیا گیا، اور یزید نے انھیں رخصت کیا، جو لوگ حفاظت کیلئے ساتھ کئے گئے تھے انھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے، ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوتے تھے، جہاں قافلہ منزل کرتا تھا، یہ لوگ پردہ کے خیال سے الگ ہٹ جاتے تھے، اسی حفاظت اور لطف و مدارات کے ساتھ قافلہ کو مدینہ پہنچایا، مخدرات اہل بیت کے شریف اور منت پذیر دل ان محافظوں کے شریفانہ سلوک سے بہت متاثر ہوئے، چنانچہ فاطمہؓ اور زینبؓ نے اپنے اپنے کنگن اور بازو بند اتار کر شکرانہ کے طور پر بھیجے اور زبانی کہلایا کہ اس وقت ہم معذور ہیں اسی قدر معاوضہ دے سکتے ہیں، لیکن نعمان بن بشیر نے اس کو واپس کر دیا، اور کہا اگر ہم نے دنیاوی منفعت کیلئے یہ خدمت کی ہوتی تو یہ چیزیں معاوضہ ہو سکتی تھیں، لیکن خدا کی قسم ہم نے جو کچھ کیا وہ خاصۃً للہ اور رسول اللہؐ کی قرابت کے خیال سے کیا ہے[2]،

بعض غیر مستند روایات پر تنقید

اوپر کے واقعات سے اہل بیت نبویؐ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کا پورے طور پر اندازہ ہو جاتا ہے، اور ان بے سروپا افسانوں کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے جن سے مخدرات عصمت مآب کی سخت توہین ہوتی ہے،، البتہ دو ایک واقعات ضرور اس قسم کے ملتے ہیں جو نازیبا کہے جا سکتے ہیں، اور یقیناً قابل ملامت ہیں، لیکن ان واقعات کی صحت ہی محل نظر ہے، بہرحال وہ واقعات ہم اس موقعہ پر بجنسہ نقل کرتے ہیں،۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ فاطمہ بنت علیؓ نوخیز اور خوبصورت تھیں، جب خاندان نبویؐ کی مستورات

---

[1] طبری ج ۷، ص ۳۷۸، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۷۶،

یزید کے سامنے پیش کی گئیں تو فاطمہ کو دیکھکر ایک شامی وحشی نے کہا، امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دیدیجئے، اس کی فرمائش پر فاطمہؓ ڈر گئیں اور اپنی بڑی بہن کا کپڑا پکڑ لیا، زینب ان سے عمر میں بڑی تھیں، وہ جانتی تھیں کہ یزید شرعاً فاطمہ کو کسی کے حوالہ نہیں کرسکتا، اس لئے انھوں نے اس شامی کو ڈانٹا کہ تو جھوٹ بکتا ہے، اگر تو مر بھی جائے تو یہ لڑکی نہ تجھکو مل سکتی ہے، اور نہ یزید کو، چونکہ زینبؓ نے جواب میں یزید کو بھی شامل کر لیا تھا، اس لئے یزید نے کہا تم جھوٹ کہتی ہو، اگر میں چاہوں تو اس لڑکی کو لے سکتا ہوں، زینبؓ نے پھر کہا جب تک تم ہمارا مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب نہ اختیار کر لو، اس وقت تک تمھارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں، (یعنی مال غنیمت کے طور پر مسلمان عورت پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا) اس پر یزید اور زیادہ برہم ہوگیا، اور کہا یہ خطاب مجھ سے ہے، میں دین سے نکلوں یا تمھارے باپ اور بھائی دین سے نکلے تھے، زینبؓ نے کہا، خدا کے دین، میرے باپ کے دین، میرے نانا کے دین سے تم کو تمھارے باپ کو اور تمھارے دادا کو ہدایت ملی، یزید نے کہا دشمن خدا تو جھوٹ کہتی ہے زینبؓ نے جواب دیا تو تو جابر امیر ہے، اس لئے ظلم سے برا کہتا ہے، اور اپنی بادشاہت کے زعم میں استبداد کرتا ہے، اس جواب پر یزید شرما کر خاموش ہوگیا، شامی نے پھر کہا امیر المومنین یہ لڑکی مجھے عنایت ہو، شامی کے دوبارہ کہنے پر یزید نے اس کو ڈانٹا کہ خدا تجھکو موت دے اور کبھی بیوی نہ نصیب ہو،[۱]

گو یہ طبری کی روایت ہے لیکن اس کا راوی حارث بن کعب شیعہ[۲] ہے اس لئے ظاہر ہے کہ یزید کی مخالفت میں اس روایت کا کیا پایہ ہوگا، اس کی تدلیس کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ یہی واقعہ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بھی لکھا ہے، مگر

---

[۱] طبری ج ۷ص ۳۷۷ و ۳۷۸، [۲] لسان المیزان ج ۲ ص ۱۵۶،

اس مین یزید کی اس تلخ گفتگو کا کوئی ذکر نہین، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ جب اہل بیت کا قافلہ یزید کے پاس پہنچا، تو جو شامی وہان تھے وہ یزید کے پاس فتح کی مبارکباد دینے کے لئے آئے تھے، ان مین سے ایک سرخ رنگ کے آدمی نے اہل بیت کی ایک لڑکی کی طرف دیکھکر کہا، امیر المومنین یہ لڑکی مجھے دیدیجئے، زینبؓ بولین خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھکو مل سکتی ہے اور نہ خود یزید کو جب تک وہ اللہ کے دین سے نہ نکل جائے، شامی نے دوبارہ پھر سوال کیا، مگر یزید نے روک دیا[1]،

اس روایت مین یزید کی سخت کلامی کا مطلق تذکرہ نہین، اور اس واقعہ مین جو بدنمائی تھی وہ بھی بالکل نہین پائی جاتی، درایۃً بھی یہ روایت پادرہوا ہے، کیونکہ جس لڑکی کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس کا نام فاطمہ بنت علیؓ بتایا ہے، اور اس کے لئے جاریہ کا استعمال کیا گیا ہے یعنی وہ اس وقت بہت کم سن لڑکی تھین، حالانکہ اس وقت فاطمہ بنت علیؓ کی عمر ۲۴، ۲۵ سال سے کم نہ رہی ہوگی، کیونکہ حضرت علیؓ ۴۰ھ مین شہید ہوئے، اور ۶۱ھ کا یہ واقعہ ہے، اس لئے اگر حضرت علیؓ کی وفات کیوقت فاطمہ کی عمر دو تین سال بھی مانی جائے تب بھی ۶۱ھ مین وہ ۲۴ سال کی ہونگی، اور جاریہ سے گذر کر وہ پوری بال بچون والی عورت ہوگئی ہونگی کیونکہ جاریہ کمسن اور نوخیز لڑکی کو کہتے ہین، اس لحاظ سے سرے سے اس واقعہ کی صحت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے،

دوسرا مشہور واقعہ یہ ہے کہ "جب یزید کے سامنے حضرت حسینؓ کا سر لایا گیا تو اس نے چھڑی سے دندانِ مبارک کو ٹھونگا دیا، مگر یہ واقعہ سراسر جھوٹ ہے، یہ واقعہ ابن زیاد کا ہے، جسکو غلط فہم راویون نے یزید کی طرف منسوب کر دیا،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۵۳،

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہین کہ" یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے کیونکہ جن صحابہ سے یہ واقعہ مروی ہے، وہ شام مین موجود ہی نہ تھے، [۱]

ان دو واقعون کے علاوہ اور کوئی قابلِ ذکر واقعہ کسی مستند تاریخ مین مذکور نہین ہے، باقی عام طور پر جو پر درد افسانے شہادت نامون مین ملتے ہین، وہ محض مجالس عزا کی گرمی کے لئے گھڑ لئے گئے ہین، کہ ع

برھا بھی دیتے ہین کچھ زیبِ داستان کیلئے

ورنہ تاریخی حیثیت سے ان کی کوئی حقیقت نہین، البتہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ پر جوٹ اور طعن وطنز کی بہت سی مثالین ہین، لیکن یہ تمام باتین یزید کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیز کے سوا شروع سے آخر تک قریب قریب تمام اموی فرمانروا اسی رنگ مین رنگے ہوئے تھے، اور یہ ان کی خاندانی چشمک کا نتیجہ تھا،

واقعۂ شہادت پر ایک نظر

درحقیقت حضرت حسینؓ کا واقعہ شہادت بھی منجملہ ان واقعات کے ہے جسمین مسلمانون کے مختلف گروہون نے بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے، بعض اسے اتنا گھٹاتے ہین کہ خاکم بدہن حضرت حسینؓ کو حکومت کا باغی قرار دیکر آپ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہین اور بعض اتنا بڑھاتے ہین کہ اسکا اندرونی سلسلہ تکمیلِ نبوت سے ملا دیتے ہین

خود اہل سنت کے اکابر علما نے اس مین بڑی بڑی نکتہ آفرینیان کی ہین، چنانچہ بعضون نے واقعۂ شہادت اور تکمیلِ نبوت مین اس طرح ایک مخفی رشتہ قائم کیا ہے، کہ خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کے انفرادی فضائل ذات پاک محمدیؐ مین جمع کر دیئے تھے، اور آپ کی ذات گرامی، حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری کی حامل اور آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

---

[۱] منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۴۹،

کی مصداق تھی خدا کی راہ میں شہادت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے، جس سے اس نے اپنے بہت سے محبوب انبیاء کو نوازا لیکن چونکہ ذات محمدی ان سب سے اعلیٰ وارفع تھی اور امت کے ہاتھوں شہادت آپ کے مرتبۂ نبوت سے فروتر تھی، اس لئے اس منصب کی تکمیل کے لئے آپ کے نواسہ کو جو گویا آپ کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا تھے انتخاب فرمایا اس طرح سے آپ کی جامعیت کبریٰ میں جو خفیف سا نقص باقی رہ گیا تھا، اس کی تکمیل ہو گئی،

گو خوش اعتقادی کا اقتضا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے خیالات کو عقیدت کے دل سے قبول کر لیا جائے لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کے خیالات کی حیثیت شاعرانہ نکتہ آفرینی اور خوش خیالی سے زیادہ نہیں ہے، کیونکہ نبوت کی تکمیل کے لئے کسی بیرونی جزو کی ضرورت نہیں، نبوت خود ایسا جامع اور کامل وصف ہے جو اپنی تکمیل کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہیں، ہزاروں انبیاء و رسل دنیا میں آئے، لیکن کیا ان میں سے سب خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے، اور جنکو یہ منصب نہیں ملا ان کی نبوت ناقص رہ گئی، غالباً اسے کوئی صاحب مذہب بھی تسلیم نہ کریگا، پھر ذات پاک محمدی تو خود قصر نبوت کی آخری تکمیلی اینٹ تھی، جس کے بعد کسی کمال کی حاجت نہیں، اور سورۂ فتح اور سورۂ مائدہ نے اس تکمیل پر تصدیقی مہر کر دی تھی اور اگر بالفرض تکمیل نبوت کے لئے کسی ذریعہ پر شہادت کی ضرورت تسلیم بھی کر لیجائے (اگرچہ اسکی مذہبی سند نہیں) تو غزوۂ احد میں سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اس کی تکمیل ہو چکی تھی، اور چچا کی شہادت کے بعد نواسہ کی شہادت کا انتظار باقی نہ رہ گیا تھا، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ شہادت گو مرتبۂ نبوت سے فروتر ہی لیکن رسول اللہ صلعم نے اپنی زندگی میں تکمیل فرض نبوت کے خاطر کیا کیا مصائب نہیں برداشت کئے، ہر طرح کی سختیاں سہیں، دشمنوں کی گستاخیاں برداشت کیں، گلوے مبارک میں پھندا

ڈالا گیا، راستہ مین کانٹے بچھائے گئے، پشت مبارک پر بچاستون کے بار لادے گئے، سنگباری سے جسم مبارک سے خون کے فوارے چھوٹے، دندان مبارک شہید کیا گیا، گھر سے بے گھر ہوئے، جان تک لینے کی تیاریان کی گیئن، کیا میزان آزمائش مین شہادت کے مقابلہ مین یہ قربانیان ہلکی رہینگی؟

کلا ثم کلا ایک مرتبہ جان دیدینا تو پھر بھی آسان ہے لیکن مسلسل مشق ستم بنا رہنا اس سے بہت دشوار ہے اس کے علاوہ اگر مذہبی حیثیت سے اس قسم کی خیال آرائیون پر غور کیا جائے تو ان کی کوئی حیثیت باقی نہین رہتی، اس کی تائید مین کوئی ضعیف سی ضعیف روایت بھی تو نہین مل سکتی اور بغیر حدیث کی شہادت کے اسے کسی طرح قبول نہین کیا جا سکتا مذہب اسلام مین زیادہ تر گمراہیان اسی منصب نبوت کے ساتھ افراط و تفریط کرنے مین پیدا ہوئی ہین اس لئے اس قسم کی تخیلات سے محض شاعرانہ نکتہ کی حیثیت سے لطف لیا جا سکتا ہے، لیکن اسے اعتقاد نہین بنایا جا سکتا،

لیکن اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس شہادت کی حیثیت کیا تھی؟ کیا حضرت حسین رض محض حصول خلافت کے لئے کوفہ گئے، مگر اس مین ناکام رہے اور قتل کر دیئے گئے، یا اس کے اندر کوئی اور راز مضمر تھا، اگر پہلی صورت مان لیجائے تو پھر حسین رض کی شہادت اور اور عام حوصلہ مندون کی قسمت آزمائی مین کوئی فرق نہین رہجاتا، اس کے جواب کے لئے یزید کی ولیعہدی سے لیکر واقعہ شہادت تک کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے کہ یزید کی ولیعہدی کی مذہبی حیثیت کیا تھی؟ اور کن حالات مین مسلمانون نے اسے ولیعہد تسلیم کیا تھا؟ اور اس کے ہمعصرون مین اس منصب کے لئے اس سے زیادہ اہل اشخاص موجود تھے یا نہین؟ اور خلافت کے بعد اس کا طرز حکومت کیسا تھا؟

امیر معاویہ نے جس طرح یزید کو ولیعہد بنایا تھا، اس کی تفصیل اوپر اُن کے حالات مین

گذر چکی ہے، گو اس بارہ مین روایات مختلف ہین، تاہم اتنا قدر مشترک ہے کہ مدینہ کے ارباب رائے نے خوشدلی سے امیر کی یہ بدعت نہین تسلیم کی تھی اور عبداللہ بن زبیرؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ حسینؓ اور دوسرے نوجوانون نے علی الاعلان اس کی مخالفت کی تھی، ابن زبیرؓ نے صاف صاف کہدیا تھا کہ ہم خلافت کے بارہ مین رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدینؓ کے طریقہ کے علاوہ اور کوئی نیا طریقہ نہین قبول کرسکتے، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ نے اس سے بھی زیادہ تلخ لیکن صحیح جواب دیا، مروان نے جب مدینہ مین یزید کی ولیعہدی کا مسئلہ پیش کیا تو کہا امیرالمومنین معاویہؓ چاہتے ہین کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت کے مطابق اپنے لڑکے یزید کو خلیفہ بنا جائین، عبدالرحمنؓ نے جواب دیا یہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی سنت نہین ہے، بلکہ کسریٰ و قیصر کی ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ نے اپنی اولاد کو اپنا جانشین نہین کیا، بلکہ اپنے خاندان مین سے بھی کسی کو نہین بنایا[1] لیکن چونکہ عہد نبوت کے بعد کی وجہ سے بڑی حد تک حریت و آزادی کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس لئے کچھ لوگون نے امیر معاویہؓ کے دبدبہ و شکوہ سے مرعوب ہوکر، کچھ لوگون نے مال و زر کی طمع مین اور بعضون نے محض اختلاف امت کے خطرہ سے بچنے کیلئے یزید کو ولیعہد مان لیا، جو لوگ مخالف تھے، انھون نے بھی جان کے خوف سے خاموشی اختیار کرلی، بہر حال کسی نے خوشدلی کے ساتھ یزید کو ولیعہد نہین تسلیم کیا، ابن زبیرؓ، حسینؓ اور عبدالرحمنؓ گو خاموش ہوگئے تھے لیکن ان مین سے کسی نے بھی ولیعہدی تسلیم نہین کی تھی، امیر معاویہؓ نے ان سے یہان تک کہا کہ تم لوگ یزید کو محض خلیفہ کا نام دیدو، باقی عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا مصرف سب تمھارے ہاتھون مین ہوگا لیکن اس قیمت پر بھی انھون نے آمادگی ظاہر نہ کی، ان کے انکار پر امیر معاویہؓ بھی مصلحت وقت کے خیال سے خاموش ہوگئے،

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۹۵

یہ یزید کی ولیعہدی کی صورت تھی، اس کے علاوہ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ اس وقت یزید سے بہتر اشخاص اس منصب کے لئے مل سکتے تھے یا نہین تو یزید کی ولیعہدی اور زیادہ قابل اعتراض ہوجاتی ہے، کیونکہ مذکورۂ بالا تینون بزرگون مین سے ہر ایک یزید کے مقابلہ مین زیادہ اہل تھا، اکابر صحابہ مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور بعض دوسرے بزرگ موجود تھے، جن کے ہوتے ہوئے یزید کا نام کسی طرح نہین لیا جاسکتا تھا، لیکن امیر معاویہؓ نے ان تمام شخصیتون کو قطع نظر کرکے یزید کو ولیعہد بنا دیا، اس کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو بھی اس نے اپنے کو اس منصب کا اہل ثابت نہین کیا، بجائے اس کے کہ وہ ان بزرگون کے مشورہ سے نظام حکومت چلاتا یا کم از کم امیر معاویہؓ کی طرح نرم پالیسی رکھتا، اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی استبداد شروع کر دیا، اور عمائد مکہ سے بیعت لینے کے احکام جاری کئے، ایسی صورت مین حضرت حسینؓ یا اس نامنصفانہ حکم کو مان لیتے، اور یزید کی غیر شرعی بیعت کو قبول کرکے تاریخ اسلام مین ظلم و ناانصافی کے سامنے سپر ڈالنے کی مثال قائم کرتے یا اس کے خلاف آواز بلند کرکے استبداد اور شخصیت کے خلاف عملی جہاد کا سبق دیتے، ان دونون صورتون مین آپ نے دوسری صورت اختیار کی، اور اس حکومت کے خلاف اُٹھکر جو غیر شرعی طریق پر قائم ہوئی تھی، اور جس نے تمام اسلامی روایات کو پامال کر رکھا تھا، مسلمانون کو ہمیشہ کے لئے حریت و آزادی کا سبق دیدیا، یہ محض الفاظ کا خوشنما مجموعہ نہین ہے، بلکہ خود حضرت حسینؓ اور آپ کے دعاۃ کی تقریرون سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ مسلم بن عقیلؓ پر جب ابن زیاد نے یہ فرد جرم قائم کی کہ "لوگ متحد الخیال تھے ایک زبان تھے، تم اُنھین پراگندہ کرنے، ان مین پھوٹ ڈلوانے اور ان کو آپس مین لڑانے کے لئے آئے" تو مسلمؓ نے اس کا یہ جواب دیا[۱]:-

---

[۱] طبری ج ۷ ص ۲۲۶

كلا لست اتيت ولكن اهل المصر	ہرگز نہیں میں خود سے نہیں آیا بلکہ شہر کوفہ
زعموا ان اباك قتل خيارهم وسفك	والوں کا خیال تھا کہ تمہارے باپ نے ان کے
دماءهم وعمل فيهم اعمال كسرى	بھلے آدمیوں کو قتل کیا، ان کا خون بہایا
وقيصر فاتيناهم لنامر بالعدل	اور ان میں کسریٰ و قیصر کا سا طرز عمل اختیار
وندعوا الى حكم الكتاب	کیا، اس لئے ہم ان کے پاس آئے تا کہ ہم
	لوگوں کو انصاف کا حکم اور کتاب اللہ کے حکم کی دعوت دیں

مسلم بن عقیل کے بعد جب حضرت حسینؓ خود تشریف لائے تو مقام بیضہ میں اپنے آنے کے یہ اسباب بیان کئے۔۔

قال ابو مخنف عن عقبة بن	ابو مخنف عقبہ بن ابی العیزار سے روایت
ابي العيزار ان الحسين خطب	کرتے ہیں کہ مقام بیضہ میں حسینؓ نے اپنے اور
اصحابه واصحاب الحر بالبيضة	حر کے ساتھیوں کے سامنے خطبہ دیا، اور
فحمد الله واثنى عليه ثم قال	حمد وثنا کے بعد کہا کہ لوگو! رسول اللہ صلعم
ايها الناس ان رسول الله	نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا
صلى الله عليه وسلم قال من	جو ظالم ہے، خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو
رأى سلطانا جائرا مستحلا	حلال کرتا ہے، خدا کے عہد کو توڑتا ہے، سنت
لحرم الله ناكثا لعهد الله مخالفا	رسولؐ کی مخالفت کرتا ہے، خدا کے بندوں میں
لسنة رسول الله (صلعم)	گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرتا ہے
يعمل في عباد الله بالاثم	اور دیکھنے والے کو اس پر عملاً یا قولاً غیرت
والعدوان فلم يغير عليه	نہ آئی، تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ

بفعل ولا قول كان حقا على
الله ان يدخله مدخله الا
وان هولاء قد لزموا طاعة
الشيطان وتركوا طاعة الرحمن ،
واظهروا الفساد وعطلوا الحدود
واستاثروا بالفئ واحلوا حرام
الله وحرموا حلاله وانا احق
من غير وقد اتتني كتبكم وقدمت
على رسلكم ببيعتكم انكم
لا تسلموني ولا تخذلوني
فان تممتم على بيعتكم تصيبوا
رشدكم فانا الحسين بن علي
وابن فاطمه بنت رسول الله
صلعم نفسي مع انفسكم
واهلي مع اهلكم فلكم في
اسوة وان لم تفعلوا ونقضتم
عهدكم وخلعتم بيعتي
من اعناقكم فلعمري ما هي
لكم بنكير لقد فعلتموها بابي

کی جگہ اس دیکھنے والے کو دوزخ مین داخل
کردے، مین تمکو آگاہ کرتا ہون کہ ان لوگون
(بنی امیہ) نے شیطان کی اطاعت قبول
کر لی ہے، اور رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی ہی،
خدا کی زمین پر فتنہ و فساد پھیلا رکھا ہی، حدود
الہٰی کو بیکار کر دیا ہی، مال غنیمت مین اپنا حصہ
زیادہ لیتے ہین، خدا کی حرام کی ہوئی چیزون
کو حلال اور اس کی حلال کی ہوئی چیزون کو
حرام کر دیا ہی، اس لئے مجھے ان باتون پر غیرت
آنے کا زیادہ حق ہی، میرے پاس بلادسے کے
تمھارے خطوط آئے بیعت کا پیام لیکر تمھارے
قاصد آئے، انھون نے کہا کہ تم مجھے دشمنون
کے حوالہ نہ کروگے اور بے یار و مددگار نہ
چھوڑ دگے، پس اگر تم اپنی بیعت کے حقوق
پورے کروگے تو ہدایت پاؤگے، مین حسین
علی رض بن ابی طالب اور فاطمہ بنت رسول اللہ
کا بیٹا ہون، میری جان تمھاری جانون
کے ساتھ اور میرے اہل بیت تمھارے گھر
والون کے ساتھ ہین، تمھارے لئے میری ذات

وأخي وابن عمي مسلم	ہو نہ ہے اب اگر تم اپنے فرائض پورے نہ
والمغرور من اغتر بکم فحظکم	کروگے، اور اپنا عہد و پیمان توڑ کر اپنی گردنوں سے
اخطاتم ونصیبکم ضیعتم	میری بیعت کا حلقہ اتار دوگے تو خدا کی قسم
ومن نکث فانما ینکث علی	تم سے یہ بھی بعید نہین، تم میرے باپ، بھائی
نفسہ وسیغنی اللہ عنکم	اور میرے ابن عم مسلم کیساتھ ایسا کر چکے ہو، وہ
والسلام علیکم ورحمۃ	فریب خوردہ ہے، جو تمھارے فریب مین
اللہ وبرکاتہ،	آگیا، تم نے نقض عہد کرکے اپنا حصہ ضائع
	کردیا، جو شخص عہد توڑتا ہے، اس کا وبال
	اسی پر ہوتا ہے، اور عنقریب خدا مجھکو تمھاری
	امداد سے بے نیاز کردیگا، والسلام علیکم
(طبری ج ۷ ص ۳۰۰)	ورحمۃ اللہ برکاتہ،

اس تقریر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ یزید کے مقابلہ مین حضرت حسینؓ کا آنا محض حصول خلافت کے لئے نہ تھا، بلکہ اس کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا کہ یزید نے اپنے استبداد سے جو غیر شرعی طرق جاری کر دیئے تھے، انھین مٹا کر پھر ایک مرتبہ اسوۂ الٰہی خلافت کی یاد تازہ کر دیجائے، اس کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے خود اسکی خواہش نہین کی، بلکہ جب اہل عراق نے پیہم خطوط سے آپ کو اس کا یقین دلادیا کہ ان کے لئے یزید کی حکومت ناقابل برداشت ہے، اس وقت آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا، اسی لئے آپ کے تشریف لانے کے بعد جب عراقیون نے دھوکا دیدیا، تو آپ واپس جانے پر آمادہ ہوگئے اور فرمایا کہ تم نے اپنی شکایات کی بنا پر مجھے بلایا تھا، اب جبکہ تم اسے پسند نہین کرتے تو مجھے بھی اسکی خواہش نہین ہے جہان سے آیا ہون

واپس چلا جاؤنگا،

فضل وکمال | آنحضرت صلعم کی زندگی میں حضرت حسینؓ بالکل کم سن بچہ تھے اسلئے براہ راست ذات نبوی صلعم سے استفادہ کا موقعہ نہ ملا لیکن حضرت علیؓ جیسے اقضی القضاۃ باپ کی تربیت نے اسکی پوری تلافی کردی، تمام ارباب سیر آپ کے کمالات علمی کے معترف ہیں علامہ ابن عبد البر امام نووی، علامہ ابن اثیر تمام بڑے بڑے ارباب سیر اس پر متفق ہیں کہ حسینؓ بڑے فاضل تھے[1] لیکن افسوس اس اجمالی سند کے علاوہ واقعات کی صورت میں ان کمالات کو کسی سیرت نگار نے قلمبند نہیں کیا ہی اس لئے محض سرسری تذکرہ پر اکتفا کی جاتی ہے،

احادیث نبوی | حضرت حسینؓ خانوادۂ نبویؐ کے رکن رکین تھے، اس لحاظ سے آپ کو احادیث کا بہت بڑا حافظ ہونا چاہئے تھا لیکن صغر سنی کے باعث آپ کو اس کے مواقع کم ملے، اور جو ملے بھی انہیں ابھی آپ کا فہم وحافظہ اس لائق نہ تھا کہ سمجھکر محفوظ رکھ سکتے اس لئے براہ راست آنحضرت صلعم سے سنی ہوئی مرویات کی تعداد کل آٹھ ہے[2] جو آپ کی کمسنی کو دیکھتے ہوئے کم نہیں کی جاسکتی البتہ بالواسطہ روایات کی تعداد کافی ہے، آنحضرت صلعم کے علاوہ جن بزرگوں سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ زہراؓ، ہند بن ابی ہالہؓ عمر بن الخطابؓ وغیرہ، جن رواۃ نے آپ سے روایتیں کی ہیں، ان کے نام یہ ہیں آپکے بڑے لڑکے حضرت علیؓ، صاحبزادہ علی اور زید، صاحبزادی سکینہ، فاطمہ، پوتے ابو جعفر الباقر، عام رواۃ میں، شعبی، عکرمہ، کرز التیمی، سنان بن ابی سنان دوئلی، عبد اللہ بن عمرو بن عثمان فرزدق شاعر وغیرہ[3]

---

[1] دیکھو استیعاب ابن عبد البر، تہذیب الاسماء نووی اور اسد الغابہ تراجم حسینؓ،
[2] تہذیب الکمال ص ۸۳، [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۴۵،

فقہ و فتاوی | قضا و افتا میں حضرت علیؓ کا پایہ تمام صحابہؓ میں بڑا تھا، اس کا کچھ نہ کچھ موروثی حصہ حضرت حسینؓ کو بھی ملا، چنانچہ ان کے معاصران سے استفتا کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابن زبیر کو جو عمر میں ان سے بڑے اور خود بھی صاحب کمال تھے، قیدی کی رہائی کے بارہ میں استفتا کی ضرورت ہوئی تو انھوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا اور ان سے پوچھا ابوعبداللہ قیدی کی رہائی کے بارہ میں تمہارا کیا خیال ہے، اسکی رہائی کا فرض کس پر عائد ہوتا ہے، فرمایا ان لوگوں پر جنکی حمایت میں وہ لڑا ہو،

اسی طرح ایک مرتبہ ان کو شیر خوار بچہ کے وظیفہ کے بارہ میں استفسار کی ضرورت ہوئی تو اس میں بھی انھوں نے حضرت حسینؓ کی طرف رجوع کیا آپ نے بتایا کہ پیدائش کے بعد ہی جب سے بچہ آواز دیتا ہے وظیفہ واجب ہو جاتا ہے،

اسی طریقہ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارہ میں پوچھا آپ نے اس سوال پر سیوقت اونٹنی کا دودھ دہا کر کھڑے کھڑے پیا، آپ کھڑے ہو کر کھانے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، چنانچہ بھنا ہوا بکری کا گوشت لے لیتے تھے اور کھاتے کھلاتے چلے جاتے تھے[1]

خطابت | ان مذہبی کمالات کے علاوہ اس عہد کے عرب کے مروجہ علوم میں بھی پوری دستگاہ رکھتے تھے، خطابت اس زمانہ کا بڑا کمال تھا، اور آپ کے عہد میں بڑے بڑے آتش بیان خطیب تھے، خود آپ کے والد بزرگوار حضرت علیؓ اپنے عہد کے سب سے بڑے خطیب تھے نہج البلاغہ کے خطبات آپ کے کمال خطابت کے شاہد ہیں، حضرت حسینؓ کو بھی اس موروثی کمال سے وافر حصہ ملا تھا چنانچہ آپ ممتاز خطیبوں میں تھے، واقعۂ شہادت کے سلسلہ میں آپ کے بہت سے خطبات گذر چکے ہیں، اس لئے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ان سے آپکی خطابت کا پورا اندازہ ہو گیا ہوگا،

---

[1] یہ تینوں واقعات استیعاب سے ماخوذ ہیں ج اول ص ۱۴۰،

کلمات طیبات | آپ کے کلمات طیبات یعنی چھوٹے چھوٹے پر حکمت مقولے بہت زیادہ سبق آموز اور اخلاقی نکات کے دفتر ہیں فرماتے تھے، سچائی عزت ہے، جھوٹ عجز ہے، رازداری امانت ہے، حق جوار قرابت ہے، امداد دوستی ہے، عمل تجربہ ہے، حسن خلق عبادت ہے، خاموشی زینت ہے، بخل فقر ہے، سخاوت دولت مندی ہے، نرمی عقلمندی ہے، ایک مرتبہ آپ نے حسن بصریؒ سے چند اخلاقی باتیں کہیں، حضرت حسن بصری ان باتوں کو سنکر متعجب ہوئے، وہ حضرت حسینؓ کو پہچانتے نہ تھے جب آپ چلے گئے تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون تھے لوگوں نے کہا حسینؓ بن علیؓ یہ سنکر حسن بصری نے کہا تم نے میری مشکل حل کردی یعنی اب کوئی تعجب کی بات نہیں[1]،

فضائل اخلاق، | افسوس ہے کہ ارباب سیر نے آپ کی شہادت کے واقعات کی تفصیل پر زیادہ زور صرف کیا ہے اور دوسرے فضائل کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، حالانکہ آپکی سیرت کا یہ نہایت ضروری حصہ ہے، تاہم مجملاً سب لکھتے ہیں کہ کان الحسین رضی اللہ عنہ کثیر الصلوٰۃ والصوم والحج والصدقۃ وافعال الخیر جمیعہا[2] یعنی حضرت حسینؓ بڑے نمازی، بڑے روزہ دار بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنیوالے تھے

عبادت | تمام اخلاقی فضائل میں راس الاخلاق عبادت ہے، حضرت حسینؓ کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا، نماز کی تعلیم بچپن میں خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے حاصل کی تھی غالباً اس تعلیم نے یہ ذوق پیدا کردیا تھا کہ شب و روز میں ایک ایک ہزار نوافل پڑھ ڈالتے تھے عربوں میں اولاد کی کثرت بڑے فخر کی چیز تھی، اور کم اولاد ہونا باعث عار سمجھا جاتا تھا حضرت حسینؓ کے بہت کم اولادیں تھیں ایک مرتبہ کسی نے زین العابدین سے کہا تمھارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے، آپ نے فرمایا اس پر تعجب کیوں ہے، وہ رات و دن میں ایک ایک ہزار نمازیں

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۹۲ [2] استیعاب و اسد الغابہ تذکرہ حسین،

پڑھتے تھے عورتوں سے ملنے کا انھیں موقعہ کہاں ملتا تھا[۱]

روزہ بھی کثرت کے ساتھ رکھتے تھے تمام ارباب سیر آپ کی روزہ داری کی کثرت پر متفق البیان ہیں، حج بھی بکثرت کرتے تھے، اور اکثر پا پیادہ حج کئے زبیر بن بکار مصعب سے روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ نے پچیس ۲۵ حج پا پیادہ کئے[۲]

صدقات وخیرات

مالی اعتبار سے آپ کو خدا نے جیسی فارغ البالی عطا فرمائی تھی، ویسے ہی آپ اس کی راہ میں خرچ کرتے تھے، علامہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حسینؓ خدا کی راہ میں کثرت سے خیرات کرتے تھے[۳] کوئی سائل کبھی آپ کے دروازہ سے ناکام نہ واپس ہوتا تھا، ایک مرتبہ ایک سائل مدینہ کی گلیوں میں پھرتا پھراتا ہوا در دولت پر پہنچا، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، سائل کی صدا سنکر جلدی جلدی نماز ختم کرکے باہر نکلے، سائل پر فقر وفاقہ کے آثار نظر آئے، اسی وقت قنبر خادم کو آواز دی، قنبر حاضر ہوا، آپ نے پوچھا ہمارے اخراجات میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے؟ قنبر نے جواب دیا، آپ نے دو سو ۲۰۰ درہم اہل بیت میں تقسیم کرنے کے لئے دیئے تھے، وہ ابھی تقسیم نہیں کئے گئے ہیں، فرمایا اسکو لے آؤ اہل بیت سے زیادہ ایک مستحق آگیا ہے، چنانچہ اسی وقت دو سو کی تھیلی منگاکر سائل کے حوالہ کردی، اور معذرت کی کہ اس وقت ہمارا ہاتھ خالی ہے اسلئے اس سے زیادہ خدمت نہیں کرسکتے[۴]

صدقات وخیرات کے علاوہ بھی آپ بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، شعرا کو بڑی بڑی رقمیں دے ڈالتے تھے، حضرت حسنؓ بھی فیاض تھے لیکن آپ کی فیاضی برمحل اور مستحق اشخاص کے لئے ہوتی تھی، حضرت حسینؓ کی طرح غلط بخش نہ تھے، اسلئے انھیں ان کی یہ بے محل فیاضیاں

---

[۱] یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۲ و ۱۹۳، [۲] تہذیب الاسماء نووی ج ۲ ص ۱۶۳، [۳] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۳ و ۳۲۴، [۴] ایضاً ص ۳۲۳

پسند نہ آتی تھین، چنانچہ آپ نے ان کو ایک مرتبہ ان کی اس غلط بخشی پر ٹوکا، حضرت حسین نے جواب دیا کہ بہترین مال وہی ہے جس کے ذریعہ سے آبرو بچائی جائے[۱]

وقار سکینہ | سکینہ اور وقار آپ کا خاص وصف تھا، آپ کی مجلس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھی، امیر معاویہ نے ایک شخص سے حضرت حسین کی مسجد کا پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ صلعم کی مجلس مین داخل ہو تو وہان لوگون کا ایک حلقہ نظر آئیگا، اس حلقہ مین لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہون گے کہ گویا ان کے سرون پر چڑیان بیٹھی ہوئی ہین یہ ابو عبداللہ کا حلقہ ہوگا

انکسار و تواضع | لیکن اس وقار و سکینہ کے باوجود تمکنت و خود پسندی مطلق نہ تھی، اس کے برعکس آپ حد درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے، ادنی ادنی اشخاص سے بے تکلف ملتے تھے، ایکمرتبہ کسی طرف جارہے تھے، راستہ مین کچھ فقرا کھانا کھارہے تھے حضرت حسین کو دیکھکر انھین بھی مدعو کیا، ان کی درخواست پر آپ فوراً سواری سے اتر پڑے اور کھانے مین شرکت کرکے فرمایا کہ تکبر کرنے والون کو خدا دوست نہین رکھتا[۲]

ایثار و حق پرستی | آپ کی کتاب فضائل اخلاق کا نہایت جلی عنوان ہے، اسکی مثال کیلئے تنہا واقعۂ شہادت کافی ہے کہ حق کی راہ مین سارا کنبہ تہ تیغ کرا دیا، لیکن ظالم حکومت کے مقابلہ مین سپر نہ ڈالی،

استقلال رائے | حضرت حسن سراپا حلم تھے آپ کے مزاج مین مطلق گرمی نہ تھی، بنو ہاشم اور بنو امیہ مین بہت قدیم رقابت تھی لیکن حسن نے اس رقابت کو بھی دل سے فراموش کر دیا تھا، اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ مین خلافت سے دست بردار ہوگئے، اس باب مین حضرت حسین کا حال حضرت حسن سے بالکل مختلف تھا، بنی امیہ کے مقابلہ مین آپ کسی

---

[۱] ابن عساکر ج ۴ ص ۳۲۲، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً

دستبرداری اور مصالحت کو پسند نہیں فرماتے تھے، جس پر آپ کی تقریرین شاہد ہین، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب امام حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت حسینؓ نے نہایت سختی کے ساتھ اسکی مخالفت کی لیکن امام حسنؓ نے انکی مخالفت کے باوجود اپنا ارادہ نہ بدلا اور خلافت سے دستبردار ہو کر دنیا کو بتا دیا کہ مسلمانون کی خیر خواہی کیلئے سلطنت و حکومت کو بھی ٹھکرا دینا چاہئے، لیکن حضرت حسینؓ کی یہ عصبیت بھی حق پرستی ہی کا نتیجہ تھی، اسلئے دونون بزرگون کے اوصاف اخلاق کے دو مختلف مظاہر تھے،

ذاتی حالات، ذریعہ معاش، حضرت حسینؓ مالی حیثیت سے ہمیشہ فارغ البال رہے اور بہت عیش و آرام کیساتھ زندگی بسر کی، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین ۵ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا جو حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک برابر ملتا رہا، اس کے بعد حضرت حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کے وقت امیر معاویہؓ سے انکے لئے دو لاکھ سالانہ مقرر کرا دیئے تھے غرض اس حیثیت سے آپ کی زندگی مطمئن تھی،

ازواج و اولاد، آپ نے مختلف اوقات مین متعدد شادیان کین، آپ کی ازواج مین لیلیٰ، حباب، حرار، سکینہ، اور عزالہ تھین، ان سے متعدد اولادین ہوئین، جن مین علی اکبر، عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا مین شہید ہو گئے، زین العابدینؓ باقی تھے، انھین سے نسل چلی، صاحبزادیون مین سکینہ، فاطمہ، اور زینب تھین،

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

نام ونسب | عبداللہ نام ابوبکر اور ابوخبیب کنیت، والد ماجد کا نام زبیر اور والدۂ محترمہ کا اسمار تھا، جدّی شجرہ یہ ہے، عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی قرشی اسدی، نانہالی نسب نامہ یہ ہے، اسمار بنت ابی بکر بن ابو قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر،

حضرت عبداللہؓ کی ذات اپنے خاندانی شجرہ اور اپنی قرابتون کے لحاظ سے متعدد شرفون کی حامل تھی، آپ کے والد ماجد حضرت زبیرؓ بن عوام آنحضرت صلعم کے حواری اور عشرہ بشرہ مین تھے، ام المومنین حضرت خدیجہ صدیقہؓ آپ کی پھوپھی تھین، آنحضرت صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی دادی تھین، اس رشتہ سے آپ کو آنحضرت صلعم کے بھانجے ہونے کا فخر حاصل تھا، یہ داد ہالی افتخار ہین، نانہالی رشتون کے لحاظ سے بھی آپ کو متعدد فضائل حاصل تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے نانا تھے، آپ کی والدہ حضرت اسمارؓ کو بارگاہِ نبوت سے ذات النطاقین کا محبت آمیز لقب ملا تھا، آنحضرت صلعم کی محبوب ترین حرم محترم حضرت عائشہؓ آپ کی خالہ تھین، غرض دادھیال و ننہال جس اُفق پر نظر ڈالو، تم کو آسمانِ فضائل کے مہر و ماہ نظر آئین گے،

پیدائش | ایسے معزز گھرانون سے مل کر حضرت عبداللہؓ کی ذاتِ گرامی وجود مین آئی

سنہ پیدائش کے بارہ مین روایات مختلف ہین بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہی کہ آپ[۱] سنہ ۱ھ مین پیدا ہوئے، اور بعض سے سنہ ۲ھ[۲] مین پیدائش کا ثبوت ملتا ہی، پہلی روایت زیادہ مستند ہے تاریخ اسلام مین آپ کی پیدائش کو غیر معمولی اہمیت اور شہرت حاصل ہے، اس کا سبب یہ تھا کہ مہاجرین کے مدینہ آنے کے بعد عرصہ تک ان مین سے کسی کے اولاد نہ ہوئی اور یہودیون نے مشہور کر دیا کہ مسلمانون کی انقطاعِ نسل کے لئے انھون نے سحر کر دیا ہی، عین اسی شہرت کے زمانہ مین ان اوہام باطلہ کی تردید کے لئے حضرت عبد اللہؓ پیدا ہوئے، اس لئے مسلمانون کو آپ کی پیدائش پر غیر معمولی مسرت ہوئی، آپ کی والدۂ محترمہ نومولود فرزند کو لیکر آنحضرت صلعم کی خدمت بابرکت مین حاضر ہوئین، اور آغوشِ رسالت مین دیدیا، آپ نے گود مین لیکر خیر و برکت کی دعا دی، اور تبرکاً کھجور چبا کر اس نومولود کے منہ مین ڈالی، اس طرح دنیا مین آنے کے بعد اس مائدۂ عالم سے جو سب سے پہلی نعمت عبد اللہؓ کے منہ مین گئی، وہ آنحضرت صلعم کا لعابِ دہن تھا،[۱]

بیعت جب سات آٹھ سال کے ہوئے تو حضرت زبیرؓ نے انھین ایکدن آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر کیا، آپ ان کو دیکھکر مسکرائے، اور اس چھوٹے مسلمان سے بیعت لی، اس طرح انکو بہت صغر سنی مین بیعتِ نبوی کا بھی شرف حاصل ہو گیا،[۲]

بچپن مین بلندی کے آثار یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جو اشخاص مستقبل مین بڑے ہونے والے ہوتے ہین، ان کے بچپن ہی کے واقعات ان کے روشن اور پرعظمت مستقبل کا پتہ دیتے ہین، خصوصاً ان اوصاف کے آثار جو آیندہ چل کر بڑا بنانے والے ہوتے ہین بہت نمایان نظر آتے ہین، اگر ہم دنیا کے اکابر رجال کے ابتدائی حالات کا کھوج لگاؤ تو ہم کو ان کی صغر سنی ہی کے

[۱] بخاری کتاب العقیقہ باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد پیدائش کا سنہ اصابہ تذکرۂ عبد اللہ بن زبیرؓ سے ماخوذ ہی [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۸

واقعات سے ان کی آیندہ عظمت کا پتہ چل جائیگا،

چونکہ عبداللہؓ کو آگے چل کر اکابر رجال کی فہرست مین داخل ہونا تھا، اور تاریخ اسلام مین اپنے عزم و حوصلہ اور تہور و شجاعت کی داستانین چھوڑنی تھین، اس لئے بچپن ہی سے وہ نہایت جری، بے باک، باحوصلہ، بہادر اور خود پرست تھے، بچون مین عموماً خوف و ہراس غالب ہوتا ہی، اور وہ معمولی معمولی باتون سے ڈر جاتے ہین لیکن عبداللہ اس عُمر مین بھی بڑے نڈر تھے، اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ بچون کے ساتھ کھیل رہے تھے، کہ ایک شخص نے چیخ مار کر بچون کو بھگا دیا، لیکن عبداللہؓ فوراً سنبھل کر لوٹ پڑے اور لڑکون سے کہا کہ تم لوگ ہم کو اپنا سردار بنا کر اس شخص پر حملہ کر دو، چنانچہ اسی وقت ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر کے اس شخص پر حملہ کر دیا،

حضرت عمرؓ درشت مزاج آدمی تھے، اس لئے لڑکے انھین دیکھکر اپنی شرارت بھول جاتے تھے، اور بھاگ نکلتے تھے، ایک مرتبہ ابن زبیرؓ بچون کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمرؓ ادھر سے گذرے تو سب بچے ان کو دیکھکر بھاگ گئے، لیکن عبداللہ بدستور اپنی جگہ کھڑے رہے حضرت عمرؓ نے پوچھا تم کیون نہین بھاگے؟ انھون نے کڑک کر جواب دیا، مین کیون بھاگتا، نہ مین نے کوئی جرم کیا تھا، اور نہ راستہ تنگ تھا، کہ آپ کے لئے چھوڑتا[1]، ان واقعات سے معلوم ہوتا ہی، کہ عبداللہؓ بچپن ہی سے کسقدر جری اور دلیر تھے،

عہد خلفاء رسول اللہ صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین ابن زبیرؓ بہت کم سن تھے، اس لئے ان دونون زمانون کا کوئی واقعہ ذکر کے قابل نہین ہے، البتہ ایک روایت سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خندق مین وہ ایک اونچے ٹیلے پر سے غزوۂ خندق کا تماشہ دیکھتے تھے، اس وقت

[1] یہ دونون واقعہ ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۳ سے ماخوذ ہین،

ان کی عمر کل چار پانچ سال کی تھی، اس روایت سے بھی ان کی فطری صلاحیت و استعداد کا پتہ چلتا ہے، ورنہ اتنا کم سن بچہ ایسے ہولناک مناظر کے تخیل سے سہم جاتا، لیکن ابن زبیرؓ نے اسے دیکھا اور محفوظ رکھا[1] حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ مین بھی بچپن ہی تھا، البتہ آخری عہد مین نوجوانی کا آغاز ہوگیا تھا، چنانچہ ۲۲ھ مین جبکہ ان کی عمر ۱۲ سال کی تھی سب سے اول یرموک کی جنگ مین اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوئے[2]، اور غالباً یہ ان کے میدان جہاد مین قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس شرکت نے انکی فطری صلاحیت کو ابھار دیا اور میدان جنگ ایسا بھایا کہ پھر مرتے دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوٹی،

جنگ طرابلس حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین پورے آزمودہ کار بہادر ہوگئے تھے، اس لئے ان کے اصل کارنامون کا آغاز اسی عہد سے ہوتا ہے، چنانچہ اس عہد مین سب سے اول طرابلس کی جنگ مین شریک ہوئے اس کی تسخیر درحقیقت عبداللہؓ ہی کی خوش تدبیری کا نتیجہ تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۶ھ مین جب عبداللہ بن ابی سرح نے طرابلس پر حملہ کیا تو یہان کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار لشکر جرّار کے ساتھ مقابلہ کو نکلا، عرصہ تک دونون مین نہایت زبردست مقابلہ ہوتا رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا، حضرت عثمانؓ کو میدان جنگ کے حالات کی کوئی خبر نہ ملتی تھی، اس لئے آپ نے ابن زبیرؓ کو ایک دستہ کے ساتھ دریافت حال کیلئے بھیجا، یہ طرابلس پہنچے تو مسلمانون نے انھین دیکھکر تکبیر کا نعرہ لگایا، جرجیر نے اس کا سبب پوچھا، معلوم ہوا مسلمانون کا امدادی دستہ آیا ہے، یہ سنکر وہ گھبرا گیا، عبداللہ بن زبیرؓ کے آنے سے پہلے جنگ نہایت بے ترتیب ہو رہی تھی، مقابلہ کا کوئی وقت معین نہ تھا، انھون نے آتے ہی سب سے پہلے صبح سے دوپہر تک کا وقت مقابلہ کے لئے مقرر کیا، چنانچہ روزانہ صبح سے لیکر دوپہر تک

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۵ [2] اصابہ ج ۴ ص ۷۱،

مقابلہ ہونے لگا، بعد نماز ظہر مجاہدین اپنے اپنے خیمون مین چلے جاتے تھے، ابن زبیرؓ تمام مجاہدین کو میدان جنگ مین دیکھتے تھے، لیکن ابن ابی سرح انہین کہین نہ نظر آتا تھا، سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ جرجیر نے اعلان کیا ہے کہ "جو شخص، عبداللہ بن سعد کا سر لائیگا، اس کو ایک لاکھ دینار انعام دیا جائیگا، اور اپنی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دیگا" اس اعلان کی وجہ سے وہ کھلے بندون نہین نکلتا ہے، یہ سنکر ابن زبیرؓ عبداللہ بن سعد کے پاس گئے، اور اس سے کہا کہ اس مین خوف کی کیا بات ہے، تم بھی اعلان کرادو کہ "جو شخص جرجیر کا سر لائیگا اس کو ایک لاکھ نقد انعام دیا جائیگا، اس کی لڑکی اس کے ساتھ بیاہ دیجائے گی، اور اس کے پورے ملک کا اُسے حکمران بنا دیا جائیگا" ابن زبیرؓ کے اس مشورہ کے مطابق عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے یہ اعلان کردیا، اس اعلان پر جرجیر عبداللہ بن سعد سے بھی زیادہ ہراسان ہوگیا، لیکن جنگ پر پھر بھی اس کا کوئی اثر نہ پڑا، وہ برابر طول کھینچتی چلی جارہی تھی، اور کوئی فیصلہ نہ ہوتا تھا، ایک دن ابن زبیرؓ نے ابن ابی سرح سے کہا کہ جنگ کا سلسلہ ختم ہونے مین نہین آتا، ہم لوگ اپنے ملک سے بہت دور ہین، ہمارا حریف اپنے ملک کے اندر ہے، اس کو ہر طرح کی مدد مل رہی ہے، اسلئے میرا مشورہ یہ ہے کہ کل ہم لوگ فوج کے ایک حصہ کو آرام کرنے دین، اور ایک حصہ کو لیکر مقابلہ کے لئے نکلین جب معمول کے مطابق رومی تھک کر لوٹ جائین تو ہم لوگ تازہ دم فوج لیکر فوراً حملہ کردین، اس تدبیر سے ممکن ہے خدا ہمین کامیاب کردے، ابن ابی سرح نے یہ مشورہ عام صحابہؓ کے سامنے پیش کیا، سب نے اس مفید تجویز کی تائید کی، چنانچہ اسلامی فوج کے تمام منتخب بہادرون کو ساز و سامان سے لیس کرکے خیمون مین چھوڑ دیا گیا، اور باقی مسلمان میدان مین نکلے، صبح سے دوپہر تک نہایت زوردار مقابلہ ہوتا رہا، بعد نماز ظہر جب معمول کے مطابق رومیون نے اپنے خیمون مین لوٹنا چاہا تو ابن زبیرؓ نے لوٹنے کا موقعہ نہ دیا اور برابر

جنگ کا سلسلہ جاری رکھا، جب فریقین تھک کر چور چور ہو گئے تو ایک دوسرے سے الگ ہوکر اپنے اپنے لشکرگاہ پر لوٹ گئے، رومیوں کے واپس جاتے ہی ابن زبیرؓ تازہ دم فوج لیکر پہنچ گئے اور رومیوں پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ ان کو ہتھیار سنبھالنے کا بھی موقعہ نہ مل سکا، اس تدبیر سے مسلمان غالب آگئے، اور رومیوں نے نہایت فاش شکست کھائی، اس معرکہ میں جرجیر کی لڑکی بھی گرفتار ہوئی،

رومیوں کو میدان سے بھگانے کے بعد ابن ابی سرح نے محاصرہ کرکے شہر فتح کیا اس میں اتنا مال غنیمت ہاتھ آیا کہ فی سوار تین تین ہزار اور فی پیادہ ایک ایک ہزار دینار حصہ میں پڑا اسبیطلہ کی فتح کے بعد ابن ابی سرح نے سارے طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلادیں، اور ابن زبیرؓ فتح کا مژدہ لیکر مدینہ واپس گئے اس طرح طرابلس کی فتح کا سہرا درحقیقت ابن زبیرؓ ہی کے سر رہا[1]،

طبرستان کی فوج کشی میں شرکت، افریقیہ کی فتح کے بعد ۳۰ھ میں طبرستان کی فوج کشی میں شریک ہوئے اور نمایاں حصہ لیا[2]، ان دونوں فوج کشیوں کے علاوہ اس عہد کے اکثر معرکوں میں ابن زبیر نے داد شجاعت دی لیکن ان میں ان کے کوئی نمایاں کارنامے نہیں ہیں، اس لئے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں،

حضرت عثمانؓ کی حفاظت حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور تک مسلمانوں کا شیرازہ بندھا ہوا تھا، اور ان کی تمام قوتیں غیر مسلموں کے خلاف صرف ہوتی تھیں، اس لئے جدھر رخ کر دیتے تھے، فتح و نصرت ان کے قدم لیتی تھی، لیکن چند ہی برسوں میں دفعۃً حالات بدل گئے، اور مسلمانوں میں اس زور شور کا تفرقہ پیدا ہوا کہ پھر ان کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۶ تا ۷۰، [2] ایضاً ص ۸۴،

ابتدا مین چند اشخاص کو حضرت عثمانؓ کے خلاف کچھ شکایتین تھین، فتنہ پردازون نے انھین آڑ بنا کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسی زبردست آگ لگائی کہ مسلمانون کی پینتیس سالہ مساعی جل کر خاکستر ہوگئین، اور ۳۵ھ مین فتنہ پردازون کی جسارت یہان تک بڑھ گئی کہ خلیفۃ المسلمین کو قصر خلافت مین گھیر لیا، ایسے نازک وقت مین خلیفہ مظلوم کی حفاظت کے لئے جو سرفروش نکلے تھے ان مین ایک ابن زبیرؓ بھی تھے،[1]

حضرت عثمانؓ کی شہادت اور جنگ جمل

لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ کا جو طوفان اٹھایا گیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ چند مصلحین کے روکنے سے تھم جاتا، چنانچہ اس نے حضرت عثمانؓ کی شمع حیات بجھا کر دم لیا، آپ کی شہادت پر صحابہ مین تین گروہ ہوگئے تھے، ایک گروہ خانہ نشین ہوگیا تھا، دوسرا حضرت علیؓ کے ساتھ آپ کی حمایت مین تھا، اور تیسرا خلیفہ مظلوم کا قصاص لینے پر آمادہ تھا، اس آخری جماعت کے سرگروہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، عبداللہؓ اور عائشہ صدیقہؓ تھین، اس اختلاف نے صحابہ کے دو گروہون کو باہم صف آرا کر دیا، حضرت عثمانؓ کے انتقام لینے والے گروہ کی قیادت حضرت عائشہؓ کرتی تھین، اور حضرت علیؓ ان کے مقابل مین صف آرا تھے، عین میدان جنگ مین جب مسلمانون کی تلوارین ایک دوسرے کا خون پی رہی تھین، حضرت علیؓ نے عبداللہؓ کے والد زبیرؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی، زبیرؓ اسے سنکر الٹے پاؤن لوٹ گئے، آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن حواری رسولؐ آقائے نامدار کی پیشین گوئی سننے کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اسکا مصداق نہین بن سکتا تھا،[2]

محتاط صحابہ نے اس خانہ جنگی کو روکنے کی بہت کوششین کین، لیکن کوئی کوشش بھی

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۵۹، [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۶۶،

کارگر نہ ہوئی اور مسلمانون کے دو مقدس گروہون مین نہایت خون آشام جنگ شروع ہو گئی، حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار اپنی فوج کی حوصلہ افزائی فرماتی تھین، یہ جنگ دو مقدس ہستیون کی غلط فہمی اور خطاے اجتہادی کا نتیجہ تھی ان کے پیروون نے شخصیات کا بھی لحاظ اٹھا دیا تھا اس لئے حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر برابر تیرون کا مینہ برس رہا تھا، اور ناموس نبوت کے فدائی اونٹ کے گرد پروانہ وار حریم نبوت کی شمع پر فدا ہو رہے تھے، ابن زبیرؓ بھی خالہ کی حفاظت مین سر بکف محمل کے پاس پہنچے، حضرت عائشہؓ نے محمل کے اندر سے پوچھا کون؟ ابن زبیرؓ نے کہا امان آپ کا بیٹا حضرت عائشہؓ نے پیار کے لہجہ مین ڈانٹا، ابھی خالہ بھانجے مین گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت علیؓ کی فوج سے اشتر نخعی حضرت عبد اللہؓ کی طرف لپکا، انھون نے تلوار سونت لی، اور دونون مین چلنے لگی، اشتر نے ایسا وار کیا، کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا، انھون نے بھی جواب دیا، مگر اوچھا پڑا، اور دونون باہم دست و گریبان ہو گئے، لیکن دونون طرف کے آدمیون نے بڑھ کر چھڑا دیا[1] اس جنگ مین ابن زبیرؓ اپنی خالہ اور آنحضرت صلعم کی حرم محترم کی حفاظت مین اس بہادری اور بے جگری سے لڑے کہ سارا بدن زخمون سے چھلنی ہو گیا، اختتام جنگ کے بعد شمار کیا گیا، تو تلوارون اور نیزون کے ۴۰ سے زیادہ زخم بدن پر تھے[2]

یزید کی ولیعہدی ابن زبیر کی مخالفت

جنگ جمل مین خالہ کی محبت اور پاس ناموس نبوت میدان جنگ مین کھینچ لایا تھا لیکن اس کے بعد صفین کی خانہ جنگی مین مطلق کوئی حصہ نہ لیا، بلکہ رفع شر کے خیال سے امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اور اس وقت تک اس بیعت پر قائم رہے جب تک امیر معاویہؓ نے اسلامی خلافت کو موروثی سلطنت بنانے کی کوشش نہین کی، لیکن جب انھون نے یزید کو ولیعہد بنانے کا ارادہ کیا، تو ابن زبیرؓ نے اس کے خلاف بڑے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۶ [2] اصابہ ج ۴ تذکرۂ عبد اللہ بن زبیرؓ

شد و مد سے آواز بلند کی، چنانچہ جب امیر معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لئے مدینہ آئے، اور حسینؓ، عبدالرحمن بنؓ ابی بکر وغیرہ کو بلایا تو ان لوگوں نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ابنؓ زبیر کو اپنا نمایندہ منتخب کیا، امیر معاویہؓ نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے، تمہارے ساتھ جس قدر صلہ رحمی کرتا ہوں، اور تمہاری جلنی باتیں انگیز کرتا ہوں وہ سب تمکو معلوم ہیں، یزید تمہارا بھائی اور تمہارا ابن عم ہے، میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم لوگ صرف نام کے لئے اس کو خلیفہ کا لقب دیدو، باقی عمّال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول اور اس کا صرف سب تم ہی لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا، اور وہ اس میں کوئی مزاحمت نہ کریگا، یہ سنکر سب خاموش ہو گئے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا، ان کی خاموشی پر امیر معاویہ نے ابن زبیرؓ سے کہا تم ان کے خطیب اور نمایندہ ہو، اس لئے تم جواب دو، انھوں نے کہا، اگر آپ رسول اللہ صلعم، ابوبکرؓ اور عمرؓ میں سے کسی ایک کا طریقہ انتخاب بھی اختیار کیجئے تو اس کے قبول کرنے میں ہم کو کوئی عذر نہ ہوگا، امیر نے کہا ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا؟ ابن زبیرؓ نے جواب دیا رسول اللہ صلعم نے اپنی وفات کے وقت کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا، آپ کے بعد مسلمانوں نے ابوبکرؓ کو منتخب کر لیا، امیر معاویہؓ نے کہا یہ سچ ہے، لیکن آج ہم میں ابوبکر کی ایسی شخصیت کس کی ہے جس پر سب کا اتفاق ہو جائے، ایسی صورت میں تو اختلاف کے اور زیادہ بڑھنے کا خطرہ ہے، ابن زبیرؓ نے کہا تو پھر ابوبکرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو خلیفہ بنایا جس کا نسبی تعلق قریش سے دور پر ملتا تھا، اور وہ انکا عزیز بھی نہ تھا، یا عمرؓ کا طریقہ اختیار کیجئے کہ انھوں نے چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے ایک کا انتخاب مجلس شوریٰ پر چھوڑ دیا، ان چھ آدمیوں میں سے کوئی بھی نہ ان کی اولاد میں تھا اور نہ ان کی باپ کی اولاد میں، امیر معاویہؓ نے کہا، اس کے علاوہ اور کوئی صورت ہے؟ ابن زبیرؓ نے کہا نہیں،

اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس کی تفصیل امیر معاویہؓ کے حالات میں گذر چکی ہے، اسلئے یہاں اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں، امیر معاویہؓ ابن زبیرؓ کی اس دلیری اور جرأت سے ہمیشہ ان سے کھٹکتے رہے، چنانچہ اپنی وفات کے وقت جب انھوں نے ابن زبیرؓ اور ان کے معاصرین کے متعلق یزید سے وصیت کی تو ابن زبیرؓ کے خطرہ سے اس کو خاص طور سے آگاہ کیا، کہ "جو شخص لومڑی کی طرح کاوے دیکر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا، وہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہے اگر وہ مصالحت کرلیں تو فبہا ورنہ قابو پانے کے بعد ان کو ہرگز نہ چھوڑنا[1]"

امیر معاویہ کا انتقال حضرت حسینؓ کا سفر کوفہ اور ابن زبیرؓ کا مشورہ

یزید کی ولیعہدی کی بیعت کے چار[2] سال بعد سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا، اور یزید ان کا جانشین ہوا اس وقت اس کیلئے سب سے بڑا سوال حضرت حسینؓ اور ابن زبیرؓ کی بیعت کا تھا، چنانچہ زمام حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ولید بن عتبہ حاکم مدینہ کے نام حسینؓ اور ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کا تاکیدی حکم بھیجا، اس حکم پر ولید نے ان دونوں کو بلا بھیجا، حسینؓ اس کی طلبی پر چلے آئے لیکن ابن زبیر نے ایک دن کی مہلت مانگ لی اور راتوں رات مدینہ سے مکہ نکل گئے، ولید کو خبر ہوئی، تو ان کی تلاش میں آدمی دوڑائے، مگر ابن زبیرؓ دور نکل چکے تھے، مکہ پہنچنے کے بعد یہاں مستقل قیام کردیا، اسی دوران میں حضرت حسینؓ کوفہ کے قصد سے مدینہ سے مکہ آئے، ابن زبیرؓ کو جب معلوم ہوا کہ عراقی پورے طور پر حسینؓ کی امداد کے لئے آمادہ ہیں، اور وہ ان کی دعوت پر کوفہ جانے والے ہیں، تو آپ کے پاس جاکر پہلے آپ کے اس ارادہ کی تائید کی، پھر اس خیال سے کہ مبادا اس تائید سے حضرت حسینؓ کو ان کی جانب سے کوئی بدگمانی پیدا ہو، یہ مشورہ دیا کہ آپ حجاز ہی میں رہ کر حصول خلافت کی کوشش کیجئے، ہم سب بیعت کرکے آپکی

---

[1] الفخری ص ۱۰۳ و طبری،

کامیابی کیلیے کوشش کرینگے، اور ہر طرح سے آپ کے خیر خواہ رہین گے حضرت حسین رضؓ نے فرمایا مین نے اپنے والد سے ایک حدیث سنی ہے کہ "حرم کا ایک مینڈھا ہے، جس کی وجہ سے اس کی حرمت اٹھ جائیگی" اس لئے مین چاہتا ہون کہ مین وہ مینڈھا نہ بنون" اس جواب پر ابن زبیرؓ نے پھر بہ اصرار کہا کہ آپ حرم مین قیام کئے ہوئے بیٹھے رہئے، باقی تمام کام مین انجام دونگا، لیکن حضرت حسینؓ نے جواب دیا کہ "اگر مین حرم سے ایک بالشت بھی باہر قتل کیا جاؤن، تو وہ مجھے حرم مین قتل ہونے سے زیادہ پسند ہے،" حضرت حسینؓ کو ان کی طرف سے کچھ بدگمانیان تھین، اس لئے ان کے مشورون کو خیر خواہی پر محمول نہ فرمایا، اور یون بھی آپ کوفہ جانے کا فیصلہ کر چکے تھے، اس لئے ابن زبیرؓ کا مشورہ رائگان گیا[۱]،

یزید اور ابن زبیرؓ مین مخالفت	ابن زبیرؓ اپنے ورود مکہ سے لیکر حضرت حسینؓ کی شہادت تک سکون و اطمینان کے ساتھ حرم کی پناہ مین بیٹھے رہے، کیونکہ اس درمیان مین

شامی حکومت حضرت حسینؓ سے نپٹ رہی تھی، واقعۂ شہادت کے بعد جب یزید کو حضرت حسینؓ کی طرف سے فراغت ملی تو اس نے چند آدمیون کو ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کے لئے مکہ بھیجا، ابن زبیرؓ نے انھین یہ جواب دیا کہ "مین یزید کی کسی بات کا جواب نہ دونگا، مین باغی نہین ہون لیکن اپنے کو دوسرے کے قبضہ مین بھی نہ دونگا،" ان لوگون نے یہ جواب جاکر یزید کو سنا دیا، لیکن یزید کسی ایسے شخص کو جس کی جانب سے اسکی حکومت کو خطرہ ہوسکتا تھا بغیر قابو مین لائے چھوڑنے والا نہ تھا خصوصاً ابن زبیرؓ کے بارہ مین تو معاویہؓ کی وصیت موجود تھی، اس لئے اس نے دوبارہ سرزمین شام کا ایک وفد بھیجا، ایک مرتبہ حضرت حسینؓ کی شہادت مین اسے اپنی غفلت کا نہایت تلخ تجربہ ہوچکا تھا، اسلئے اس مرتبہ

[۱] طبری ج ۷، ص ۲۷۴،

ارکانِ وفد کو بہ تصریح ہدایت کر دی کہ بلا ظلم و تعدی سمجھا بجھا کر کسی طرح ابن زبیرؓ سے بیعت لینے کی کوشش کرنا چنانچہ ان لوگون نے حرم مین جا کر ابن زبیرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا، ابن زبیرؓ نے اس وفد کے ایک رکن ابن عضاہ سے کہا کیا تم حرم مین خون بہانا پسند کر وگے؟ اس نے جواب دیا اگر تم بیعت نہ کروگے تو اس مین بھی دریغ نہ کرونگا، ابن زبیرؓ نے حرم کے ایک کبوتر کیطرف اشارہ کرکے کہا کہ اس مقام پر تو اس پرندہ کا خون بھی حرام ہے ابن عضاہ نے تیر کمان مین جوڑکر کبوتر کے سامنے کرکے اس سے خطاب کیا کہ تو امیر المومنین کے حکم سے سرتابی کریگا؟ پھر ابن زبیرؓ سے کہا اگر یہ کبوتر اس سوال پر ہان کہتا، تو خاک و خون مین تڑپتا نظر آتا ابن عضاہ کا یہ جواب سنکر ابن زبیرؓ اس وفد کے ایک دوسرے رکن نعمان بن بشیر کو تخلیہ مین لیگئے اور ان کے سامنے اپنا اور یزید کا موازنہ کیا، نعمان نے کہا مجھکو آپ کے تمام فضائل کا اعتراف ہے، ان سے اعتراف کرلنے کے بعد کہا کیا اس کے بعد بھی تم مجھکو یزید کی بیعت کا مشورہ دو گے نعمان نے کہا اگر آپ میری ذاتی رائے پوچھتے ہین تو مین کبھی آپ کو مشورہ نہ دونگا، اور نہ آیندہ اس مقصد کے لئے آپ کے پاس آؤنگا، اس گفتگو کے بعد شامی وفد ناکام واپس چلا گیا، اور یزید کے سامنے بیان دیا کہ ابن زبیرؓ بیعت کے لئے آمادہ نہین ہین مسلم بن عقبہ مری نے نعمان کی شکایت کی کہ انھون نے ابن زبیرؓ سے تخلیہ مین کچھ گفتگو کی تھی، اور اس گفتگو کے بعد وہ بغیر اپنا کام پورا کئے ہوئے لوٹ آئے،

ابن زبیرؓ کا دعویٰ خلافت اور شامی فوج کا مدینۃ الرسول کو لوٹنا

شامی وفد کی واپسی کے بعد ابن زبیرؓ نے تہامہ اور اہل حجاز کو اپنی بیعت کی دعوت دی، ابن عباس اور محمد بن حنفیہ کے علاوہ باقی اور تمام لوگون نے بیعت کر لی، بیعت لینے کے بعد انھون نے یزید کے تمام عاملون کو مدینہ سے نکالدیا اور یہان سے بنی امیہ کی حکومت اٹھ گئی، یزید کو ان حالات کی خبر ہوئی تو اس نے مسلم بن عقبہ

مری کو ایک فوج گران کے ساتھ حجاز روانہ کیا، اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کی تادیب کیجائے (انھون نے بھی مکہ والون کی طرح اپنے یہان سے اموی عمال کو نکالدیا تھا) اور مدینہ سے فراغت کے بعد پھر مکہ مین ابن زبیرؓ کا مقابلہ کیا جائے، چنانچہ اس ہدایت کے مطابق مسلم پہلے مدینہ آیا، یہان کے باشندے پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے، دونون مین نہایت پرزور مقابلہ ہوا، لیکن اہل مدینہ حکومت کی طاقت کی تاب نہ لاسکے اور شکست کھا گئے، اس معرکہ مین بہت سے انصاری شہید ہوئے، اور شامی فوج تین شبانہ روز تک نہایت بے دردی کیساتھ مدینۃ الرسول کو لوٹتی، اور یہان کے باشندون کو بے دریغ قتل کرتی رہی، پھر باشندگان مدینہ سے بزور شمشیر یزید کی بیعت لے کر مکہ روانہ ہوئی[۱]،

مکہ کا محاصرہ اور یزید کی موت

ابھی مسلم مکہ نہ پہنچا تھا کہ اس کا وقت آخر ہو گیا اور وہ راستہ ہی مین حصین بن نمیر کو اپنا جانشین بنا کر چل بسا، اس وقت ابن زبیرؓ حرم محترم مین پناہ گزین تھے، حصین بن نمیر نے مکہ پہنچکر حرم کا محاصرہ کر لیا، اور جبل ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشباری شروع کر دی، اس آتش باری سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچا[۲]،

ابن زبیرؓ اور حصین مین مقابلہ جاری تھا کہ ربیع الاول ۶۴ھ مین یزید کا انتقال ہو گیا، اس کی موت سے شامیون کی ہمت چھوٹ گئی، اور حصین بن نمیر نے ابن زبیرؓ سے کہلا بھیجا کہ جس کے لئے ہم لڑتے تھے وہ مر گیا، اس لئے اب صلح کر کے حرم کے دروازے کھول دو تاکہ ہمارے آدمی خانہ کعبہ کا طواف کر لین، اور اب آپس مین ملنا جلنا چاہئے، اس کی اس درخواست پر ابن زبیرؓ نے حرم کے دروازے کھول دیئے، اور شامی بلا تکلف طواف کرنے لگے، اس سلسلہ مین ایک

[۱] اخبار الطوال ص ۲۷۲ تا ۲۷۶، ابن اثیر نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے،

[۲] ابوالفدا ج ۲ ص ۱۹۲،

دن ابن زبیرؓ اور حصین میں ملاقات ہوگئی، یہ وہ وقت تھا کہ یزید کی وفات سے بنی امیہ کی قوت کمزور پڑ چکی تھی، اور اس وقت ان میں کوئی ایسا باحوصلہ شخص نظر نہ آتا تھا، جو تاج و تخت کو سنبھال سکتا، اس لئے حصین نے ابن زبیرؓ کا ہاتھ پکڑ کے آہستہ سے کہا کہ "اگر تم میرے ساتھ شام چلے چلو تو میں وہاں تمھاری بیعت کے لئے کوشش کروں، ان لوگوں (بنی امیہ) کا معاملہ اب کمزور پڑ چکا ہے، اور موجودہ وقت میں تم سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا مستحق نظر نہیں آتا،" یہ رازدارانہ گفتگو سنکر ابن زبیرؓ نے حصین کا ہاتھ جھٹک دیا، اور بآواز بلند جواب دیا کہ جب تک ایک ایک حجازی کے بدلہ میں دس دس شامیوں کا سر نہ قلم کرلونگا اس وقت تک یہ ناممکن ہے، حصین نے مایوس ہوکر جواب دیا کہ جو شخص تم کو داہئ عرب میں شمار کرتا ہے، وہ غلطی پر ہے، میں تم سے راز کی گفتگو کرتا ہوں، اور تم چلا کر اس کا جواب دیتے ہو، میں تم کو امن و سلامتی کی طرف بلاتا ہوں اور تم میدان جنگ میں کھینچتے ہو، ابن زبیرؓ کی اس محاربانہ اسپرٹ سے مایوس ہوکر حصین فوج لئے ہوئے شام چلا گیا[1]

درحقیقت ابن زبیرؓ کو یہ ایک بہترین موقعہ ملا تھا اگر وہ اسے اپنے منتقمانہ جذبہ میں آکر نہ کھو دیتے اور حصین کی دعوت قبول کر لیتے تو آج بنو امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا، اور تاریخ اسلام کسی اور رنگ پر ہوتی، مگر ان کی قسمت میں تو مقتول ہونا لکھا تھا،

معاویہ بن یزید کی تخت نشینی اور دست برداری

یزید کے بعد اس کا لڑکا معاویہ تخت نشین ہوا، یہ فطرۃً نہایت نرم دل اور مذہبی آدمی تھا، اسلئے بنی امیہ کی بے عنوانیوں سے بہت جلد بد دل ہوگیا اور تخت نشینی کے چند ہی مہینوں کے بعد اپنے اہل خاندان کو جمع کرکے کہا کہ مجھ میں تمھاری حکومت کے سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے، اور تم میں کوئی عمر بن الخطاب نظر نہیں آتا

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۰۷ و مستدرک حاکم فضائل ابن زبیرؓ۔

جسے خلیفہ بنا دون، اور نہ اہل شوریٰ ہی نظر آتے ہین، کہ ان پر معاملہ چھوڑ دون، تم اپنے معاملات کو زیادہ سمجھ سکتے ہو، اس لئے جسے چاہو خلیفہ بنا لو، یہ کہکر خلافت سے دستبردار ہو گیا[1]۔

معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد بنی امیہ کی خلافت قریب قریب ختم ہو گئی اور تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیرؓ کی خلافت تسلیم کر لی، شام میں بھی ان کا کوئی حریف باقی نہ رہا، کیونکہ مروان بن حکم اور دوسرے اکابر بنی امیہ مدینہ میں تھے، لیکن ان میں بھی ابن زبیرؓ کے مقابلہ کا دم باقی نہ تھا، چنانچہ مروان ان کی بیعت پر آمادہ ہو گیا تھا، لیکن اس موقع پر پھر ابن زبیرؓ نے نہایت فاش پولیٹیکل غلطی کی جو پہلے سے بھی زیادہ سخت تھی، انھون نے انتقام کے جوش میں جس قدر بنی امیہ مدینہ میں تھے سب کو حکماً نکلوا دیا، ان میں مروان بھی تھا، بلکہ مروان کا لڑکا عبد الملک اس وقت بیمار تھا، اس کی بیماری کی وجہ سے مروان سفر سے معذور تھا لیکن ابن زبیرؓ کے سخت احکام کے سامنے اس کو قیام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ عبد الملک کو بیمار لیئے ہوئے مدینہ سے نکل گیا، بنو امیہ کے مدینہ کے نکلنے کے بعد ابن زبیرؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، ابن زبیرؓ نے بنی امیہ کی تلاش میں آدمی دوڑائے مگر وہ قابو سے باہر ہو چکے تھے[2]، بنی امیہ کا مدینہ سے اخراج ابن زبیرؓ کی دوسری غلطی تھی جس نے ان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، اگر وہ انھین مدینہ مین رہنے دیتے تو پھر خاندان بنی امیہ مین انکا مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا، اور دمشق کا تخت ان کے لئے بالکل خالی ہو جاتا، مگر انکی قسمت مین بے دردی کے ساتھ حرم مین ذبح ہونا مقدر ہو چکا تھا، اسلئے خود اپنے ہاتھون سے اس کے اسباب مہیا کر دیئے،

شام مین مروان کی بیعت، بنی امیہ مدینہ سے نکل کر شام پہنچے، اس وقت یہان کی حالت

---

[1] ابو الفداء ج اول ص ۱۹۳ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۳ و ۳۰۴

نہایت ابتر ہو رہی تھی، گو ابن زبیرؓ کا اثر یہاں بھی کام کر چکا تھا، تاہم بنی امیہ کے پایہ تخت ہونے کی وجہ سے یہاں ان کے حامیوں کی بھی خاصی جماعت موجود تھی، مروان جس وقت شام پہنچا، اس وقت اسے دو قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک عبداللہ بن زبیرؓ کے حامیوں کے مقابلہ میں کیونکہ ان کی جماعت بھی شام میں موجود تھی، دوسرے خود اپنے اہل خاندان کے مقابلہ میں، اسلئے کہ بنی امیہ میں اس وقت مروان کے علاوہ، عمرو بن سعید اور خالد بن یزید بھی خلافت کے دعویدار تھے، چنانچہ عرصہ تک اس پر بحث و مناظرہ جاری رہا، اور آپس میں جنگ و جدل تک کی نوبت آگئی، لیکن بالآخر بنی امیہ کے ایک خیر خواہ روح بن زنباع جذامی کی کوششوں نے اس اختلاف کا خاتمہ کر دیا، اور ذی الحجہ ۶۴ھ میں مروان کا انتخاب ہو گیا، اور اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولیعہدی کیلئے نامزد کر دیئے گئے، اس طرح بنی امیہ کی گرتی ہوئی عمارت ایک مرتبہ پھر سنبھل گئی،[1]

شام سے ابن زبیرؓ کے داعیوں کا اخراج اور مروان کا قبضہ

گو مروان کی بیعت کے بعد بنی امیہ کے اکھڑے ہوئے پاؤں ایک مرتبہ پھر جم گئے لیکن ابھی تک تمام ممالک اسلامیہ پر ابن زبیرؓ کا اثر غالب تھا، مصر، کوفہ، بصرہ، حتی کہ خراسان میں ان کے داعی کام کر رہے تھے، بلکہ خود شام میں حمص، قنسرین اور دمشق انہیں کے زیر اثر تھے، خاص پایہ تخت دمشق پر ابن زبیرؓ کے داعی ضحاک بن قیس کا قبضہ تھا، اس لئے زمام حکومت سنبھالنے کے بعد مروان نے سب سے پہلے ابن زبیرؓ کے کارکنوں کے اخراج کی طرف توجہ کی، اور سب سے پہلے اپنے قدیم پایہ تخت دمشق کی طرف بڑھا، یہاں ابن زبیرؓ کے داعی ضحاک بن قیس تھے، اور دوسرے شامی دعاۃ کی امداد ان کے ساتھ تھی، اس لئے مروان کا اور ان کا بہت زبردست مقابلہ ہوا، اس مقابلہ میں ضحاک

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ابن اثیر ج ۴ ص ۱۲۰ تا ۱۲۳،

مارے گئے، اور ان کے ساتھی بھاگ نکلے، ان کے قتل کی خبر حمص پہنچی تو وہاں کا کارکن نعمان بن بشیر بھی حمص چھوڑ کر بھاگا، مگر راستہ میں پکڑ کے قتل کر دیا گیا، قنسرین کے کارکن نے ان دونوں کی حالت سنی تو وہ بھی اپنا مقام چھوڑ کر چلدیا، ان مقامات کے بعد مروان نے فلسطین پر قبضہ کیا، اس طرح شام کے وہ مقامات جو ابن زبیرؓ کے زیر اثر تھے پھر بنی امیہ کے قبضہ میں آگئے[1]

مصر پر قبضہ مصر میں عبدالرحمن بن جحدم ابن زبیرؓ کی دعوت میں مصروف تھا، شام سے فراغت کے بعد مروان مصر کی طرف بڑھا، عبدالرحمن اس کے مقابلہ کے لئے نکلا، ایک طرف یہ مقابلہ کے لئے نکلا، دوسری طرف سے عمرو بن سعید اموی مصر میں داخل ہو گیا، اسلئے عبدالرحمن سے کچھ نہ بن پڑا، اور اس نے گھبرا کر سپر ڈال دی، اور مصر میں بھی مروان کی بیعت ہو گئی، یہاں سے بیعت لیکر جب مروان دمشق کے ارادہ سے لوٹا تو راستہ میں معلوم ہوا کہ اس کی غیر حاضری میں عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب دمشق پہنچ گئے ہیں، یہ سنکر مروان نے یہیں سے عمرو بن سعید کو مصعب کے اخراج کے لئے آگے بڑھا دیا، اس نے دمشق جا کر مروان کے پہنچنے کے قبل یہاں سے مصعب کو نکال دیا، اور مروان اپنے پایۂ تخت میں داخل ہو گیا[2]

مروان کی وفات اور عبدالملک کی تخت نشینی اوپر گذر چکا ہے کہ مروان کی بیعت کے وقت اس کے بعد علی الترتیب خالد بن یزید اور عمرو بن سعید ولیعہدی کے لئے نامزد کئے گئے تھے، مصر و شام وغیرہ پر قبضہ کرنے کے بعد مروان نے ان دونوں کا نام خارج کر کے اپنے لڑکے عبدالملک کو ولیعہد بنا کر حکومت اپنی نسل میں منتقل کر دی، ولیعہدی

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۵ تا ۳۰۶، [2] ایضاً

کے مسئلہ سے فراغت کے بعد اس کا پیام اجل آگیا، چنانچہ رمضان ۶۵ھ میں دہ چل بسا، اس کی وفات کے بعد عبدالملک اس کا جانشین ہوا،

مختار ثقفی کا خروج اسی زمانہ میں بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کی کشمکش دیکھکر بنی ثقیف کے ایک گمنام شخص مختار بن ابی عبید ثقفی کو حصول حکومت کا حوصلہ پیدا ہوا، مگر ان لوگون کے مقابلہ مین بغیر کسی بیرونی امداد کے اس کا کامیاب ہونا مشکل تھا، اسلئے اس نے ایک نہایت عمدہ تدبیر سوچی، اسکی خوش قسمتی اور بخت واتفاق سے حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی تازہ تھا، عوام کے دلون مین قاتلین حسینؓ کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات موجود تھے، مختار کی وقت شناس نظر نے اس سے فائدہ اٹھایا، اور فدائی اہل بیت کا روپ بدلکر بنی ہاشم کے ساتھ ساز باز شروع کردیا[1]،

حضرت حسینؓ کے جانشینون مین اس وقت حضرت زین العابدینؓ اور محمد بن حنفیہ موجود تھے، اس لئے مختار نے زین العابدین کے پاس ایک معتدبہ رقم بطور نذرانہ بھیجکر درخواست کی کہ "آپ ہمارے امام ہین، ہم سب سے بیعت لیکر امامت قبول کیجئے، اور ہماری سرپرستی فرمائیے" وہ اس کی اصل حقیقت سے آگاہ تھے اس لئے اس کی درخواست مسترد کردی اور مسجد نبوی مین تقریر کرکے اسکے مکر وفریب کا پردہ فاش کیا کہ "اس نے محض عوام کو دھوکا دینے کے لیے ولائے اہل بیت کی آڑ پکڑی ہے" مختار ان سے مایوس ہوکر محمد بن حنیفہ کے پاس پہنچا، اور ان سے امامت قبول کرنے کی درخواست کی، امام زین العابدین نے انھین بھی روکا اور کہا کہ "اہل بیت کی محبت مین اس کا ظاہر اس کے باطن سے بالکل مختلف ہے اور یہ دعوی صرف محبان اہل بیت کی ہمدردی حاصل کرنے کیلئے

[1] اخبار الطوال دینوری ص ۲۹۶۔

کرتا ہے ورنہ حقیقت مین اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہین بلکہ وہ انکا دشمن ہے، میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے، محمد بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، انھون نے کہا اس معاملہ مین تم زین العابدینؓ کا کہنا نہ سنو، تم کو معلوم نہین کہ ابن زبیرؓ سے ہم لوگون کو کیسے خطرات ہین[1]،

ابن زبیرؓ کے کوفی پولیس افسر کا قتل

غرض مختار نے محمد بن حنفیہ اور ابن عباسؓ کی حمایت کا سہارا پاکر ان کے بل پر اپنے مشن کی تبلیغ شروع کردی، اور مرکز شر و فتن کوفہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا، عراقیون کے دلون مین عام طور پر قاتلین حسینؓ سے انتقام لینے کا جذبہ موجود تھا، اس لیے مختار کو اپنے مشن مین غیر معمولی کامیابی ہوئی، ہزارون آدمی اس کے ساتھ ہوگئے، اس وقت ابن زبیرؓ کی جانب سے عبد اللہ بن مطیع کوفہ کے عامل تھے، انھون نے مختار کے پاس عوام کی آمد و رفت دیکھی تو اس کی طرف سے کھٹک گئے اور مختار سے اس کا سبب پوچھا، اس نے جواب دیا کہ لوگ عیادت کے لیے آتے ہین، اس جواب سے وقتی طور پر معاملہ ٹل گیا، لیکن اس قسم کے حیلون سے اس کی کوششین زیادہ دنون تک راز نہین رہ سکتی تھین، اور ابھی اس مین اتنی قوت نہین پیدا ہوئی تھی کہ وہ عبد اللہ بن مطیع کے مقابلہ مین علی الاعلان آجاتا، اسلئے اسکو کوفہ مین کسی با اثر پشت پناہ کی ضرورت تھی، حسن اتفاق سے یہان کے ایک مقتدر اور با اثر شخص ابراہیم بن اشتر نخعی حضرت علیؓ کے حامیون مین تھے، مختار کی نظر انتخاب نے انھین تاکا، اور محمد بن حنفیہ کی جانب سے انھین ایک فرضی خط دیکر انکو اپنا حامی بنالیا، اور ابراہیم اسکے پاس آنے جانے لگے، کوفہ کے پولیس افسر ایاس بن نضار کو خبر ہوئی تو انھون نے روک ٹوک کی، مگر ابراہیم نے اپنی قوت اور اپنے اثر کے زعم مین اسکی

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۲۷۹ و ۲۸۰ ملخصاً،

ایک نہ سنی، ایاس نے تنبیہ بھی کی کہ تمھاری آمدورفت سے میرا شبہہ قوی ہوتا جاتا ہے، اس لئے آیندہ اس کا سلسلہ بند کرکے خاموشی سے گھر میں بیٹھو ورنہ تمھارا سر قلم کر دیا جائیگا لیکن ابراہیم جیسا ممتاز شخص ان دھمکیوں کی کب پرواہ کرسکتا تھا، اس نے مختار کو اس واقعہ کی اطلاع دیکر اس سے ایاس کے قتل کی اجازت مانگی، مختار نے اجازت دیدی، اجازت لینے کے بعد ابراہیم نے نہایت جرات اور دلیری کے ساتھ ایاس کو قتل کر دیا،

عبداللہ بن مطیع کا اخراج اور عراق پر مختار کا قبضہ، عبداللہ بن مطیع حاکم کوفہ کو ایاس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے ابراہیم کی گرفتاری کے لئے آدمی بھیجے لیکن اب معاملہ دارو گیر کی حدود سے آگے بڑھ چکا تھا، اور وہ لوگ پورے طور پر مقابلہ کے لئے آمادہ تھے، چنانچہ مختار کے آدمی ابراہیم کی مدد کو پہنچ گئے، اور ابراہیم نے عبداللہ بن مطیع کے آدمیوں کو بھگا دیا، انھیں بھگانے کے بعد ابراہیم اور مختار نے عبداللہ کو قصر امارہ میں گھیر لیا، عبداللہ نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا کر پھر قصر میں داخل ہوگیا، مختار کے آدمیوں نے محل میں اترنے کیلئے کمند ڈال دی، جب عبداللہ نے دیکھا کہ اس کی جان بچنا مشکل ہے تو امان مانگ لی مختار نے اس کی جان بخشی کی اور ایک لاکھ نقد دیکر آزاد کر دیا کہ جہاں دل میں آئے چلے جاؤ، عبداللہ کے شکست کھانے کے بعد کوفہ اور اس کے ساتھ سارے عراق پر مختار کا قبضہ ہوگیا، اور تمام مقامات پر اس نے اپنے عمال مقرر کر دیئے[1] عراق میں صرف بصرہ ابن زبیرؓ کے پاس رہ گیا،

محمد بن حنفیہ کی قید اور رہائی، کوفہ پر مختار کے قبضہ کے بعد کوفی شیعان ابن حنفیہ کو آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کی مخالفت کا موقعہ مل گیا، چنانچہ انھوں نے ابن حنفیہ کی دعوت شروع کر دی، ابن زبیرؓ مختار کی حمایت کی وجہ سے پہلے ہی سے محمد بن حنفیہ سے کھٹکے ہوئے تھے، ان کی

---

[1] یہ تمام حالات ملخصاً اخبار الطوال ص ۲۹۶ تا ۳۰۰ سے ماخوذ ہیں،

دعوت سے ان کا خطرہ اور زیادہ بڑھ گیا، کہ مبادا وہ رضا کی دعوت لینا شروع کردیں، اس لئے انھوں نے محمد بن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں سے اپنی دعوت کے لئے اصرار کرنا شروع کیا اور ان کے انکار پر انھیں زمزم میں قید کرکے ایک مدت مقرر کردی کہ اگر وہ لوگ اس مدت میں بیعت نہ کرلیں گے تو انھیں جلا دیا جائیگا، محمد بن حنفیہ کے ہواخواہوں نے ان کو مختار سے امداد مانگنے کا مشورہ دیا، چنانچہ انھوں نے اسکو خط لکھا، مختار نے شیعیان اہل بیت کو ان کی امداد پر آمادہ کرکے چار پانسو کی جمعیت کے ساتھ محمد بن حنفیہ کے چھڑانے کیلئے روانہ کیا، اور ۴ لاکھ درہم ان کے خرچ کے لئے بھیجے، ان لوگوں نے مکہ آکر زبردستی ابن زبیرؓ کی قید سے محصورین کو رہا کرادیا،[1] ایک روایت میں ہے کہ ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ کو بھی ان کے گھر میں قید کردیا تھا، اور یہ بھی اسی وقت رہا ہوئے،[2]

قاتلین حسینؓ کا قتل، عراق پر قبضہ کرنے کے بعد مختار عوام سے اہل بیت کے انتقام کی بیعت لیکر قاتلین حسینؓ کی تلاش میں نکلا اور شمر ذی الجوشن، خولی اصبحی اور عمر بن سعد کو قتل کرکے ان کے سر محمد بن حنفیہ کے پاس بھجوا دیئے، اور ایک کرسی بنوا کر اپنے اتباع کو یقین دلایا کہ یہ کرسی حامل اسرار ہے، اور بنی اسرائیل کے تابوت سکینہ کی طرح ان کے لئے متبرک ہے، اسی کرسی پر وہ تمام معرکوں میں نکلتا تھا،[3]

مختار بنی امیہ اور ابن زبیرؓ دونوں کے خلاف اٹھا تھا، اور ان دونوں کانٹوں کو صاف کرکے اپنی حکومت قایم کرنا چاہتا تھا، بنی امیہ کی مخالفت میں اس کو عوام کی تائید بہت جلد حاصل ہوگئی، کیونکہ حضرت حسینؓ کے خون کے انتقام کی دعوت اس کی پشت پناہ تھی، اسیطرح

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶ و ۲۰۷ ملخصاً [2] ایضاً ص ۲۰۹،

[3] اخبار الطوال ص ۲۹۹ تا ۳۰۰، ملخصاً،

ابن زبیرؓ کے مقابلہ مین بھی اسے بہت سے حامی مل گئے، کیونکہ بنی ہاشم مین محمد بن حنفیہ اور ابن عباسؓ ابن زبیرؓ کو اچھی نظرون سے نہین دیکھتے تھے، دوسرا سبب یہ تھا کہ اگر یہ لوگ ابن زبیرؓ کی مخالفت مین مختار کے موید نہ ہوتے تو وہ بنی امیہ کے مقابلہ مین کھل کر نہ آتا، ان پولیٹیکل اسباب کی بنا پر اس کو دونون کی مخالفت مین بڑی مدد حاصل ہوگئی،

اوپر کے بیانات سے اندازہ ہوا ہوگا کہ چونکہ مختار نے کوفہ کو جو ابن زبیرؓ کے قبضہ مین تھا اپنا تبلیغی مرکز بنایا تھا اس لئے سب سے پہلے اس سے اور ابن زبیرؓ سے تصادم ہوا، پھر اسی لپیٹ مین اس نے بنی امیہ کو بھی لے لیا، اور اب وہ بھی میدان مین آگئے، چنانچہ عبید اللہ بن زیاد مختار کے موصل کے عامل عبد الرحمن بن سعید کو ہٹانے کے لئے بڑھا، عبد الرحمن نے اس کا مقابلہ کیا، اور مختار سے مزید کمک طلب کر کے عبید اللہ کو قتل کر دیا، اور اس کا سر قلم کر کے دھڑ آگ مین جلادیا، اس طرح خدا نے قاتلین حسینؓ کو چند دنون مین مختار کے ہاتھون صاف کرادیا[1]

کوفی عربون اور مختار مین مخالفت مختار اپنے خروج سے اس وقت تک اٹھارہ مہینہ مسلسل عجمیون کے بل پر بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کا نہایت کامیاب مقابلہ کرتا رہا[2]، ان تمام معرکون مین انکے دست و بازو زیادہ تر عجمی تھے، اس لئے اس کی توجہ تمام تر انھین کی جانب مبذول رہی ان کے مراتب بڑھائے، انھین بڑے بڑے مناصب پر ممتاز کیا، ان کی اولاد کے وظائف مقرر کئے، ان کو اپنا مشیر کار اور ہم جلیس بنایا، اس کے برعکس عربون کے ساتھ اس کا طرز عمل نہایت غیر منصفانہ بلکہ اہانت آمیز تھا، انھین مال و زر سے بھی محروم رکھا، اور تقرب و ہم جلیسی سے بھی دور رکھا، عربون کیلئے یہ اہانت آمیز سلوک سخت اشتعال انگیز تھا، چنانچہ وہ سب اسکے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۰ و ابوالفدا ج اول ص ۱۹۵، [2] چونکہ بنی امیہ اور مختار کی معرکہ آرائیان ہمارے موضوع سے خارج ہین، اسلئے ہم نے انھین قلم انداز کر دیا ہے،

بگڑ گئے اور تمام اشرافِ عرب نے مجتمع ہو کر اس کے خلاف غصہ اور نفرت کا اظہار کیا، اس نے جواب دیا کہ "خدا تم کو غارت کرے میں نے تم کو اعزاز بخشا، تم نے غرور کیا، تم کو والی بنایا، تم نے خراج کی رقم گھٹا دی، عجمی تم سے زیادہ مطیع و منقاد اور میرے چشم و ابرو کے اشارہ کے پابند ہیں" یہ جواب سنکر عربون نے کہا یہ کذاب ہے اور بنی ہاشم کی حمایت کے پردہ میں اپنی دنیا بنانا چاہتا ہے اور سب کے سب اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، مختار نے انکی مخالفت دیکھی، تو عجمیون کو جمع کر کے کہا کہ "عربون نے محض تمہاری وجہ سے میری مخالفت کی ہے اسلئے اُنکے مقابلہ میں تم کو اپنی شرافت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہیئے"، اس کی اس نفسی دلیل پر چالیس ہزار عجمی عربون کے مقابلہ میں اس کی حمایت پر آمادہ ہو گئے، اور کوفہ میں دونون میں نہایت زبردست مقابلہ ہوا، دینوری کی روایت کے مطابق عمر بن سعد اور شمر بھی اس مقابلہ میں عربون کی جماعت میں تھے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے قتل کئے جا چکے تھے، بہرحال اس معرکہ میں پانسو کوفی عرب قتل اور دو سو گرفتار ہوئے، اشراف کوفہ نے اپنا پہلو کمزور دیکھا تو کوفہ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ چلے گئے[1]

مصعب سے کوفی عربون کی استمداد

کوفیون کو شکست دینے کے بعد بھی مختار نے اشراف کوفہ پر سختی کا سلسلہ برابر جاری رکھا، اس لئے یہ لوگ کوفہ چھوڑ چھوڑ کر مصعب کے پاس بصرہ میں آکر جمع ہونے لگے، اور جب دس ہزار کی تعداد میں مجتمع ہو گئے تو مصعب سے درخواست کی کہ آپ اس کذاب کے مقابلہ میں کیون نہیں نکلتے، اس نے ہمارے اشراف کو قتل کیا، ہمارے گھرون کو ڈھایا، ہماری جماعت کا شیرازہ بکھیرا، عجمیون کو ہمارے سر چڑھایا، ہمارا مال و متاع ان کے لئے مباح کر دیا، آپ اس کے مقابلہ میں نکلئے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں،

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۰۶ و ۳۰۸،

اور کوفہ کے کل عرب آپکا ساتھ دین گے،

مصعب اور مختار کا مقابلہ اور مختار کا قتل

مصعب نے ان کی درخواست پر اپنے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ کو جو خارجیون کے مقابلہ مین برسرپیکار تھا طلب کیا ان کی طلبی پر مہلب نے خارجیون سے سمجھوتہ کر لیا اور اٹھارہ مہینہ کے لئے عارضی صلح کر کے بصرہ آگیا اس کے آنے کے بعد مصعب نے مختار سے مقابلہ کرنے کی تیاریان شروع کر دین مختار کو اس کا علم ہوا، تو اس نے احمد بن سلیط کو ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے مذار روانہ کیا، مصعب بھی اپنی فوجین لئے ہوئے مذار پہنچے، مذار مین دونون کا مقابلہ ہوا مختار کی فوج شکست کھا کر کوفہ کی طرف بھاگ نکلی، مصعب نے ہر طرف سے گھیر کر تعاقب کر کے قتل کرنا شروع کیا، اور قتل کرتے ہوئے کوفہ تک پہنچ گئے، اس وقت مختار اپنی فوج لیکر خود بڑھا، نہر بصرین کے پاس مقابلہ ہوا، اس معرکہ مین بھی مختار کو شکست ہوئی، اور اس کے بے شمار آدمی مارے گئے، اور مختار شکست کھا کر کوفہ مین داخل ہو گیا، مصعب بھی اسکا تعاقب کرتے ہوئے کوفہ مین گھس گئے، مختار دار الامارہ مین قلعہ بند ہو گیا، مصعب نے دار الاماہ کو گھیر لیا، اور چالیس دن تک نہایت سختی کے ساتھ محاصرہ کئے رہے، مسلسل دو شکستون کی وجہ سے مختار کی قوت بہت کمزور پڑ چکی تھی، اس لئے وہ اس سخت محاصرہ کی تاب نہ لا سکا، جب اس کے سامنے ہلاکت کے سوا مفر کی صورت باقی نہ رہی تو اس نے حمایت اہل بیت کی نقاب الٹ دی، اور اپنے اصلی رنگ مین نمایان ہو گیا، اور اپنے مقرب خاص سائب بن مالک اشعری سے کہا، اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے ساتھ نکلو اور مذہب کے لئے نہین بلکہ حسب کے لئے آخری مقابلہ ہو جائے، سائب نے یہ غیر متوقع کلمات سنکر انا للہ پڑھا اور پوچھا ابو اسحق! لوگ اب تک یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ سارا ڈھونگ تم نے مذہب کے لئے کھڑا کیا ہے؟

مختار نے نہایت صفائی کے ساتھ جواب دیا "نہیں اپنی عمر کی قسم ہرگز نہیں، یہ تمام لڑائیاں صرف دنیا طلبی کے لئے تھیں میں نے دیکھا کہ شام پر عبد الملک کا قبضہ ہے، حجاز پر عبد اللہ بن زبیرؓ قابض ہیں، بصرہ مصعب کے ہاتھوں میں ہے، عروض پر نجدہ حروری کا تسلط ہے، خراسان عبد اللہ بن خازم کے زیر فرمان ہے، اور میرے حصہ میں کچھ بھی نہیں، اس لئے مجھے حصول حکومت کا جذبہ پیدا ہوا، لیکن حسینؓ کے خون کے انتقام کی دعوت کے بغیر مجھ کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی اس لئے اس کو آڑ بنایا"، اس تقریر کے بعد گھوڑا تیار کرایا، زرہ منگائی اور حفاظتی دستہ کو لیکر آخری مقابلہ کے لئے نکلا، اور بڑی بہادری اور ہمت کے ساتھ لڑتا رہا لیکن قوت کمزور پڑ چکی تھی، ساتھیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے، اس لئے انھوں نے عین میدان جنگ میں ساتھ چھوڑ دیا، اور مختار کو مجبور ہو کر پھر قصر امارہ کی جانب پسپا ہو جانا پڑا، اس پسپائی میں اس کے چھ ہزار آدمی قصر میں داخل ہو گئے، مگر وہ خود تین سو آدمیوں کی قلیل جماعت کے ساتھ قصر کے باہر ہی رہ گیا، مصعب کے ساتھیوں نے اس کا راستہ روک دیا، جب اس کے لئے کوئی راہ باقی نہ رہ گئی تو قصر کی دیوار کی آڑ پکڑ کر مقابلہ کرتا رہا، اسی مقابلہ میں بنی حنیفہ کے دو آدمیوں نے تلواروں سے زخمی کر کے گرا دیا، اور سر قلم کر کے مصعب کے سامنے پیش کیا گیا، مصعب نے اس صلہ میں تیس ہزار انعام دیا، مختاری فتنہ کا خاتمہ ہو گیا[1]،

محمد بن حنفیہ کی جلا وطنی، مختار کی زندگی تک محمد بن حنفیہ کا بازو قوی تھا، اس لئے ابن زبیرؓ نے ان کی رہائی کے بعد ان سے بیعت کے بارہ میں زیادہ اصرار نہیں کیا، مختار کے قتل کے بعد جب محمد بن حنفیہ کا کوئی پشت پناہ باقی نہ رہا، تو پھر ابن زبیرؓ نے ان سے بیعت کا

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۰ تا ۳۱۵ ملخصاً،

مطالبہ شروع کیا، اور ان سے کہلا بھیجا کہ اگر تم آسانی سے بیعت نہ کروگے تو لڑ کر زبردستی بیعت لیجائیگی، لیکن محمد بن حنفیہ نے اس کی بھی پرواہ نہ کی اور پھر بیعت سے انکار کر دیا، اس زمانہ میں عبدالملک اور ابن زبیرؓ میں چل رہی تھی، عبدالملک کو ابن زبیرؓ کی دھمکی کی خبر ملی تو اس نے محمد بن حنفیہ سے کہلا بھیجا کہ تم میرے پاس شام چلے آؤ، یہاں اطمینان کے ساتھ رہو گے، گو عبدالملک محمد بن حنفیہ کا ابن زبیرؓ سے زیادہ دشمن تھا، مگر چونکہ محمد بن حنفیہ اس وقت ابن زبیرؓ سے بہت برہم تھے، اسلئے عبدالملک کی دعوت قبول کر لی، اور شام روانہ ہو گئے، مدین پہنچکر انکو عبدالملک کی جانب سے فریب کا خطرہ پیدا ہوا اس لئے وہ ایلہ میں اتر پڑے، یہاں ان کے زہد وورع کا بڑا چرچا ہوا، عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اسے عوام میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی سے خطرہ محسوس ہوا چنانچہ انھیں لکھ بھیجا کہ جو شخص میری بیعت نہیں کریگا وہ میرے حدود مملکت میں نہیں ٹھہر سکتا، یہ حکم پاکر محمد بن حنفیہ پھر مکہ لوٹ گئے اور بیرون شہر شعب ابی طالب میں قیام کیا، یہاں قیام کے بعد پھر ابن زبیرؓ نے بیعت اور شہر مکہ میں آنے کے لئے اصرار شروع کیا، جب محمد بن حنفیہ نے دیکھا کہ یہاں رہکر ابن زبیرؓ سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے، تو طائف چلے گئے، ابن عباسؓ کو اس کی اطلاع ملی تو وہ ابن زبیر کے پاس پہنچے، دونوں میں نہایت سخت گفتگو ہوئی، اس گفتگو کے بعد وہ بھی مکہ چھوڑ کر طائف چلے گئے، دوسری روایت میں ہے، کہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ ساتھ ابن زبیرؓ نے ابن عباس سے بھی زبردستی بیعت لینے کیلئے اصرار شروع کیا تھا، انکے اصرار سے تنگ آکر دونوں ساتھ طائف چلے گئے[1]

مختار کے قتل کے بعد ابراہیم بن اشتر جو حضرت علیؓ کے فدائیوں میں تھا مصعب کے امان میں آگیا، کیونکہ اب بنی امیہ اور مصعب کا مقابلہ تھا، اور بنی امیہ کے مقابلہ میں وہ

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۸ و ۲۰۹،

ابن زبیرؓ کو مرجح سمجھتا تھا، مصعب کے ساتھ ملنے کے بعد ابراہیم ان کا معتمد علیہ بنگیا، ابھی تک مختار کی فوج جو آخری پسپائی کے وقت قصر میں داخل ہوگئی تھی، بدستور قلعہ بند تھی، جب اس کا سامان رسد ختم ہوگیا، تو وہ بھی امان مانگنے پر مجبور ہوگئی، مصعب نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم لوگ سپر ڈال کر پوری طرح اطاعت کا اطمینان نہ دلا دوگے، اس وقت تک امان نہیں دیجا سکتی، یہ سب بھوکون مر رہے تھے، اس لئے چارو ناچار سپر ڈال کر قلعہ سے باہر نکل آئے، مصعب نے ان سب کی گردنین قلم کرادین، ان مین ۲ ہزار عرب تھے اور ۴ ہزار عجم[1]،

ابن زبیرؓ کا غلبہ اور عبد الملک کی تیاریان مختار کا قتل ابن زبیرؓ کے لئے مختلف حیثیتون سے نہایت مفید ہوا، اولاً اسکا کل مقبوضہ علاقہ ان کے قبضہ مین آگیا، اس سے ان کی قوت بہت بڑھ گئی، دوسرے دو حریفون کے بجائے اب صرف ایک حریف عبد الملک باقی رہگیا جس سے نپٹنا نسبتہً آسان تھا، اس لئے بنی امیہ کے سامنے پھر ایک مرتبہ موت اور زیست کا سوال پیدا ہوگیا، چنانچہ عبد الملک نے اپنے خاندان کے اصحاب رائے کو جمع کرکے انھین آیندہ آنیوالے خطرہ سے آگاہ کیا، کہ "ابن زبیرؓ کی قوت اتنی بڑھ گئی ہو کہ اب تمھارے گھر پران کی فوجکشی کا خطرہ ہے، اس خطرہ سے بچنے کے لئے تم لوگ کیا رائے دیتے ہو، عبد الملک کے اس استفسا پر سب نے بالاتفاق ابن زبیرؓ سے مقابلہ کا مشورہ دیا، چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق عبد الملک نے کل ممالک محروسہ مین فرمان جاری کردیئے کہ تمام چھاؤنیون کی فوجین شام کی سرحد پر جمع ہون، اس حکم پر شامی فوجون کا انبوہ عظیم جمع ہوگیا،

مصعب کی مقابلہ کی تیاریان، مصعب کو عبد الملک کے انتظامات کی خبر ہوئی، تو انھون نے بھی اپنی فوجین بڑھائین، مقام دیرجاثلیق مین دونون حریفون کا مقابلہ ہوا، مصعب کے

---

[1] اخبار الطوال،

آدمی اموی سیلاب کو دیکھکر گھبرا گئے، اور اس انبوہ کثیر کے مقابلہ مین انھین اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا، چنانچہ مصعب نے اپنے بھائی عروہ بن زبیرؓ سے پوچھا کہ حسینؓ نے دشت کربلا مین ایسے نازک وقت مین کیا کیا تھا؟ انھون نے پورا واقعہ بیان کرکے اسوۂ حسینی پیش کیا، کہ ابن زیاد نے ان سے اطاعت قبول کرانی چاہی، لیکن حسینؓ نے انکار کر دیا، اور آزادی کی موت کو غلامی کی زندگی پر ترجیح دی، حریت اور آزادی کا یہ درس سنکر مصعب کی رگ و پے مین ایک نئی روح دوڑ گئی، اور وہ یہ رجز پڑھنے لگے،

فان الالی بالطف من ال هاشم　　تاسوا فسنوا للکرام التاسیا

آل ہاشم مین سے ان لوگون نے مقام طف مین تقلید کی اور شریفون کے لئے تقلید کی راہ پیدا کر دی،

عبد الملک نے اس مرتبہ ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے بڑے انتظامات کئے تھے ابن زبیر کے تمام حامیون کو طمع دلا کر انھین توڑنے کی کوشش کی تھی[1] عراق کے تمام سردار اسی طمع مین آکر اس سے مل بھی گئے تھے[2]، زفر بن حارث جو قیسا مین ابن زبیرؓ کا کارکن تھا، عبد الملک کا مطیع ہوگیا تھا[3]

اس سلسلہ مین عبد الملک نے ابراہیم بن اشتر کو بھی جو ایک زمانہ مین مختار کا دست راست تھا اور اس کے قتل کے بعد مصعب کے ساتھ ہوگیا تھا، خط لکھا تھا، کہ تم نے محض خصومت کی بنا پر میری اطاعت نہین قبول کی اگر تم مع اپنے ہم خیال اشخاص کے میری اطاعت قبول کر لو، تو وہ علاقہ جو فرات سے سیراب ہوتا ہے، تم کو عطا کر دیا جائیگا، ابراہیم نے یہ خط لاکر مصعب کے سامنے پیش کر دیا، مصعب نے کہا تم نے اتنا بڑا علاقہ کیون چھوڑ دیا، انھون نے جواب دیا، اگر مجھکو مشرق سے لیکر مغرب تک کا علاقہ بھی دیا جائے

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۷ [2] طبری ج ۸ ص ۸۰۴ [3] مروج الذہب ج ۲ ص ۴۰۲

تو بھی ابن صفیہ کی اولاد کے مقابلہ مین بنی امیہ کی مدد نہ کرونگا، اور یہ خط تنہا میرے ہی
پاس نہین آیا ہی، بلکہ آپ کے تمام بڑے بڑے ممتاز افسرون کو اس قسم کی طمع دلائی
گئی ہی، اور اس سے بہتون کی نیتون مین فتور اور ارادون مین تذبذب بھی پیدا
ہو گیا ہے، اگر اجازت ملے تو ان سب کی گردنین اڑا دون، مصعب نے کہا وقت
کی نزاکت کے لحاظ سے یہ کارروائی مناسب نہین ہے، اس سے مقتولین کے قبائل
مین بددلی پیدا ہو گی، جو ہمارے لئے مضر ہے، ابراہیم نے کہا اگر ایسے لوگون کو قتل نہ
کیا جائے تو کم از کم مشتبہ لوگون کو گرفتار ہی کر لیا جائے، کامیابی کے بعد پھر انھین
چھوڑ دیا جائیگا اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر خدانخواستہ کوئی بری صورت پیش آئی،
تو یہ کارروائی حفظ ماتقدم کا کام دیگی، مصعب نے کہا اگر آج مین ان لوگون کو
قید کرتا ہون تو کل یہ لوگ اس کو امیر المومنین کے سامنے میرے خلاف ثبوت مین پیش
کرین گے، ابراہیم نے کہا اگر آپ اتنا بھی نہین کرتے تو پھر موت کے سوا چارہ نہین،
بسم اللہ چلئے اور شریفانہ جان دیدیجئے، مصعب نے کہا ہان چلو موت کے لئے نکلین،
ابراہیم بولے مین ہمہ تن فداکاری کے لئے تیار ہون، اس گفتگو کے بعد دونون نے فوجین
بڑھا کر دیر جاثلیق مین اتارین، صبح اٹھ کر دیکھا تو ابراہیم کی پیشین گوئی بالکل صحیح نکلی،
تمام مشتبہ لوگ عبد الملک سے مل گئے تھے، اس وقت ابراہیم نے مصعب سے کہا
کہ آپ نے دیکھا، میری رائے کس قدر صحیح تھی، لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا[1]،

ابراہیم کا قتل | غرض ضروری انتظامات کے بعد طرفین ایک دوسرے کے سامنے آگئے
ابراہیم محمد بن مروان کے مقابلہ مین نکلے اور صبح سے شام تک مقابلہ ہوتا رہا، آخر مین

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۷ و ۳۱۸،

ابراہیم نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ محمد بن مروان کے پاؤں میں لغزش آگئی، مگر عبدالملک کی بروقت کمک نے پھر پیر جما دیئے[1]

گو مصعب پہلے سے بہت مایوس ہو چکے تھے لیکن میدانِ جنگ میں انھیں کا پلہ بھاری رہا، اور جس قدر جنگ طول کھینچتی جاتی تھی اسی قدر اموی فوج کا پہلو کمزور پڑتا جاتا تھا اور قریب تھا کہ وہ سپر ڈال کر میدان چھوڑ دے، عین ایسے موقعہ پر ابن زبیرؓ کی فوج کے ایک ممتاز آدمی عتاب بن ورقا تمیمی کو ابراہیم کی اس شجاعت پر حسد ہوا، اور اس نے اس کی کوشش کی کہ اس کامیابی کا سہرا ابراہیم کے سر نہ بندھنے پائے، چنانچہ اس نے ابراہیم سے کہا رات ہو چکی ہے، سپاہی تھک چکے ہیں، اس لئے جنگ روک دینی چاہیئے، ابراہیم نے جواب دیا دشمن مقابل میں ہے، اس لئے جنگ کس طرح روکی جا سکتی ہے، عتاب نے کہا کم از کم میمنہ ہی کو دم لینے دو، ابراہیم نے اس سے بھی انکار کیا، اس انکار پر عتاب کی آتش حسد اور زیادہ مشتعل ہو گئی، اور وہ میمنہ کو جس کی وہ خود کمان کر رہا تھا، میدانِ جنگ سے ہٹالے گیا، میمنہ کے ہٹنے سے مصعب کی فوج کا ایک بازو کمزور پڑ گیا، محمد بن مروان کے میسرہ نے اس کا اندازہ کرکے نہایت زور شور کا حملہ کر دیا، اس کے حملہ کے ساتھ ہی اموی سوار ہر طرف سے ابراہیم پر ٹوٹ پڑے، اور نیزوں کی بارش ہونے لگی، ایک انسانی جسم کب تک نیزوں کا ہدف بنا رہتا، بالآخر وہ زخمی ہو کر گھوڑے کی پشت سے زمین پر گر گئے، ان کے گرتے ہی امویوں نے بڑھ کر سر تن سے جدا کر لیا، ابراہیم کے قتل سے ابن زبیرؓ کا بڑا زبردست بازو ٹوٹ گیا،[2]

عیسیٰ بن مصعب کا بہادرانہ قتل، ابراہیم مصعب کے دست راست تھے، اس لئے ان کے قتل

[1] طبری ج ۸ ص ۸۰۶، [2] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۲۲،

سے ان کی قوت بہت کمزور پڑ گئی اور اس کے بالمقابل عبد الملک کو تازہ دم مدد مل گئی پھر بھی مصعب ہمت نہیں ہارے اور دوسرے دن پھر مقابلہ مین آئے لیکن اب انکا وقت آخر ہو چکا تھا، اس لئے جنگ شروع ہونے سے پہلے مضر و ربیعہ کے قبائل نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور مصعب کے ساتھ کل سات آدمی باقی رہگئے مصعب نے یہ رنگ دیکھا تو اپنے صاحبزادہ عیسیٰ سے کہا "اب میرے قتل ہونے مین کوئی شبہ نہیں ہے تم خوانخواہ اپنی قیمتی جان ضائع نہ کرو اور مکہ جاکر اپنے چچا سے عراقیون کی بے وفائی کا حال سنادو" غیور لڑکے نے جواب دیا "مین قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا، کہ باپ کو چھوڑ کر بھاگ آیا، مصعب نے کہا اگر نہیں جاتے تو میرے سامنے میدان مین نکلو تاکہ جو کچھ مجھ سے ہو سکے تمھاری حفاظت کر لون، باپ کے اس حکم پر لڑکا آگے بڑھا اور لڑتے لڑتے باپ کے اوپر سے فدا ہو گیا،

مصعب کا قتل عبد الملک اور مصعب کے بہت پرانے تعلقات تھے لیکن یہ بساط سیاست کی بازی تھی جس نے دونون دوستون کو میدان جنگ مین ایک دوسرے کے مقابل حریفانہ کھڑا کر دیا تھا، مگر گذشتہ تعلقات کے لحاظ سے عبد الملک انھین قتل نہین کرنا چاہتا تھا چنانچہ عیسیٰ کے قتل کے بعد اس نے مصعب کی جان بخشی کے بارہ مین اپنے لوگون سے مشورہ کیا اس مشورہ پر باہم اختلاف ہو گیا، اور اتنا بڑھا کہ لڑائی تک نوبت پہنچ گئی، مگر عبد الملک کسی قیمت پر بھی مصعب کے خون کا بار اپنے اوپر لینا نہین چاہتا تھا، چنانچہ اختلاف رائے کے باوجود اس نے اپنے بھائی محمد کی زبانی امان نامہ بھجوا دیا، انھون نے جاکر مصعب سے کہا کہ "امیر المومنین تمھاری خطاؤن سے درگذر کر کے تمھاری جان و مال کو امان دیدی ہے تمھارا جہان دل چاہے، چلے جاؤ"

ابھی محمد کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ ایک اموی سنگدل مصعب کے لڑکے عیسٰی کا سر تن سے جدا کرنے کے لئے آگے بڑھا دل شکستہ باپ سے یہ منظر نہ دیکھا گیا، مصعب اسے ہٹانے کے لئے بڑھے اس وقفہ میں شامیوں نے اپنے آدمی کو ہوشیار کر دیا، مصعب کا گھوڑا زخمی ہو چکا تھا، اس لئے وہ گھوڑے سے اتر پڑے، عبید اللہ بن زیاد بن ظبیان انھیں دیکھ رہا تھا، جیسے ہی یہ گھوڑے سے اترے وہ ان کی طرف لپکا، انھوں نے اسکو زخمی کر دیا، لیکن خود زخموں سے چور ہو رہے تھے، اس لئے زیادہ دیر تک مقابلہ کرنیکی تاب نہ تھی، چنانچہ آخر میں عبید اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، اور حضرت زبیرؓ بن عوام کا گوہر آبدار اور ابن زبیرؓ کا دست و بازو پیوند خاک ہو گیا[1]

ابن زبیرؓ سے مقابلہ کی تیاریاں،

مصعب کے قتل سے عبد اللہ بن زبیرؓ کا بازو بالکل ٹوٹ گیا اس حادثہ سے ایک طرف ان کا کوئی سچا ہوا خواہ اور مخلص معتمد علیہ باقی نہیں رہا، دوسری طرف عراق پر عبد الملک کا قبضہ ہو جانے سے ابن زبیرؓ کے مقبوضات اور آمدنی میں بڑی کمی ہو گئی، اس لئے عبد الملک کے لئے ان کا زیر کر لینا آسان ہو گیا چنانچہ ۷۲ھ میں اس نے ابن زبیرؓ کی جانب سے اطمینان کلی حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور ایک دن منبر پر چڑھکر مجمع کے سامنے سوال کیا کہ تم میں سے کون ابن زبیرؓ کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہے؟ اس سوال پر حجاج نے اپنا نام پیش کیا، عبد الملک نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا، اور تینوں مرتبہ حجاج ہی نے جواب دیا، اور کہا "میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے ایک ڈھال چھین کر لگا لی ہے[2]"

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۵۲۲ و ۵۲۳، [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۱،

حرم کا محاصرہ حجاج کی اس آمادگی پر عبد الملک نے ذیقعدہ ۷۲ھ میں اس کو ابن زبیرؓ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ابن زبیرؓ حرم محترم مین پناہ گزین تھے، ناقدر شناس حجاج نے مکہ پہنچکر حرم کا محاصرہ کرلیا، اور مسلسل کئی مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، اس پوری مدت مین ایسی ہیبتناک آتش زنی اور سنگباری ہوتی رہی کہ اس کی چمک اور دھماکون سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان زمین پر آجائیگا[1]، ابن زبیرؓ نہایت دلیری اور پامردی کے ساتھ اس محاصرہ کا مقابلہ کرتے رہے، اور ان کے اطمینان وسکون مین مطلق کسی قسم کا فرق نہ آیا، عین سنگباری کی حالت مین وہ خانۂ کعبہ مین نماز پڑھتے تھے، اور بڑے بڑے پتھر آکر ان کے آس پاس گرتے تھے، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹتے تھے[2]،

سامان رسد کا اختتام اور ابن زبیرؓ کے ساتھیون کی بے وفائی ابتدا مین ابن زبیرؓ کے پاس سامان رسد بہت کافی تھا، لیکن اس قدر طویل محاصرہ کا کب تک ساتھ دیسکتا تھا، آخر آخر مین رسد کی قلت سے یہانتک نوبت پہنچ گئی کہ سواری کے گھوڑے ذبح کر کرکے کھانا شروع کر دیئے، اس محاصرہ کی وجہ سے مکہ مین بھی عام قحط پڑگیا تھا، ہر چیز سونے کے بھاؤ بکنے لگی، چنانچہ ایک مرغی دس درہم کو ملتی تھی، باجرہ جیسا معمولی غلہ ۱۲ درہم فی رطل بکتا تھا، ایسی حالت مین زیادہ دنون تک محصورین کا استقلال دکھانا مشکل تھا، چنانچہ ابن زبیرؓ کے ساتھی محاصرہ کی سختیون اور بھوک کی تکلیف سے عاجز آکر حجاج کے دامن مین پناہ لینے لگے، اور رفتہ رفتہ دس ہزار آدمی ابن زبیرؓ کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے مل گئے، آخر آخر مین ابن زبیرؓ کے دو صاحبزادے حمزہ اور حبیب نے بھی باپ کا ساتھ چھوڑ دیا، البتہ ایک صاحبزادہ آخر دم تک ثابت قدم رہے، اور اسی

[1] طبری ج ۸ ص ۸۴۴ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶،

ثابت قدمی مین مارے گئے[1]

حضرت اسمأؓ سے مشورہ اور ان کا شجاعانہ جواب

ابن زبیرؓ نے اپنی بے بسی کا یہ عالم دیکھا تو مایوس ہو کر ایک دن اپنی مان حضرت اسمأؓ کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا "امان میرے تمام ساتھیون نے ایک ایک کرکے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہی حتیٰ کہ میرے لڑکے بھی مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہین، اب صرف چند فداکار باقی رہ گئے ہین لیکن ان مین بھی مقابلہ کی تاب نہین ہے، اور ہمارا دشمن ہمارے منشا کے مطابق مطالبات پورے کرنے پر آمادہ ہے ایسی حالت مین آپ کیا فرماتی ہین؟" اس وقت حضرت اسمأؓ کی عمر سو برس سے متجاوز ہو چکی تھی، جوان جوان بیٹون اور پوتون کے داغ اٹھا چکی تھین، دل وجگر فگار ہو رہے تھے، نامور بیٹون مین صرف حضرت عبداللہؓ باقی تھے، ان حالات، اس پیرانہ سالی اور ایسی خستہ دلی کے ہوتے ہوئے بھی صدیق اکبرؓ کی اولوالعزم اور بہادر بیٹی نے آمادہ بہ قتل بیٹے کو جو شریفانہ جواب دیا، اس پر عورتون کی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی، فرمایا، "بیٹا تم کو خود اپنی حالت کا صحیح اندازہ ہوگا، اگر تم کو اس کا یقین ہو کہ تم حق پر ہو، اور حق کی دعوت دیتے ہو تو جاؤ اس کے لئے لڑو کہ تمھارے بہت سے ساتھیون نے اس پر جان دی ہے، لیکن اگر تمھارا مقصد دنیا طلبی ہی، تو تم سے بڑھکر برا کون خدا کا بندہ ہوگا کہ خود اپنے کو ہلاکت مین ڈالا اور اپنے ساتھ کتنون کو ہلاک کیا، اگر یہ عذر ہے کہ تم حق پر ہو لیکن اپنے اعوان و انصار کی کمزوری سے لاچار ہوگئے ہو، تو یاد رکھو شریفون اور دیندارون کا یہ شیوہ نہین ہے، تم کو کب تک دنیا مین رہنا ہے، جاؤ حق پر جان دیدینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے"[1]

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶،

ماں کی زبان سے یہ بہادرانہ جواب سنکر کہا، اماں مجھے صرف اس کا خوف ہی کہ اگر بنی امیہ میرے قتل کرنے مین کامیاب ہوگئے تو میری لاش کو مثلہ کر کے سولی پر لٹکائینگے اور اسکی بے حرمتی کرین گے، بہادر ماں نے جواب دیا "بیٹا ذبح ہونے کے بعد بکری کو کھال کھینچنے سے تکلیف نہین ہوتی، جاؤ خدا سے مدد مانگ کر اپنا کام پورا کرو" یہ حوصلہ افزا کلمات سنکر ابن زبیرؓ کی ڈھارس بندھی، ماں کے سر کا بوسہ دیکر کہا میری بھی یہی رائے ہے، پھر مختصر الفاظ مین اپنی صفائی پیش کر کے کہا، کہ مین نے یہ صفائی اپنے نفس کو کمزوریوں سے بیرا دکھلانے کے لئے نہین پیش کی ہی، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کو یہ تسکین رہے کہ آپ کے لڑکے نے ناحق بات کے لئے جان نہین دی، ماں نے جواب دیا "مجھے امید ہے کہ مین ہر حالت مین صبر و شکر سے کام لونگی، اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے چل بسے تو صبر کرونگی اور اگر کامیاب ہوئے، تو تمھاری کامیابی پر خوش ہونگی، اچھا اب جاؤ، دیکھون خدا کیا انجام دکھاتا ہے" ابن زبیرؓ دعا کے طالب ہوئے، ماں نے ان کے حق مین دعا کر کے انہین خدا کے سپرد کیا، پھر اپنے لئے صبر و شکر کی دعا مانگی، دعا مانگنے کے بعد بیٹے کو رخصت کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے کہ "بیٹا پاس چلے آؤ تاکہ آخری مرتبہ تم سے رخصت ہو لون" ابن زبیرؓ نے کہا "مین بھی آخری رخصتی کے لئے حاضر ہوا ہون کہ اب دنیا مین یہ میرے آخری دن ہین" حضرت اسمارؓ نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا "جاؤ اپنا کام پورا کرو" اتفاق سے گلے لگانے مین ابن زبیرؓ کی زرہ پر ہاتھ پڑ گیا پوچھا "بیٹا یہ کیا؟ جان دینے والون کا یہ شیوہ نہین ہے"

شہادت ماں کے اس فرمان پر انھون نے جان کی حفاظت کا یہ آخری سہارا بھی اتار دیا، اور کپڑے درست کر کے رجز پڑھتے ہوئے رزمگاہ پہنچے اور آتے ہی اس زور کا

حملہ کیا کہ بہت سے شامی خاک و خون میں تڑپ گئے لیکن شامیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے ابن زبیرؓ کے ساتھی ان کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے، اور ان کے ریلے سے منتشر ہو گئے، ایک خیر خواہ نے ایک محفوظ مقام پر چلے جانے کا مشورہ دیا، فرمایا "ایسی حالت میں مجھ سے برا کون مسلمان ہوگا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو قتل ہونے کے لئے سامنے کر دیا، اور ان کے قتل ہونے کے بعد میں خود ان کی جیسی موت سے بھاگ نکلوں"۔

اب ابن زبیرؓ کی قوت بہت کمزور پڑ گئی تھی، اس لئے جس قدر وقت گذرتا جاتا تھا اسی قدر شامیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا، یہانتک کہ بڑھتے بڑھتے خانۂ کعبہ کے تمام پھاٹکوں پر انکا ہجوم ہو گیا، لیکن ابن زبیرؓ اس حالت میں بھی شیر کی طرح چاروں طرف حملہ آور ہوتے اور جدھر رخ کر دیتے تھے شامی کائی کی طرح چھٹ جاتے تھے، حجاج نے جب دیکھا کہ کوئی شامی ان کے پاس جانے کی ہمت نہیں کرتا ہے، تو خود سواری سے اتر پڑا، اور اپنی فوج کو للکار کر ابن زبیرؓ کے علمبردار کی طرف بڑھنے کا حکم دیا، لیکن ابن زبیرؓ نے بڑھکر اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو منتشر کر دیا، اور منتشر کر کے نماز پڑھنے کے لئے مقام ابراہیم پر چلے گئے، ادھر شامیوں نے موقعہ پاکر ان کے علمبردار کو قتل کر کے علم چھین لیا، ابن زبیرؓ نماز پڑھکر لوٹے تو بڑی دیر تک بغیر علم کے لڑتے رہے[1]،

عین اس حالت میں ایک شامی نے ایسا پتھر مارا کہ ابن زبیرؓ کا سر کھل گیا، اور چہرہ سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، داڑھی خون سے تر ہو گئی، اس خونناک نشانی پر ابن زبیرؓ نے یہ شجاعانہ شعر پڑھا :-

---

[1] یہ تمام حالات ملخصاً ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۲ تا ۲۸۹ و مستدرک حاکم تذکرہ ابن زبیرؓ سے ماخوذ ہیں،

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا ولکن علی اقدامنا تقطر الدماء

یعنی ہم وہ نہیں ہیں جو پیٹھ پھیرنے کی وجہ سے جنکی ایڑیون پر خون گرتا ہو، بلکہ (سینہ سپر ہونیکی وجہ سے) ہمارے قدمون پر خون ٹپکتا ہو"

یہ رجز پڑھتے جاتے تھے اور اسی بےجگری اور دلیری سے لڑتے جاتے تھے لیکن زخمون سے چور ہو چکے تھے، ساتھیون کی ہمت پست ہو چکی تھی، شامیون کا انبوہ کثیر مقابل مین تھا، اسلئے انھون نے ہر طرف یورش کرکے نرغہ مین لے کر قتل کر دیا اور جمادی الثانی ۷۳ھ مین قریش کا یہ یگانہ بہادر، حواری رسول کا لخت جگر، اور ذات النطاقین کا نور نظر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا[۱]

حجاج کی شقاوت، لاش کی بےحرمتی اور اسماء کی بہادری

سنگدل اور کینہ توز حجاج کی آتش انتقام ابن زبیرؓ کے خون سے بھی نہ بجھی قتل ہونے کے بعد اس نے سر کٹوا کر عبد الملک کے پاس بھجوا دیا، اور لاش قریش کی عبرت کے لئے بیرون شہر ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکوا دی[۲] حضرت اسماء کو خبر ہوئی، تو انھون نے کہلا بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے لاش سولی پر کیون آویزان کرائی، اس سنگدل نے جواب دیا "ابھی مین اس منظر کو باقی رکھنا چاہتا ہون" اس کے بعد ستم رسیدہ مان نے تجہیز و تکفین کی اجازت مانگی، لیکن حجاج نے اس کی بھی اجازت نہ دی، اور اس اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادر کی لاش جس نے زندگی مین سات برس تک بنی امیہ کو لرزہ براندام کئے رکھا تھا شارع عام پر تماشا بنی رہی، قریش آتے تھے دیکھتے تھے، اور عبرت حاصل کرتے ہوئے گذر جاتے تھے، اتفاقاً ابن عمر کا گذر ہوا وہ لاش کے پاس کھڑے ہو گئے، اور تین مرتبہ نعش سے خطاب کرکے کہا، ابو خبیب السلام علیک

---

[۱] طبری ج ۸ ص ۸۵۰ و مستدرک تذکرہ ابن زبیرؓ، [۲] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۹۰

میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا، تم روزے رکھتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، صلہ رحمی کرتے تھے" حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش سولی سے اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی اور ستم بالائے ستم یہ کیا کہ ستم رسیدہ اسماء کو بلا بھیجا، انھوں نے آنے سے انکار کیا، ان کے انکار پر اس گستاخ نے کہلا بھیجا کہ سیدھی چلی آؤ، ورنہ چوٹی پکڑ کے گھسٹوا بلاؤنگا لیکن صدیق اکبر کی بیٹی اس قسم کی دھمکیوں کو کب شمار میں لاسکتی تھی، جواب دیا، خدا کی قسم اب میں اس وقت تک نہ آؤنگی جب تک تو چوٹی پکڑ کے نہ گھسٹوائے گا، یہ جواب سنکر اس ظالم نے سواری منگائی، اور حضرت اسماءؓ کے پاس جا کر کہا، "کہو دیکھا خدا نے اپنے دشمن کو کیا انجام دکھایا، دلیر خاتون نے جواب دیا "ہاں تو نے ان کی دنیا خراب کی لیکن انھوں نے تیری آخرت برباد کر دی، تو مجھے ذات النطاقین کہہ کر شرم دلاتا ہے، تجھکو کیا معلوم کہ یہ کتنا معزز لقب ہے، اور کس کا دیا ہوا ہے، نادان یہ لقب رسول اللہ صلعم کا عطا کردہ ہے، میرے پاس دو پٹکے (نطاق) تھے، ایک پٹکے سے چونٹیوں سے بچانے کے لئے رسول اللہؐ کا کھانا ڈھانکتی تھی، اور دوسرا اپنے مصرف میں لاتی تھی، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں کذاب اور مبیر ہونگے کذاب تو ہم لوگوں نے دیکھ لیا تھا مبیر باقی رہگیا تھا، وہ تو ہے، حضرت اسماءؓ کی یہ بے باکانہ باتیں سنکر حجاج لوٹ گیا۔[۱]

تدفین، عبد الملک کو جب اس کی خبر ہوئی کہ اسماءؓ نے لاش مانگی، مگر حجاج نے دینے سے انکار کیا، تو اس نے اس کو نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے لاش اب تک کیوں نہ حوالہ کی، اس ڈانٹ پر اس نے لاش دیدی اور غمزدہ ماں نے غسل دلا کر اپنے نور نظر کو مقام حجون میں پیوند خاک کیا، شہادت کے وقت ابن زبیرؓ کی عمر ۷۲ سال تھی، مدت خلافت سات برس

۱؎ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۵۳

علامہ شبلیؒ نے حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت اور حضرت اسماءؓ کے غیر معمولی صبر و استقلال اور بے نظیر شجاعت کے واقعات نہایت مؤثر پیرایہ میں نظم کئے ہیں ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس مقام پر ان کا نقل کرنا بے محل نہ ہوگا، فرماتے ہیں :-

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ — سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابن مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ — جسکی تقدیر میں مرغان حرم کا تھا شکار

حرم کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ — فوج بیدین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامن عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد — بارش سنگ سے اٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار

تھا جو سامان رسد چار طرف سے مسدود — ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک گنج مزار

جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا — ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار

جا کے کی عرض کہ "اے اخت حریم نبوی — نظر آتے نہیں اب حرمت دین کے آثار

آپ فرمائیے اب آپ کا ارشاد ہے کیا؟ — کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرمانبردار

صلح کر لوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر — یا یہیں کٹ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار"

بولی وہ پردہ نشین حرم ستر عفاف — حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجب عار

یہ زمین ہے وہی قربان گہ اسمٰعیل — فدیۂ نفس ہے خود دین خلیلی کا شعار"

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے با آداب نیاز — "آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوگا زنہار"

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں — جس طرف جاتے تھے ہٹتی جاتی تھی قطار

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم — ایک پتھر لگا آ کے سر و رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا از رہ فخر — "یہ ادادہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار"

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم — "خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار"

زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک　　آخر الامر گرے خاک پہ مجبور و نزار

لاش ہنگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا　　"اسکو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابل دار"

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن　　انکی ماں نے نہ کیا رنج والم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو اُدھر جا نکلیں　　دیکھکر لاش کو بے ساختہ بولیں یکبار

"ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار"[۱]

کارنامہائے زندگی عبد اللہ بن زبیرؓ کا شمار قریش کے ان اولوالعزم اور حوصلہ مند بہادروں میں ہے جنھوں نے تن تنہا اس عہد کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا برسوں مقابلہ کیا اور آنے والوں کے سبق کے لئے اپنی شجاعت و بہادری کی بے نظیر داستانیں چھوڑ گئے، انھوں نے سب سے اول امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی ۶۰ھ میں خلافت کا دعویٰ کیا تھا لیکن یزید کی زندگی میں انھیں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی، معاویہ بن یزید کی دست برداری کے بعد ۶۴ھ میں جب انھوں نے دوبارہ اپنی بیعت کی دعوت دی تو عام طور پر مسلمانوں نے انھیں خلیفہ مان لیا، اور دولت اسلامیہ کے بیشتر حصوں میں ان کی بیعت ہوگئی، اسوقت سے لیکر ۷۳ھ تک وہ برابر بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے، اسلئے شمار کے اعتبار سے ان کی مدت خلافت سات برس ہے لیکن واقعہ کے اعتبار سے ان کو ایک دن کے لئے بھی اطمینان وسکون کے ساتھ حکومت کا موقعہ نہ ملا، کیونکہ ادعائے خلافت سے قتل ہونے تک برابر مختار ثقفی اور اس کے بعد بنی امیہ کا مقابلہ کرتے رہے اور ایک دن کے لئے بھی انھیں جنگ سے مہلت نہ ملی،

[۱] علامہ نے خفیف تغیر کیساتھ یہ واقعہ یعقوبی ج ۲ ص ۳۲۰ سے لیا ہے،

ظاہر ہے کہ ان حالات مین ان کو نظامِ خلافت اور ملکی نظم و نسق کے قیام کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہان سے مل سکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ انتظامی حیثیت سے ان کے سات سالہ عہدِ حکومت کی تاریخ کے اوراق بالکل سادہ ہین، تاہم تلاش و تفحص سے اچھے یا برے جیسے حالات بھی مل سکے ہین، وہ پیش کیے جاتے ہین، گو یہ بہت ناقص ہین، تاہم ان سے ان کے عہدِ حکومت کے حالات کا سرسری اندازہ ہو جائیگا،

صوبون کے عمال گو ابن زبیرؓ کو نظامِ حکومت کی جانب توجہ کرنے کی فرصت نہ ملی، تاہم وہ موٹے موٹے کامون سے غافل نہ تھے، عمال کا عزل و نصب، خراج کی تحصیل وصول، فوج کی نگرانی اور رعایا کی خبرگیری وغیرہ کے انتظامات برابر جاری تھے، چنانچہ آغازِ خلافت مین جن جن مقامات پر ان کا اثر قائم ہو گیا تھا، وہان ان کے کارکن پہنچ گئے تھے، چنانچہ عبد الرحمن بن جحدم مصر مین، ناتل بن قیس فلسطین مین، ضحاک بن قیس دمشق مین، نعمان بن بشیر حمص مین، زفر بن حارث قنسرین اور عواصم مین، عبد اللہ بن مطیع کوفہ مین، حارث بن عبد اللہ بصرہ مین، اور عبد اللہ بن خازم خراسان مین ابن زبیرؓ کا کام کرتے تھے[1]

عمال کے مظالم کا تدارک عمال کی زیادتیون کی پوری نگرانی اور اس کی روک تھام کرتے تھے جہان کسی عامل کے متعلق کسی زیادتی کی شکایت موصول ہوتی، فوراً معزول کر دیتے اور ایسے عامل کے قرب و اختصاص کا مطلق لحاظ نہ کرتے تھے، سنہ ۶۸ھ مین اپنے صاحبزادہ حمزہ کو بصرہ کا عامل بنایا، انھون نے شرفائے بصرہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا، اور کچھ زیادتیان بھی کین، ابن زبیرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انھون نے فوراً معزول کر دیا، اور ان کے بجائے مصعب کو مقرر کیا[2]

رعایا کی خبرگیری، ابن زبیرؓ کا زمانہ سراسر شور و فتن تھا اس لئے انھین بیک وقت بہت سی

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۰۴، [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۳۱،

مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا، لیکن یہ اپنے حسنِ انتظام سے ان سب پر قابو حاصل کر لیتے تھے، مصعب کے قتل کے بعد ان پر بڑا نازک وقت آگیا تھا، بصرہ کے تمام سواد پر خارجیوں نے قبضہ کر لیا تھا، خاص بصرہ کا بھی محاصرہ کر چکے تھے، اور باشندگانِ بصرہ ان کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا تھے، مہلب بن ابی صفرہ نے جو ابن زبیرؓ کیجانب سے خراسان کے عامل تھے، ادھر توجہ کی، اور خوارج کو بصرہ کے علاقہ سے نکال کے اہل بصرہ کو ان کے مظالم سے نجات دلائی[1]

فوج ابن زبیرؓ کا فوجی نظام نہایت مکمل تھا، بری اور بحری فوجیں ہر وقت تیار رہتی تھیں، بری فوجی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ بہ یک وقت بنی امیہ، مختار ثقفی، اور خوارج کا مقابلہ کرتے تھے، ان کی بحری فوجیں بھی ہر وقت تیار رہتی تھیں، چنانچہ جب مروان مصر کی طرف بڑھا، تو یہاں کے حاکم ابن جحدم نے اس کے روکنے کے لئے بحری فوجیں روانہ کیں[2]

سامان رسد سورچوں پر سامان رسد کا خاص اہتمام رہتا تھا، اور رسد کے بڑے بڑے ذخائر مہیا رہتے تھے، چنانچہ حجاج نے جب مکہ کا محاصرہ کیا، اس وقت ابن زبیرؓ کے پاس غلہ پٹا ہوا تھا،[3] گو یہ ذخیرہ طویل محاصرہ کا آخر تک ساتھ نہ دلیکا،

امارت وقضا امارت وقضا کے منصب دستور جدا جدا تھے، چنانچہ کوفہ اور بصرہ کی مسندِ قضا پر ہشام بن ہبیرہ، اور عبداللہ بن عتبہ بن مسعود فائز تھے،[4] عبداللہ بن عتبہ وہ شخص ہیں جن کے گھر میں کئی پشتوں سے علم چلا آتا تھا، مختلف زمانوں میں مصر کی قضاوت پر قاضی شریح اور عابس بھی فائز رہے،

تعمیر کعبہ ابن زبیرؓ اس پر آشوب زمانہ میں بھی مذہبی خدمات سے غافل نہ رہے، اس سلسلہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر و تجدید انکا بہت اہم کارنامہ ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم

۱؎ یعقوبی ج ۲ ص ۳۱۲، ۲؎ کتاب الولاۃ کندی ص ۴۳، ۳؎ ابن اثیر ج ۴ ص ۲۸۶ ۴؎ کتاب الولاۃ ص

کی بعثت کے قبل حوادثِ زمانہ سے خانہ کعبہ کی عمارت بہت بوسیدہ ہو گئی تھی، اور اس کے گر جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اسی زمانہ مین قریش نے چندہ کر کے اس کو از سرِ نو بنوا دیا تھا لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اصل بنیادِ ابراہیمی کا تھوڑا حصہ جسے اب حطیم کہتے ہین ناقص چھوڑ دیا گیا تھا،

عہدِ رسالت مین آنحضرت صلعم کی دلی خواہش تھی کہ حطیم کا چھوٹا ہوا حصہ بھی کعبہ مین شامل کر کے اصل بنیادِ ابراہیمی پر از سرِ نو اس کی عمارت بنائی جائے، لیکن عرب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، کعبہ کی عمارت گرانے سے ان کے بھڑک جانے کا خطرہ تھا، اسلئے آپ اس خیال شریف کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، بخاری مین ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا، کہ اگر تمھاری قوم جاہلیت سے قریب نہ ہوتی تو مین کعبہ کی عمارت کو گرا کر اس کا چھوٹا ہوا حصہ بھی اس مین شامل کرا دیتا، اور اس کا دروازہ زمین سے ملا دیتا اور مشرقی و مغربی دونون دروازے کھول دیتا[1]،

جیسا کہ اوپر کے بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ قریش کی تعمیر کے وقت عمارت ناقص رہگئی تھی، اور آنحضرت صلعم اس کی تکمیل کرانا چاہتے تھے، اس کے بعد ابن زبیرؓ اور بنی امیہ کی معرکہ آرائی مین آتش زنی اور سنگباری کی وجہ سے اس کی عمارت کو اور زیادہ نقصان پہنچا، اس لئے ابن زبیرؓ نے آنحضرت صلعم کے متخیلہ نقشہ کے مطابق از سرِ نو اس کی تعمیر کا ارادہ کیا اور حج کے موقعہ پر جبکہ تمام عالمِ اسلام کے مسلمان حجِ بیت اللہ کے لئے جمع ہوتے ہین، انھون نے ان کے سامنے اس کی تعمیر کا مسئلہ پیش کیا، ابن عباسؓ نے رائے دی کہ صرف کمزور حصہ کی مرمت کرانی چاہئے، باقی حصہ کو بجنسہ اسی حالت پر رہنے دیا جائے، جس حالت مین وہ عہدِ رسالت

---

[1] بخاری کتاب المناسک باب فضل مکہ و بنیانہا

مین تھا، اور جس حالت پر لوگون نے اسلام قبول کیا بلکہ ان پتھرون کو بھی ویسے ہی چھوڑ دینا چاہئے جیسے وہ ظہور اسلام کے وقت تھے،

ابن زبیرؓ نے کہا اگر تم مین سے کسی کا گھر گر جاتا تو بغیر اس کے بنوائے ہوئے نہ رہتا، مین خدا سے تین مرتبہ استخارہ کے بعد اس کی تعمیر شروع کر دونگا، چنانچہ تین دن تک انھون نے اس مسئلہ پر غور کیا، اور غور کرنے کے بعد مکمل تعمیر کا فیصلہ کر لیا، لیکن دیوارون کے گرانے کا مسئلہ بہت اہم تھا، کیونکہ عوام کھودنے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے جھجکتے تھے کہ مبادا اس کی پاداش مین کوئی بلاے آسمانی نازل ہو جائے، ابھی یہ تذبذب جاری تھا کہ ایک شخص ہمت کرکے دیوار پر چڑھ گیا[1] اور ایک پتھر اکھاڑ کے گرا دیا، اس کو دیکھ کر لوگون کا خوف جاتا رہا، اور ان کی ہمت بندھ گئی، چنانچہ دیوارون کی کھدائی شروع ہو گئی، جب دیوارین زمین کے برابر ہو گئین تو ابن زبیرؓ نے اس کے چارون طرف قناتین گھیر دین، کہ جمال حقیقت کی جلوہ گاہ عام نظرون کا تماشہ گاہ نہ بننے پائے، اور قناتین گھروا کر تعمیر شروع کرا دی، جب بنیادین بھر چکین تو اکابر تبہ پھر لوگون کے سامنے آنحضرت صلعم کا خیال پیش کرکے کہا کہ میرے پاس روپیہ کی کمی نہین ہے، اور کوئی مزاحمت کرنے والا بھی نہین ہے، اسلئے مین آنحضرت صلعم کے منشاء نقشہ کے مطابق بنواؤنگا یعنی حطیم کا حصہ بھی خانہ کعبہ کی تعمیر مین شامل کر دیا جائیگا، چنانچہ اسی نقشہ کے مطابق انھون نے تعمیر کرایا،

قریش نے اپنی تجدید کے زمانہ مین خانہ کعبہ کا طول اٹھارہ گز اور اندر جانے کے لئے صرف ایک دروازہ رکھا تھا، وہ بھی بلندی پر تھا تاکہ انکی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی شخص اندر داخل نہ ہو سکے، ابن زبیرؓ نے اس مین چھوٹے ہوئے حصہ حطیم کو بھی شامل کرکے

---

[1] بعض روایتون مین ہو کہ خود عبد اللہ نے پہلا پتھر کھودا تھا،

پانچ گز اور بڑھا دیا اور جب یہ بھی ناکافی معلوم ہوا تو پانچ کے بجائے دس ہاتھ کر دیا، اور آنحضرت صلعم کے نقشہ کے مطابق دو دروازے شرقی اور غربی زمین سے ملا کر بنائے تاکہ آنے جانیوالوں کو زحمت نہ ہو[۵۱]

یہ ایک مشہور مقولہ ہو کہ تاریخ اپنے واقعات دہراتی ہے ممکن ہے عام طور پر یہ کلیہ صحیح نہ ہو لیکن کم از کم خانہ کعبہ کی اس تعمیر کے سلسلہ میں جس طرح تاریخ نے ایک واقعہ دھرایا ہو، وہ اپنے اندر بہت بڑا درس بصیرت رکھتا ہو، غالبًا ناظرین کو معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلعم کی ولادت سے پیشتر ابرہہ اشرم شاہ حبش نے خانہ کعبہ کی مرکزیت کو توڑنے کے لئے، یمن میں ایک کنیسہ تعمیر کرایا تھا کہ عرب کعبہ کو چھوڑ کر اس کا حج کیا کریں، یہ وہی کنیسہ ہے جس کو ایک کنانی نے جوش غضب میں گندگی سے آلودہ کر دیا تھا، اور ابرہہ جوش غضب میں ہاتھیوں کا غول لیکر کعبہ کو ڈھانے کے لئے چڑھ آیا تھا لیکن خدا نے اپنے گھر کو اس سے بچا لیا تھا، سورۂ الم ترکیف میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو،

خدا کی قدرت اور زمانہ کی نیرنگی دیکھو کہ کم وبیش ڈیڑھ صدی بعد اسی کنیسہ کو جو کعبہ کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا، ابن زبیرؓ نے کھدوا کر اس کے ملبہ سے کعبہ کی عمارت تعمیر کرائی، ابرہہ نے یہ کنیسہ بڑے ساز و سامان سے بنوایا تھا، سنگ رخام کے ستون تھے، رنگ برنگ کے نقشی پتھر اور خوشرنگ پچہ کاری سنہری پالش اس کی آب و تاب دوبالا کر رہی تھی، ابن زبیرؓ نے یہ تمام بیش قیمت سامان کھود کر کعبہ کی عمارت میں لگایا[۵۲]

غلاف کعبہ | سیوطی کا بیان ہے، کہ ابن زبیرؓ سے پہلے مسوح اور انطاع کا غلاف کعبہ پر چڑھایا جاتا تھا سب سے اول ابن زبیرؓ نے دیبا کا غلاف چڑھایا، لیکن بروایت صحیح اس اولیت کا سہرا

---

۵۱ مسلم کتاب الحج نقض الکعبہ وبنیانہا ۵۲ مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۱۹۴، ۵۳ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۳

حضرت امیر معاویہؓ کے سر ہی سب سے پہلے انھین نے کعبہ کو دیبا سے آراستہ کیا، تاہم عبد اللہ بن زبیرؓ کی یہ خدمت بھی کم نہین کہ انھون نے اپنے زمانہ مین دیبا ہی کے غلاف چڑھائے،

فضل وکمال، گو ابن زبیرؓ کو اپنی صغر سنی کے باعث براہ راست فیضان نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ نہ ملا، کیونکہ ان کی عمر اس وقت ۸۔۹ سال سے زیادہ نہ تھی، تاہم حضرت زبیرؓ بن عوام جیسے باپ اور عائشہؓ صدیقہ جیسی خالہ کی آغوش تربیت مین پرورش پائی تھی، جو مردون سے زیادہ مذہب کی واقف کار تھین، اسلئے ابن زبیرؓ کا دامن علم مذہبی جواہر ریزون سے خالی نرہا

قرآت قرآن تمام علوم اسلامیہ مین قرآن اور اس کے متعلقات راس العلوم ہین، ابن زبیرؓ کو قرآت قرآن سے خاص ذوق تھا، اور وہ نہایت اچھے قاری تھے، حضرت ابن عباسؓ جو خود حبر الامۃ تھے ابن زبیرؓ کے دوسرے فضائل وکمالات کے ساتھ ان کی قرآت قرآن کے خاص طور سے معترف تھے،[1]

حدیث، جیسا کہ ابھی اوپر لکھا جا چکا ہے کہ انھون نے سن رشد مین آنحضرت صلعم کا زمانہ نہین پایا، اس لئے وہ حدیث مین کوئی امتیازی پایہ حاصل نہ کرسکے، تاہم وہ ان گہر ہائے آبدار سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے، چنانچہ ان کی ۳۳ روایتین حدیث کی کتابون مین ملتی ہین جنمین سے ۲ دو روایتین متفق علیہ ہین اور ۶ مین بخاری اور ۲ مین مسلم منفرد ہین،[2]

ان روایتون کا بڑا حصہ خود زبان وحی والہام سے ماخوذ ہے، آپ کے علاوہ حضرت زبیرؓ حضرت عائشہؓ، حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ سے مروی ہین، ان کے تلامذہ مین عباد، عامر، عروہ، محمد، ہشام، عبد اللہ، مصعب، عبد الوہاب بن یحیٰ، یوسف، مرزوق ثقفی، ثابت بنانی، ابو الشعثا اور ابو الذبیان قابل ذکر ہین،[3]

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب التفسیر باب ثانی اثنین اذہما فی الغار [2] تہذیب الکمال ص ۱۹۷، [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۱۳،

تعلیم وارشاد، ابن زبیرؓ کے چشمۂ فیض سے عام مسلمان بھی سیراب ہوتے تھے، اور وہ عوام کو تقریر کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم کے اقوال اور آپ کے افعال کی تعلیم دیتے تھے[۱]

علمی افادہ واستفادہ، ان کا فضل وکمال ان کے معاصرین مین مسلم تھا، لیکن اس کے باوجود وہ نہ علمی استفادہ مین عار کرتے تھے اور نہ دوسرون کے کمالات کے اعتراف مین بخیل تھے، چنانچہ جب کبھی اس قسم کا کوئی مسئلہ پیش آتا جس سے وہ ناواقف ہوتے تو بغیر اپنی کسرشان سمجھے ہوئے مستفتی کو دوسرے معاصرین کے پاس بھیجدیتے تھے، ایکمرتبہ یہ اور عاصم بن عمر بیٹھے تھے، محمد بن ایاس نے آکر سوال کیا کہ ایک دیہاتی نے خلوت کے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقین دی ہین آپ دونون کا اس بارہ مین کیا خیال ہے، ابن زبیرؓ کو صورت مسئولہ کا علم نہ تھا، اس لئے کہدیا کہ مجھے اس بارہ مین علم نہین ہی، عبداللہ بن عباسؓ کے پاس جاؤ، وہ بتائین گے[۲]

اسی طریقہ سے وہ اپنے سے بڑے صاحب علم کے مذہبی مشورے بہت آسانی کے ساتھ قبول کرلیتے تھے، اور ان کی ہدایتون پر عمل کرتے تھے، آنحضرت صلعم عید الفطر کے لئے اذان نہین کہلاتے تھے، اور نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرماتے تھے، ابن زبیرؓ کی بیعت خلافت کے زمانہ مین ابن عباسؓ نے انھین آنحضرت صلعم کے اس عمل سے آگاہ کیا، انھون نے بلاچون وچرا قبول کرلیا، اور اس پر عمل کرنے لگے[۳]

وہ نہ صرف ان بزرگون کی ہدایات کو قبول کرتے تھے، بلکہ اس قسم کے مسائل اپنے ہمعصرون سے پوچھ لیا کرتے تھے، چنانچہ شیر خوار کے وظیفہ، کھڑے ہوکر پانی پینے اور قیدی کو چھڑانے کے احکام کے بارہ مین حضرت حسینؓ سے معلومات حاصل کئے تھے[۴]

---

[۱] مسلم کتاب المساجد ومواقع الصلوۃ، باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ وبیان صفتہ، [۲] موطا امام مالک ص ۲۰۰، [۳] مسلم کتاب العیدین، [۴] استیعاب ج اول ص ۱۴۸،

مختلف زبانون سے واقفیت

اوپر کے حالات علوم مذہبی سے متعلق ہین، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان علوم مین ان کا کوئی امتیازی پایہ نہ تھا، لیکن ان علوم کے علاوہ اور دوسرے کمالات مین وہ اپنے اکثر ہمعصرون پر فائق تھے عہد صحابہ مین ایسے افراد مشکل سے نکلین گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانون سے بھی واقفیت رکھتے ہون، لیکن یہ امتیاز صرف ابن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ وہ متعدد زبانون کے ماہر تھے، اور اس مین نہایت آسانی کے ساتھ گفتگو کر سکتے تھے، ان کے مختلف اقوام کے بہت سے غلام تھے، ان کی زبانین بھی مختلف تھین، ابن زبیرؓ ان سب سے انکی مادری زبان مین گفتگو کرتے تھے[۱]

خطابت

زبان آوری اور خطابت اس عہد کا شریف ترین فن اور بڑا کمال سمجھا جاتا تھا خصوصاً قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی، ابن زبیرؓ کو خطابت اور اس کی تمام خصوصیات مین خداداد اور فطری ملکہ حاصل تھا، عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہین، کہ بلاغت مین ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا جب وہ خطبہ دیتے تو آواز کی کڑک سے پہاڑیان گونج اٹھتی تھین[۲]، اس موقعہ پر نمونۃً ان کی ایک تقریر نقل کیجاتی ہی، اس سے ان کی بلاغت اور دلآویز طرز بیان کا اندازہ ہوگا، اس تقریر کی شان نزول یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب ان کی جانب سے عراق کے حاکم تھے، ایک مرتبہ ابن زبیرؓ کے پاس عراق سے وفد آیا انھون نے اس سے مصعبؓ کے حالات پوچھے ارکان وفد نے مصعبؓ کے حسن سیرت اور عدل پروری کی بڑی تعریف کی، ابن زبیرؓ نے عام مسلمانون کی آگاہی کے لئے جمعہ کے بعد مصعبؓ کے حالات کے بارہ مین حسب ذیل تقریر کی[۳]:-

---

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۹، [۲] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۳،

[۳] امالی ابو علی قالی ج اول ص ۲۸۶،

ایہا الناس انی سالت الی قد عن	لوگو! مین نے وفد سے مصعب کے حالات
مصعب فاحسنوا الثناء علیہ و	پوچھے، انھون نے انکی بڑی تعریف کی اور
ذکروا اما احب وان مصعباً اطبی	جیسا مین چاہتا تھا، وہی ان سے سنا
القلوب حتی ما تعدل بہ ولا ھوا	مصعب نے لوگون کے دلون کو ایسا مسخر
حتی ما تحیل عنہ و استمال الالسن	کرلیا ہو کہ وہ کسی کو ان کے برابر نہین سمجھتے
ثنائہا والقلوب بنصحہا والنفوس	اور خواہشون کو ایسا فریفتہ کرلیا ہو کہ ان سے
بمحبتہا فھو المحبوب فی خاصتہ	الگ نہین ہوتین، انھون نے اپنے حسن عمل
والمحمود فی عامتہ بما اطلق	سے زبانون کو اپنی تعریف مین اور دلون
اللہ لسانہ من الخیر و بسط	کو اپنی خیر خواہی اور نفوس کو اپنی محبت کا
یدہ من البذل	گرویدہ بنالیا ہی، اور وہ اپنے خاص
	طبقہ کے محبوب اور عام طبقہ کے پسندیدہ
	انسان ہین، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ خدا
	نے انکی زبان کو بھلائی کیلئے کھول دیا ہے
	اور ہاتھ کو سخاوت کے لئے دراز کردیا ہے

تاریخ کی کتابون مین ان کی بڑی لمبی لمبی تقریرین ہین لیکن ہم نے اختصار کے خیال سے صرف ایک مختصر نمونہ نقل کردیا،

اخلاق وعادات ابن زبیرؓ جس گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور جیسے مقدس بزرگون کے دامن مین انھون نے پرورش پائی تھی، اس کا قدرتی اقتضا یہ تھا کہ وہ تعلیماتِ اسلام کا عملی نمونہ ہوتے، اسی لئے ان کی زندگی سرتاپا مذہبی رنگ مین رنگ گئی تھی، اور وہ اسوۂ نبوی کا ایک زندہ نمونہ

بن گئے تھے،

عبادت، عبادت الٰہی ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، اور اس مین بڑی محنت شاقہ برداشت کرتے تھے، نماز اس سکون قلب اس اخلاص اور اس استغراق سے پڑھتے تھے کہ قیام کی حالت مین بے جان ستون معلوم ہوتے تھے[1] رکوع کا یہ عالم تھا کہ دوسرے لوگ پوری سورۂ بقرہ ختم کر دیتے، مگر ان کا رکوع نہ ختم ہوتا[2] سجدہ کی یہ کیفیت تھی کہ طول سجدہ کی وجہ سے ایسے بے حس وحرکت ہو جاتے کہ چڑیان اڑ اڑ کر پیٹھ پر بیٹھتی تھین[3]، نازک سے نازک مواقع پر بھی نماز کیجانب سے غفلت نہ ہوتی تھی، حجاج کے محاصرہ کے زمانہ مین جبکہ چارون طرف سے پتھرون کی بارش ہوتی تھی، ابن زبیرؓ حطیم مین نماز ادا کرتے تھے، پتھر آآکر پاس گرتے تھے، مگر یہ مطلق متوجہ نہ ہوتے تھے[4] ان کا معمول تھا کہ ایک رات قیام مین گذارتے، دوسری رکوع مین، اور تیسری سجدہ مین[5]، ان کی نماز آنحضرت صلعم کی نماز کی ہو بہو تصویر ہوتی تھی، ابن عباسؓ کہتے تھے اگر تم لوگ رسول اللہ صلعم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو، تو ابن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو[6]، عمرو بن دینار روایت کرتے ہین کہ مین نے کسی نمازی کو ابن زبیرؓ سے زیادہ اچھی پڑھتے ہوئے نہین دیکھا،[7]

روزون مین بھی یہی شغف و انہماک تھا، کبھی کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ رکھتے تھے[8]، دوشنبہ کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا، حج بہت کم ناغہ ہوتا تھا، گو دعوی خلافت سے لیکر شہادت تک برابر جھگڑون مین مبتلا رہے لیکن حج اس حالت مین بھی ناغہ نہ ہوا، حج کا فرض صرف ایک مرتبہ حج کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے، لیکن ابن زبیرؓ نے آٹھ حج کئے[9] حرم چونکہ

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۷۰، [2] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۲، [3] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۶۲، [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳،
[5] اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۶۲، [6] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۹ ۲۸، [7] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳،
[8] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۴۹، [9] استیعاب ج اول ص ۳۶۴،

نشیب میں ہی، اس لئے جب بارش زیادہ ہوتی تھی تو کبھی کبھی سیلاب آجاتا تھا، اور پورا حرم تہِ آب ہو جاتا، ایسی حالت میں بھی ابن زبیرؓ طواف ناغہ نہ کرتے تھے، اور پانی میں پیر کر اسے پورا کرتے،[1] غرض عبادات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے، جس میں انھوں نے سخت سے سخت محنت نہ اٹھائی ہو،[2]

ان کی مذہبی زندگی کے وہ لوگ معترف تھے، جو خود زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، ابن عمرؓ جو مذہبی حیثیت سے اپنے تمام ہمعصروں میں ممتاز تھے، جب ابن زبیرؓ کی لاش کی طرف سے گذرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا، ابو خبیب خدا تمھاری مغفرت کرے تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑے صلہ رحمی کرنے والے تھے،[3]

دین و دنیا کی آمیزش عموماً زہد و ورع اور عبادت و ریاضت کے ساتھ دنیا داری بہت کم مجتمع ہوتی ہی، لیکن ابن زبیرؓ کی ذات میں دین و دنیا دونوں مجتمع تھے، وہ دنیادار بھی تھے، اور عابد شب زندہ دار بھی، دنیا میں مشغول بھی تھے اور دنیا سے الگ بھی، عمر بن قیس روایت کرتے ہیں کہ جب میں ابن زبیرؓ کو دنیا داری معاملات میں دیکھتا تھا، تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ شخص کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی خدا سے تعلق نہیں پیدا کرتا، اور جب آخرت کے معاملہ میں دیکھتا، تو ایسا معلوم ہوتا کہ یہ شخص ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا کی طرف مشغول نہیں ہوتا،[4]

ازواج مطہرات کی خدمت تمام گذشتہ خلفاء اہل بیت نبوی کی خدمت اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے اور انھوں نے امہات المومنین کے وظائف مقرر کر دیئے تھے، ابن زبیرؓ نے بھی برابر اسکا سلسلہ قائم رکھا، اور عزیز داری کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت خصوصیت کیساتھ کرتے تھے، حضرت عائشہؓ بڑی فیاض اور کشادہ دست تھیں، ابن زبیرؓ انہیں جو کچھ دیتے وہ

---

[1] اصابہ ج ۴ ص ۷۱، و تاریخ الخلفاء ص ۲۱۳، [2] کنز العمال فضائل ابن زبیر [3] مستدرک ج ۳ ص ۵۵۲ [4] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۱۳

سب خرچ کرڈالیتین، ان کی اس فیاضی پرایک مرتبہ ابن زبیرؓ کی زبان سے نکل گیا کہ اگر انھون نے اپنا ہاتھ نہ روکا تو آیندہ امداد نہ کرونگا، اتفاق سے حضرت عایشہؓ کو اسکی خبر ہوگئی، آپ نے اس کی تصدیق کی تو خبر صحیح نکلی، حضرت عایشہؓ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا، اور آپ نے قسم کھالی کہ اب ابن زبیرؓ سے کبھی نہ بولونگی، جب اس عہد نے زیادہ سنجیدہ شکل اختیار کرلی اور حضرت عایشہؓ کے ترک کلام نے طول پکڑا تو ابن زبیرؓ بہت گھبرائے اور سفارش کے ذریعہ سے عفو کی کوشش شروع کی لیکن حضرت عایشہؓ کا غصہ ابھی فرو نہ ہوا تھا صاف جواب دیدیا، کہ مین کسی کی سفارش سنکر اپنی قسم نہین توڑسکتی، لیکن ابن زبیرؓ کے لئے یہ صورت بہت تکلیف دہ تھی، اس لئے کچھ دنون کے بعد مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمن بن اسود کا دامن پکڑا، کہ تم لوگ کسی طرح مجھے خالہ کی خدمت مین پہنچا دو، کیونکہ ان کے لئے مجھ سے ترک کلام کرنے کی نذر ماننا جائز نہین ہو، چنانچہ یہ دونون انھین اپنے ساتھ حرم نبوی کے دروازہ پر لیگئے اور سلام عرض کرکے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، حضرت عایشہؓ نے اجازت مرحمت فرمائی، ان دونون نے پھر عرض کیا، کیا ہم سب اندر آسکتے ہین؟ حضرت عایشہؓ کو ابن زبیرؓ کا حال معلوم نہ تھا، اس لیے سبکو اجازت دیدی، اس طرح ان دونون کے ساتھ ابن زبیرؓ بھی مکان کے اندر داخل ہوگئے، اور پردہ کے اندر جاکر خالہ کے گلے مل کر رونے اور قسمین دلانے لگے، مسور اور عبدالرحمن نے بھی قسم دلائی، مگر حضرت عایشہؓ قسم دلانے کے باوجود بھی نہ بولین، جب اسمین بھی ناکامی ہوئی تو دونون نے آپ کو رسول اللہ کا یہ فرمان یاد دلایا، کہ کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ ترک کلام کرنا جائز نہین ہو، یہ فرمان یاد لاکر برابر اصرار کرتے رہے، حضرت عایشہؓ بھی ان دونون کو نصیحت کرنے لگین، اور رو رو کر فرماتی جاتی تھین مین نے نہ بولنے کی نذر مانی ہے، اور نذر کا توڑنا بہت سخت ہے، لیکن دونون سفارشی کچھ اس طرح مصر ہولے کہ حضرت عایشہؓ

کہہ بولتے ہی بن پڑا اور نذر توڑنے کے کفارہ میں بعد کو چالیس غلام آزاد کئے، گو آپنے نذر توڑنے کا کفارہ ادا کر دیا تھا لیکن اس کا اتنا غم تھا کہ جب اس کو یاد کرتی تھیں تو روتے روتے ڈوپٹہ تر ہو جاتا تھا[1]

احکام نبوی کی پابندی | ابن زبیرؓ کسی موقعہ پر بھی فرمان رسالت کی پابندی سے غفلت نہ برتتے تھے، بڑی بڑی باتوں کا کیا ذکر وہ معمولی معمولی دنیاوی واقعات میں بھی اسکو نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، اور ایسے موقعوں پر اپنی وجاہت اور دنیاوی اعزاز کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے اور ان کے بھائی عمرو کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ ہو گیا، سعید بن عاص حاکم مدینہ تھے ابن زبیرؓ ان کے پاس مقدمہ لیکر گئے تو دیکھا کہ انکے بھائی سعید بن عاص کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، سعید نے اُن کے رتبہ کے خیال سے انھیں بھی تخت پر بٹھانا چاہا، لیکن اُنھوں نے اس سے انکار کیا، اور کہا کہ نہ رسول اللہ صلعم نے اس طرح فیصلہ کیا ہے، اور نہ یہ آپ کی سنت کے مطابق ہے، مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو حکم کے سامنے بیٹھنا چاہئے[2]

حقوق والدین، | حقوق العباد میں والدین کے حقوق اور ان کی اطاعت اور فرمان برداری کا درجہ سب سے بلند ہے، ابن زبیرؓ نے حاضر و غائب ہمیشہ والدین کے حقوق کا یکسان خیال رکھا، دنیا کا یہ عام اصول ہے، کہ متمول والدین کی وفات کے بعد ورثہ کو عموماً سب سے اول میراث کی فکر ہوتی ہے، لیکن اس معاملہ میں ابن زبیرؓ کا عمل اس عام روش سے بالکل جداگانہ تھا، انھوں نے باپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنے حق میراث کی جسکی تعداد کروروں روپیہ تھی مطلق پروانہ کی، اور حضرت زبیرؓ کی وفات کے بعد سب سے پہلے انکا قرض چکایا، یہاں تک تو خیر حکم شرع کی پابندی تھی، قرض چکانے کے بعد دوسرے وارثوں

[1] بخاری ج ۲ کتاب الادب باب الہجرۃ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۴،

نے تقسیم میراث کے لیے عجلت کی، ابن زبیرؓ نے جواب دیا کہ مین چار سال برابر حج کے موقعہ پر اعلان کرونگا کہ والد کے ذمہ جس کا قرض ہو، وہ اپنا قرض لے لے، اس اعلان کے بعد پھر ترکہ تقسیم کرونگا چنانچہ چار سال مسلسل اعلان کرنے کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا[1] اسی طریقہ سے چار سال تک برابر لوگون سے باپ کے لئے دعاے مغفرت کی درخواست کرتے رہے،

وہ نازک سے نازک مواقع پر انکی اطاعت سے انحراف نہ کرتے تھے، اور اسی اطاعت مین اپنی جان تک دیدی، ناظرین اوپر ملاحظہ فرما چکے ہین کہ حجاج کے مقابلہ مین آخر آخر مین تمام ساتھیون نے ساتھ چھوڑ دیا تھا حتی کہ بیٹے بھی علحدہ ہوگئے تھے کوئی ناصر و یاور باقی نہ تھا، حجاج امان دینے پر آمادہ تھا، اور ابن زبیرؓ کے ادنی اشارہ پر انکی جان بچ سکتی تھی لیکن ماں کے اس حکم پر کہ حق پر جان دیدینا زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے انھون نے تنہا حجاج کا مقابلہ کیا، اور اسی معرکہ حق و باطل مین جان نثار کردی،

شجاعت و بہادری، شجاعت و شہامت ابن زبیرؓ کا نمایان وصف تھا، بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وصف مین انکا کوئی معاصر انکا حریف نہ تھا، چنانچہ سیوطی لکھتے ہین کہ ابن زبیرؓ اپنے زمانہ کے قریش کے بڑے بہادرون مین تھے، اور ان کے بہت سے مشہور معرکے ہین[2] ابن زبیرؓ کی پوری تاریخ تمھارے سامنے ہے، اس پر نظر ڈالو، اسکا صفحہ صفحہ تم کو ان کی داستان شجاعت سے معمور نظر آئیگا، یہ وصف انھین کچھ خلقۃً ملا تھا، اور کچھ ان کے پدر بزرگوار کی تربیت نے اسکو جلا دی، بچپن ہی سے ان کے ناصیۂ اقبال پر عظمت و شجاعت کے آثار نمایان تھے، اور ان کے بچپن کے کھیل ان کے آیندہ کارنامون کا پتہ دیتے تھے، اس قسم کے واقعات شروع مین لکھے جا چکے ہین، اسلیئے یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین،

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ [2] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۲۱۲

حضرت زبیرؓ بن عوام نے شروع ہی سے انھین شجاعت و بہادری کی تربیت دی تھی اور ہولناک مناظر دکھا کر انھین اس کا خوگر بنایا تھا چنانچہ سب سے اول غزوہ خندق ۵ھ مین جبکہ ان کی عمر پورے پانچ برس کی بھی نہ تھی خندق کی معرکہ آرائی کا تماشہ دیکھا، اور اس ادائے معصومانہ کیساتھ کہ یہ اور ان کے ایک اور ہمسن صاحبزادے عمر بن سلمہ دور ایک بلند ٹیلے پر کھڑے تھے، اور وہ دونون ایک دوسرے کی گردن پکڑ پکڑ کے جنگ کا منظر دکھاتے تھے[1] بچپن کے معصومانہ دور کے بعد جب شباب کی منزل مین قدم رکھا تو یہ فطری وصف اور زیادہ چمکا، چنانچہ سب سے اول جنگ یرموک مین شریک ہوئے، پھر افریقہ کی مہم کو جسکی فتح کا سہرا ابن ابی سرح کے سر باندھا جاتا ہے اپنی خوش تدبیری سے سر کیا، پھر حضرت عثمانؓ کی مدافعت مین سینہ سپر ہوئے، پھر جنگ جمل مین حرم نبویؐ کی حفاظت مین ۴۰ سے زیادہ زخم کھائے، حجاج کا جس شجاعت و پامردی کیساتھ مقابلہ کیا، اس کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہین، ان کی اس بے نظیر شجاعت کا ان کے حریف بھی لوہا مانتے تھے، چنانچہ مشہور اموی سپہ سالار حصین بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن زبیرؓ نے مسجد حرام مین خیمہ نصب کر رکھا تھا، اس سے اس طرح نکلتے تھے، جس طرح جھاڑی سے شیر نکلتا ہے[2] اسی طرح اس عہد کے ایک مشہور سپہ سالار مہلب سے اس کے زمانہ کے بہادرون کے نام پوچھے گئے تو اس نے کہا مصعب، عمر بن عبید اللہ اور عباد بن حصین، اسائل نے کہا اور عبد اللہ بن زبیرؓ، مہلب نے کہا ہم انسانون کا ذکر کرتے ہین جنون کا نہین[3] حضرت ابن عمرؓ سے کسی نے پوچھا زبیرؓ کے دونون بیٹون مصعبؓ اور عبد اللہؓ مین سے کون زیادہ بہادر تھا، فرمایا دونون بہادر تھے، دونون موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ مین گھس گئے[4] عثمان بن ابی طلحہ کہتے تھے کہ تین چیزون مین ابن زبیرؓ کا کوئی حریف نہین، عبادت، بلاغت اور شجاعت[5]

[1] مستدرک حاکم ج ۳ تذکرۂ ابن زبیرؓ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] تاریخ الخلفا سیوطی حالات ابن زبیرؓ

جرأت وبے باکی جرأت وبے باکی بھی شجاعت کا ایک دوسرا رخ ہے، ابن زبیرؓ اس مین بھی فرد تھے، امیر معاویہ نے جب یزید کو ولیعہد بنانا چاہا تو اپنی پولیٹکل تدبیرون اور زرپاشیون سے بڑے بڑے لوگون کی زبانین خاموش کردین لیکن ابن زبیرؓ کی تیغ زبان ان کے مقابلہ مین بھی بے نیام رہی، اور اس شدومد کے ساتھ ان کی مخالفت کی کہ امیر معاویہ جیسے عالی دماغ مدبر کو متحیر کردیا، اور آخر دم تک یزید کی ولیعہدی نہین تسلیم کی امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید تخت نشین ہوا تو وہ بھی انکو قابو مین نہ کرسکا، اور ابن زبیرؓ اس زور کے ساتھ بنی امیہ کے خلاف اٹھے کہ انکی حکومت کی بنیادین ہلا ڈالین، اور قریب قریب کل عالم اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرالی، لیکن کارکنان قضا وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، کہ ان سے بعض ایسی فاش سیاسی غلطیان سرزد ہوگئین جن سے انکا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، ورنہ آج بنی امیہ کی تاریخ کا کہین وجود نہ ہوتا،

ذریعہ معاش، ابن زبیرؓ نے دولت وتمول کے گہوارہ مین پرورش پائی تھی، زندگی کے آخر لمحہ تک نہایت عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتے رہے، آپ کے والد حضرت زبیرؓ دولت مندترین صحابہ مین تھے انکا تجارتی کاروبار بڑے وسیع پیمانہ پر تھا، فتوحات مین متعدد جاگیرین ملی تھین مختلف شہرون مین مکانات تھے، خاص مدینہ مین جائداد اور گیارہ مکان تھے، ان کے علاوہ بصرہ مین دو اور مصر کوفہ مین ایک ایک مکان تھا[1] خیبر مین آنحضرت صلعم نے انھین ایک وسیع شاداب قطعہ زمین مرحمت فرمایا تھا[2] حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ نے اپنے زمانہ مین مقام جرف اور مقام عقیق مین جاگیر زمین دی تھی[3] غرض حضرت زبیرؓ بہت جاگیرون اور مکانات کے مالک تھے، تجارت اس کے علاوہ تھی، اسلئے وہ اپنے عصر کے دولتمندترین شخص تھے، انکی دولت کا اندازہ پانچ کرور دو لاکھ کیا جاتا ہے[4] جس مین

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ، [2] صحیح بخاری کتاب المساقاۃ، [3] ابن سعد ق اول ج ۳ ص ۷۳، [4] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ،

ایک تہائی کی وصیت حضرت عبداللہ کے لئے کرگئے تھے حضرت عبداللہ باپ کی وفات کے بعد انکی وصیت کے مطابق سب سے پہلے انکا ۲۲ لاکھ قرض ادا کیا اس کے بعد پھر ترکہ تقسیم کیا یہ قرض صرف مدینہ کی جھاڑی بیچکر ادا کیا تھا اس کے بعد اتنی دولت بچ رہی کہ آپ کی چار بیویوں کو آٹھویں حصہ کے حساب سے بارہ بارہ لاکھ حصہ ملا[1] اور وصیت کے مطابق اس دولت کا تہائی ابن زبیرؓ کے حصہ میں آیا، اس سے انکی دولت مندی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، یہ وہ جائداد تھی جو انکو ترکہ میں ملی تھی، اس کے علاوہ جب انھوں نے بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ کیا تو قریب قریب پورا ملک انکے زیر اقتدار آگیا تھا، اسوقت انکی حیثیت ایک خلیفہ کی ہوگئی تھی، اور ملک کی تمام آمدنی ان کے قبضہ میں تھی،

کفایت شعاری

لیکن اس دولت کی فراوانی اور تمول کے باوجود اپنے دوسرے ہم عصر دن، اور خاندانی افراد کے برعکس نہایت کفایت شعار تھے، اور مورخین کے قول کے مطابق انکی کفایت شعاری بخل کی حد تک پہنچ جاتی تھی،

ازواج واولاد

ابن زبیرؓ کی ازواج کی اور اولاد کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے،

ابن عباس اور محمد بن حنیفہ کی نظربندی اور اسیری پر ایک نظر

اوپر ابن زبیرؓ کے حالات میں ان کے محمد بن حنیفہ اور عبداللہ بن عباسؓ کو قید کرنے اور مختار کو ان کے چھڑا لیجانے کا حال لکھا جاچکا ہے لیکن وہان اس واقعہ کو صرف واقعہ کی حیثیت سے لکھدیا گیا ہے، اور اس کے علل اور اسباب پر تفصیلی بحث نہیں کیگئی ہے اسلئے وہ بظاہر زیادہ بدنما معلوم ہوتا ہے جہاتک اصل واقعہ اور اسکے اسباب کا تعلق ہے اس واقعہ میں نہ کوئی خاص بدنمائی ہے، اور نہ اس سے ابن زبیرؓ پر زیادہ الزام عائد ہوتا ہے، لیکن اس کی غلط شہرت نے اسے بہت زیادہ بدنما بنادیا ہے، اس لئے اس موقع پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر بحث

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکۃ الغازی فی مالہ،

کیجاتی ہے، اس کی عام شہرت یہ ہے کہ جب عبداللہ بن زبیرؓ نے خلافت کا دعویٰ کیا، تو اور عمائد حجاز کے ساتھ انھین بھی اپنی بیعت کی دعوت دی، انھون نے انکار کیا، انکے انکار پر ابن زبیرؓ نے دونون کو قید کرکے لکڑیون کا انبار لگوا دیا کہ اگر یہ لوگ ایک مقررہ مدت کے اندر بیعت نہ کرلینگے تو انھین پھونک دیا جائے، مختار ثقفی کو اس کی خبر ہوئی تو وہ انھین چھڑا لیگیا، اس کے بعد پھر ابن زبیرؓ نے انکو طائف جیسلا وطن کر دیا،

ظاہر ہے یہ واقعہ اس شکل مین بہت زیادہ بدنما اور ابن زبیرؓ اور ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ تینون کے رتبہ سے فروتر ہے، لیکن واقعہ کی صحیح شکل اس سے بالکل مختلف ہے اور اپنی اصلی صورت مین یہ واقعہ بہت کچھ ہلکا ہو جاتا ہے، بروایات صحیحہ اسکی صورت یہ ہے کہ جب ابن زبیرؓ نے پہلی مرتبہ خلافت کا دعویٰ کیا تو دوسرے عمائد حجاز کے ساتھ عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؒ کو بھی بیعت کی دعوت دی، ان لوگون نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا، اسوقت ان کے انکار پر ابن زبیرؓ بالکل خاموش رہے، اور ان دونون سے کوئی تعرض نہین کیا[1]

اس کے بعد جیسا کہ اوپر ابن زبیرؓ کے حالات مین لکھا جا چکا ہے، بنی ثقیف کے ایک گمنام اور خود غرض شخص مختار بن عبید ثقفی کو حصول حکومت کا حوصلہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنی کامیابی کے لئے حسینؓ کے خون کے انتقام اور دعوت اہل بیت کو آلہ کار بنایا، محمد بن حنفیہؒ اور ابن عباسؓ دونون اسکے دام فریب مین آگئے، امام زین العابدینؒ نے ان دونون کو اسکی حقیقت سے آگاہ کرکے روکنا بھی چاہا لیکن یہ لوگ ہاشمی عصبیت کی وجہ سے نہ رکے،

مسعودی کا بیان ہے، کہ مختار نے سب سے پہلے زین العابدینؒ کے پاس ایک رقم نذرانہ مین بھیجکر ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہین، اور ہم سب سے بیعت لیکر

[1] اخبار الطوال ص ۲۷۴،

امامت قبول کرکے ہماری سرپرستی قبول فرمائیے امام موصوف اسکی حقیقت سے آگاہ تھے، اسلئے اسکی درخواست مسترد کردی، اور مسجد نبوی میں مختار کے کذب اور فسق و فجور کا پردہ فاش کرکے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کی آڑ پکڑی ہے، مختار آپ سے مایوس ہوکر محمد بن حنفیہ کے پاس پہنچا، اور ان سے درخواست کی، زین العابدینؓ نے انھیں بھی منع کیا اور فرمایا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے بالکل مختلف ہے، اور یہ دعویٰ محض محبان اہل بیت کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کرتا ہے، ورنہ حقیقت میں اسکو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ انکا دشمن ہے، میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے حضرت زین العابدینؓ کے اس اختلاف پر محمدؓ بن حنفیہ نے ابن عباسؓ سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے کہا اس معاملہ میں تم ان کا کہنا نہ مانو تم کو نہیں معلوم ہم لوگوں کو ابن زبیرؓ سے کیا خطرات ہیں[1]،

ابن سعد کی روایت ہے کہ عیسیٰ بن دینار موذن بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے مختار ثقفی کے بارہ میں پوچھا، انھوں نے کہا علی بن حسینؓ خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر مختار پر لعنت بھیجتے تھے، ایک شخص نے اعتراض کیا کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت کی راہ میں مارا گیا، فرمایا وہ کذاب تھا، اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا[2]،

مختار ثقفی کی جو حیثیت تھی اس کا اندازہ حضرت زین العابدینؓ کے اس تنفر سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ علی الاعلان اس سے برأت ظاہر فرماتے تھے دوسروں کو اس کے دام فریب میں پھنسنے سے روکتے تھے، اس کے برعکس عبداللہ بن زبیرؓ کے جو فضائل ہیں، وہ روز روشن کی طرح عیاں

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۹۷ و ۱۰۴ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸،

ہین، خود ابن عباسؓ جو ان کے مخالف تھے ان کے تمام فضائل کے معترف تھے بخاری کی روایت ہے کہ ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہین کہ ابن عباسؓ اور ابن زبیرؓ کے درمیان کچھ شکر رنجی تھی مین نے ابن عباسؓ سے جاکر پوچھا، کیا آپ ابن زبیرؓ سے لڑکر حرام الٰہی کو حلال کرنا چاہتے ہین؟ انھون نے جواب دیا، معاذ اللہ حرم الٰہی کو حلال کرنا تو بنی امیہ اور ابن زبیرؓ کے قسمت مین لکھا ہے، مین خدا کی قسم کبھی ایسی جرات نہین کرسکتا، پھر ابن عباسؓ نے کہا کہ ابن زبیرؓ کے حامی مجھ سے کہتے ہین کہ ابن زبیرؓ کی بیعت کرلو، مین جواب دیتا ہون کہ یہ ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کے باپ (زبیر بن عوام) حواری رسولؐ ہین، ان کے نانا (ابو بکر صدیق) رسول اللہؐ کے غار کے ساتھی ہین، انکی مان (حضرت اسماء) ذات النطاقین ہین، انکی خالہ (عائشہ صدیقہ) ام المومنین ہین، انکی پھوپھی (خدیجہ صدیقہ) رسول اللہؐ کی حرم ہین، رسول اللہ صلعم کی پھوپھی (حضرت صفیہؓ) انکی دادی ہین، پھر وہ خود اسلام مین پاکباز اور قاری قرآن ہین[1]،

مختار کی اُس بے دینی، اور ابن زبیرؓ کے ان فضائل کے ہوتے ہوئے، ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہؓ نے نہ صرف ابن زبیرؓ کی مخالفت کی بلکہ ان کے مقابلہ مین مختار جیسے شخص کی امداد کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ابن زبیرؓ نے شروع مین ان دونون بزرگون کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہین کیا، اور مختار برابر ان دونون کے بل پر اپنا کام کرتا رہا، پھر جب مختار نے ابن زبیرؓ کے عامل ابن مطیع کو نکال کر کوفہ پر قبضہ کرلیا تو ابن حنفیہ کے شیعون نے نہایت آزادی کے ساتھ ابن زبیرؓ کے مقابلہ مین انکی دعوت شروع کردی، ابن زبیرؓ نے پہلے سے ان کے انکار پر انکی جانب سے کھٹکے ہوئے تھے، جب ان کے شیعون نے ان کی دعوت شروع کردی، تو ابن زبیرؓ کو انکی جانب سے اور زیادہ خطرہ پیدا ہوگیا، اس لئے انھون نے ان سے پھر اپنی بیعت کے لئے اصرار

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۷۲،

شروع کر دیا، اور اس مرتبہ ان کے انکار کرنے پر انھیں چاہ زمزم کی چار دیواری میں قید کر دیا اور ایک مدت مقرر کر دی کہ اگر وہ اس کے درمیان میں بیعت نہ کر لیں گے، تو انھیں لکڑیوں سے پھونک دیا جائیگا، محمد بن حنفیہؓ اس وقت ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں بالکل مجبور تھے، اس لئے مختار ثقفی کو اطلاع دیکر اس سے امداد مانگی، اس نے آدمی بھیجکر انھیں چھڑا لیا[1]،

اس روایت میں ابن عباسؓ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اس کے علاوہ ابن اثیر نے ایک اور روایت قیل کرکے لکھی ہے یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ جب ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہ کو زمزم میں قید کیا تو ابن عباسؓ کو ان کے گھر میں محصور کر دیا، اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ انھیں بھی مختار نے رہا کرایا[2]،

اس سلسلہ میں عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ ابن زبیرؓ نے محمد بن حنفیہؒ اور ابن عباسؓ دونوں کو جلا وطن کر دیا تھا، لیکن یہ شہرت صداقت سے بالکل عاری ہے، واقعہ یہ ہے کہ مختار کے قتل کے بعد جب محمد بن حنفیہؒ کا کوئی پشت و پناہ باقی نہیں رہا، تو ابن زبیرؓ نے پھر ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا، اور اب ان کے لئے مکہ میں رہکر بیعت سے انکار مشکل تھا، اس لئے یہ خود اپنی جان چھڑانے کے لئے طایف چلے گئے، ان کے جانے کے بعد ابن عباسؓ نے بھی مکہ چھوڑ کر طائف کی سکونت اختیار کر لی[3]

تینوں بزرگوں کے اختلاف کے سلسلہ میں جسقدر واقعات پیش آئے تھے اور جسطرح پیش آئے انکو ہم نے بلا کم و کاست نقل کر دیا ہے، اس کے بعد ناظرین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جبکہ مختار کی ضلالت و گمراہی بالکل عیاں تھی اور سلالۂ خاندان نبوت حضرت زین العابدینؒ نے اسکو واشگاف بیان کر کے محمد بن حنفیہ کو اس سے بچنے کی تاکید فرمائی، اسی طریقہ سے ابن زبیرؓ کے فضائل روز روشن کی طرح آشکارا تھے، اور خود ابن عباسؓ کو انکا اعتراف تھا، ایسی حالت میں ان دونوں بزرگوں

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۶ و ۲۰۷ ملخصاً، [2] ایضاً ص ۲۰۷،

[3] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۷،

کا ابن زبیرؓ کے مقابلہ مین اسکی حمایت کرنا کہان تک حق بجانب تھا، اور اگر ابن زبیرؓ نے جو بہتان
مین ان دونون پر کچھ ناروا زیادتیان کین، تو وہ تنہا کس حد تک اس کے ذمہ دار ہین، فطرت
انسانی کے نبض شناس اس کا خود فیصلہ کر سکتے ہین، اب رہا یہ سوال کہ ابن زبیرؓ خلافت کے مستحق
تھے یا نہین، یا ابن حنفیہؓ اور ابن عباسؓ کا انکی بیعت سے انکار کرنا روا تھا یا ناروا، یہ علیحدہ سوالات
ہین، جن پر بحث کا یہ موقعہ نہین ہے، سوال جو کچھ تھا، وہ ابن حنفیہؓ اور ابن عباسؓ کی مختار کی حمایت
کا، اور اس کی تفصیل معلوم ہو چکی،

طابع :- محمد اویس وارثی،